ماورائے سراب

پروفیسر احمد رفیق اختر

تالیف: کلثوم اسماعیل

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَـلَآ اُقۡسِـمُ بِـمَا تُبۡصِرُوۡنَ ۙO وَمَا لَا
تُبۡصِرُوۡنَ O ۙ اِنَّـہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِیۡمٍ
O ۚ وَّمَـا ھُـوَ بِـقَـوۡلِ شَاعِرٍ ط قَلِیۡلاً مَّا
تُؤۡمِنُوۡنَ O ۙ وَلَابِـقَوۡلِ كَاھِنٍ ط قَلِیۡلاً
مَّا تَذَكَّرُوۡنَ O (الحاقة ۳۸:۴۲)

تو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ کتنا کم یقین رکھتے ہو اور نہ کسی کاہن (نجومی) کی بات۔ کتنا کم غور کرتے ہو......

محمد رسول اللہ ﷺ کے نام……

جن کی محبت و کرم کے سبب
بکھری ہوئی کائناتوں کے سلسلے
منزلِ ابد کی مرکزیت کی جانب گامزن ہیں!

فہرست

عنوان صفحہ نمبر

☆ پیش لفظ 9
☆ محمد رسول اللہ ﷺ (لیکچر) 13
سوال و جواب 42
☆ حدیثِ رسول ﷺ تحقیقِ جدید کے تناظر میں (لیکچر) 96
سوال و جواب 132
☆ فطرتِ انسان (لیکچر) 144
☆ نفس، انسان اور شیطان 165
سوال و جواب 190
☆ توحید، ایمان اور عمل (لیکچر) 210
سوال و جواب 246
☆ اسلام کا نظریہ ارتقاء تغیراتِ زمانی و مکانی کے تناظر میں (لیکچر) 275

پیش لفظ

اُس ”رحمت بھرے ہاتھ“ نے صحرائے زندگی میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اسے ذات شناسی کے راستے پر چلایا اور اس کی منزلِ حقیقی کا پتہ بھی بتایا مگر...... اس سے صدیوں کے فاصلے پر دن اور رات کے دائروں میں گھومتا ہوا انسانیت کا وجود آج پھر بے معنویت کے احساس کی تھکن سے چُور ہے۔ اُس سے بچھڑ کر نہ منزل کی خبر رہی، نہ راستے یاد رہے اور اتھاہ کائنات میں پھیلے ناشناسی کے مہیب سنّاٹے روح کی گہرائیوں تک اتر گئے۔ بے سمتی اور لامکانی کا بوجھ اٹھائے روحِ انسان آج کس کو تلاش کرتی ہے......؟ کیا وہ کہیں بہت قریب ہے......؟ شاید ”رگِ جان سے بھی زیادہ“...... یا پھر بہت دور...... لامکاں کی حدوں سے بھی پرے...... جس کی دُوری اس پُر ہجوم کرۂ ارض پر رہنے والے تنہا انسان کے دل کو خوشی کی انتہا کے لمحوں میں بھی کھٹکتی ہے مگر اس ’عہدِ بے خبر‘ میں کون اس کا پتہ بتائے؟ اُسے کوئی کہاں ڈھونڈے......؟ کیا کسی قدیم و جدید فلسفے کی الجھی گتھیوں میں اس کا نشان ملے گا......؟ الفاظ کے باریک در باریک معنوں میں......؟ کسی اجڑے ہوئے دل کی خاموشی سے یا ٹوٹے ہوئے ارادوں کے درمیاں سے اس کی صدا سنائی دے گی......؟ یا دل کی سرزمین سے گزر کر اسیری کی حدوں کو توڑتی ہوئی ’ہوا‘ کے ساتھ اسے ڈھونڈنے چلیں کہ

ازل کے سمندر کی موجوں پہ لکھی فنا کی کہانی
سنائے ہوا
ابرِ نیساں کے سنگ
لے کے خوشبو کے رنگ
بن کے بادِ صبا
ہو کے صَر صَر چلے
کہ بے رنگ صحرا کے خوش رنگ پھولوں کی خوشبو سے پوچھے ہے اس کا پتہ......
جنت سے بچھڑی زمینوں کے رنگوں کو چُھو کر
ہرے جنگلوں کے اندھیروں میں
بہتی سمٹتی ہوا
صدف کے جزیروں کی نم ریت کے غم میں بوجھل......
ہوا ڈھونڈتی ہے
گہر کا پتہ......

......یا پھر شب کے دہکتے آسماں پر کسی نیلے ستارے سے اس کا پتہ پوچھیں......کس سے پوچھیں کہ صحرائے زندگی میں پھیلی اس ازلی اداسی کا سبب کیا؟ مگر......اس 'عہدِ بے خبر' میں ایک انسان، ایک خبر شناس، ایک استاد ضرور ایسا موجود ہے جو "خبر" کو عقل کا advantage دے رہا ہے۔ وہ صحرائے زندگی میں 'ماورائے سراب' اس منزل حقیقی کی خبر رکھتا ہے جہاں عقل کی ہمراہی کے بغیر پہنچنا محال ہے۔

اس زمانے میں جہاں مقامی وضاحتوں نے اسلام کی اصل حقیقت کو عام مسلمانوں سے بہت دور کر دیا ہے اور جس طرح اسلام کو پیش کیا جا رہا ہے اس پر عمل

کرنا امرِ محال بن گیا ہے اور نتیجہ مذہب سے دوری...... اپنے خالق و مالک سے دوری...... پروفیسر احمد رفیق اختر مذہب کی وہ حقیقت پیش کرتے ہیں جو انسانی فطرت کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات سے لے کر کائناتِ بسیط میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب دیتی ہے۔ وہ مذہب کو زمانے کے تناظر پر رکھتے ہوئے اسے عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور نتیجتاً مذہب اور شریعت ایک بوجھ نہیں لگتا بلکہ وہ ہر جگہ انسان کیساتھ کھڑا ہوتا ہے ایک دوست اور رہنما بن کر...... کیونکہ یہی وہ رستہ ہے جو آخرکار اس منزل تک لے کر جاتا ہے جہاں روح کا سکون اور سلامتی ہے۔ پروفیسر احمد رفیق اختر ایک ایسے استاد ہیں جو لوگوں کو نہ عذاب و ثواب سے ڈراتے ہیں، نہ لمبی چوڑی وعظ و نصیحت کرتے ہیں، نہ کوئی سرزنش اور نہ ہی ان کی گفتگو سے تکبرِ عالمانہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ لوگوں کی ذہنی سطح پر آ کر ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں اس فراست سے دیتے ہیں جو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والوں کا خاصہ ہے۔ ان کے سامنے بیٹھا ہوا انسان اپنی ذات کے تعارف پر یک بارگی بوکھلا اٹھتا ہے۔ وہ ''اسمائے حسنہ'' کی تسبیحات کے ذریعے انسانی جبلت کی اس عادت پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں جو انسان اور اس کے خالق کے رستے میں حائل رہتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ ''ماورائے سراب'' وہ راستہ واضح ہونے لگتا ہے جس کی ہر منزل پر انسان کے خالق و مالک کا دامنِ رحمت اس کیلئے ہر دم ''کشادہ'' ہے۔

کلثوم اسماعیل

یکم مارچ 2009ء

محمد رّسول اللہ ﷺ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ السَّمِیعِ العَلِیمِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ
لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُونَ ۝ وَسَلامٌ عَلَی الْمُرسَلِیْنَ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِک وَسَلِّمْ

صحرائے گوبی میں جب ترکمانوں کے قافلے دن بھر کی تگ و تاز کے بعد چشموں کے کنارے اترتے تھے تو آگ کے الاؤ کے گرد ان کے داستان گو اُن کو بڑی عجیب و غریب، مسحور کن داستانیں سنایا کرتے تھے اور کسی کو اُس وقت یہ خیال نہ آتا تھا کہ بذاتِ خود حضرتِ انسان کی زندگی، اس کے واقعات، اسکی ترتیب، زمان و مکاں میں اس کا ظہور، اس کا آگے بڑھنا، اس کا رکنا اور ice ages (برفانی دور) کے اندر اس کا فنا ہوا اور glaciers (برفانی تودے) میں سے نکل کر دوبارہ رجعتِ انسان پایا، یہ شاید تاریخ کے سب سے حیران کن صفحات ہیں۔ یہ سب سے حیران کن داستان ہے کہ انسان نے اُس لمحہ حیات سے زندگی شروع کی کہ جس پر پروردگار

نے قرآن حکیم میں فرمایا:

"هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا"

(بلاشبہ زمانے میں انسان برسوں ایسے رہا کہ کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا) یہ حقیقت ہے کہ انسان بہت عرصہ، ارب ہا ارب سال ایسے رہا کہ کوئی قابلِ ذکر شے نہیں تھا۔ پھر خداوند کریم نے فرمایا کہ "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ" میں نے اسے دہرے نطفے سے پیدا کرنا شروع کیا۔ پھر چاہا کہ اسے آزماؤں "فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا" یہ سب کچھ کس لیے تھا؟ اسی سورۃ دھر میں چوتھی آیت ہے "اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" تاکہ میں تمہیں عقل و شعور بخشوں، ہدایت بخشوں، راہنمائی بخشوں اور پھر انتخاب تم پر چھوڑ دوں کہ تم مجھے چنتے ہو، مانتے ہو یا میرا انکار کرتے ہو۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان و جانور اور تمام مخلوقات ایک ہی حیاتی مرکز سے پیدا ہوئیں۔ ایک ہی gene تھا جو انسان اور حیوان دونوں میں مشترک تھا اور کروڑہا برس تک انسان حیوان سے کسی طور پر بھی مختلف نہیں تھا اور کسی طور پر بھی اُس کی شناخت جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ علوم عمرانیات کے ماہرین اس بات پر متردد تھے کہ آخر ہم انسان کا سراغ کہاں سے ڈھونڈیں، کہاں سے پائیں، کہاں سے دیکھیں کہ انسان دوسری مخلوقات سے کب جدا ہوا اور کہاں سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ انسان باقی genetic مخلوقات سے، یا اپنے ہی gene سے بغاوت کر کے ایک علیحدہ شخصیت کیسے بنا۔

نو کروڑ سال سے آگے بڑھتے ہوئے ہمیں پہلا سراغ انسان اس وقت ملتا ہے کہ جب پہلی مرتبہ پانچ چھ کروڑ سال پہلے کی ایک انسان نما شے کا سراغ ملا اور یہ اس وقت کی شے تھی کہ جب زمین پر مخلوقات کے تصادم میں دو گروہ علیحدہ ہو گئے۔ ایک گروہ زمینوں کی طرف بڑھا، سوراخوں میں گھسا، کیڑے مکوڑوں کی شکل اختیار کی، سانپ اور بچھو بنا اور دوسرا گروہ وہ تھا جو درختوں کی طرف بڑھ گیا۔ یہ primates کہلاتے ہیں۔ primates میں ہی انسان تھا اور یہ primate جانوروں میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس جانور کی قطعاً کوئی مشابہت دورِ حاضر کے انسان سے نہیں ملتی تھی۔ یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ وہ بھی کوئی انسان تھا۔ اسکے ہاتھ پاؤں جڑے ہوئے تھے، اس کا قد بالکل چھوٹا اور معمولی اور اُسکی آنکھیں ٹیڑھی میڑھی، کھوپڑی بہت چھوٹی اور زیادہ سے زیادہ اُس کے brain کی quantity 175cc (دماغ کی مقدار) کے برابر تھی

جبکہ موجودہ انسان کے بچے کی بھی دماغ کی مقدار 175cc کے قریب ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ سراغ ملتا ہے کہ اس مخلوق نے ہلکے ہلکے سے اپنی جبلتوں کو define (کارآمد) کرنا شروع کردیا۔ اندھیرے جنگلوں میں سفر کرتے ہوئے اس انسان نما مخلوق نے اِدھر اُدھر پاؤں مارنے شروع کیے تو اسکے پیروں کی گرفت درست ہوتی گئی اور اس کا انگوٹھا کام کرنا شروع ہوگیا، اسکی انگلیاں سیدھی ہونا شروع ہوگئیں اور اندھیرے درختوں میں سرسراتی ہوئی آوازوں سے اور شکار کی جبلت کیلئے، زندگی کے تحفظ کیلئے اسکی آنکھوں کے ڈیلے حرکت کرنے شروع ہوگئے۔ شاید اُس انسان کو دیکھ کے آج ہم بھی شرما جائیں مگر ایسا لگتا ہے کہ تاریخی تواردو اور سائنسی اندازوں کے مطابق وہ ہمارے آباؤاجداد میں سے تھا۔ وہ بجائے رینگنے کے درختوں پر چڑھ رہا تھا۔ اُسکی کوشش تھی کہ میں آگے بڑھوں اور تمام تاریخِ حیات میں عقل اور choice اُس وقت داخل ہوتا ہے کہ جب مخلوقاتِ ارضی نے instinctive اور genetic (جبلی اور جنیاتی) رویوں کے خلاف جدوجہد شروع کردی۔ وہ behaviour جو ان میں مدتوں سے نسل در نسل چلا آرہا تھا اُسکو reject کرنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے choices استعمال کرنے شروع کر دیئے اور ہلکی پھلکی کوشش اُس پورے pattern سے جدا ہونے کیلئے شروع کردی۔ یہ primate جو ہے جس کو ہم قطعی طور پر انسان نہیں کہہ سکتے آگے بڑھتا ہوا اپنی کوئی built, society کرنے کے قابل نہیں، خاندان بسانے کے قابل نہیں، بچوں کی نگہداشت کے قابل نہیں مگر زندگی کو درپیش ایک challenge کا سامنا کررہا ہے جو جبلی سطح پر جبلت کی مخالفت ہے اور یہ primate بالآخر انسانوں کے آباؤاجداد میں سے first degree (پہلے درجے) کی شناخت کے قابل بنتا ہے اور اسی سے آگے بڑھتے ہوئے ہم اس نسلِ انسان تک پہنچتے ہیں جن میں مشابہت کی وجہ سے پہلی دفعہ سائنس دان انہیں Homonides کہتے ہیں۔ Homonide کا مطلب ہے "انسانوں سے مشابہت کی ایک مخلوق" جو gorillas کی چمپینزی (chimpanzee) سے بھی بدتر تھی۔ اس وقت homonides ایک نئے order کیلئے جبلی کوشش کررہے تھے۔ اس وقت ان میں شعور کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

ایک طویل جدوجہد کے بعد، اور یہ نہیں کہ یہ ایک آدھ دن میں ہوا ہو، جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ چھ کروڑ سال میں ہمیں پہلا سراغ انسان ملنا شروع ہوا اور چھ کروڑ سال کے بعد دو کروڑ سال کے عرصے میں ہمیں اس ہستی کا سراغ ملا جو بہت کمتر level پر انسانوں سے

مشابہ ہے۔ اس سے آگے بڑھتے ہوئے اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کو تقسیم کرنے والی اور دنیا کو تباہ کرنے والی چیزیں دو ہیں۔ پورے عرصہ قدیم میں دو چیزوں نے انسانوں کو اور دوسری حیات کو تباہ و برباد کر دیا اور از سر نو تخلیق کے process شروع کئے۔ ایک environmental changes تھیں، موسموں کا تغیر و تبدل اور دوسری جو اس سے بھی بڑی بات تھی، جو اس سے بھی important بات تھی وہ ice age تھی اور یہ ice age کوئی چھوٹی موٹی برف باری نہیں بلکہ ایک ایک میل موٹی برف کی سلیں زمین پر جم جاتی تھیں اور زندگی بالکل امرِ محال ہو جاتی تھی۔ ice ages اس وقت تک کم از کم چار ریکارڈ ہوئی ہیں...... ice ages کو اللہ تعالیٰ نے ایک process of elimination کیلئے استعمال کیا۔ قطع و برید کے اس عمل کو اس لئے استعمال کیا کہ وہ تمام غیر مطلوبہ مخلوقات کو ختم کر دیتا تھا اور ایک نئی اور تازہ genetic strength (جنیاتی طاقت) سے ابھرتی ہوئی ایک نئی نسل کو فروغ دیتا تھا۔ یہ selective process (منتخب شدہ عمل) ہے۔ شاید یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ selective process ہے۔ کبھی میں سوچتا ہوں کہ اللہ نے ایک بات کہی کہ اے حضرتِ انسان میں نے دو دن لگائے دنیا کی تخلیق میں اور دو دن لگائے اشیائے ضرورت انسان پیدا کرنے میں تو میں سوچتا ہوں کہ انسان کو مکمل کرنے سے پہلے پروردگارِ عالم نے ہر اس مخلوق کو پیدا کیا جس کی انسان کو ضرورت تھی۔ biologically (حیاتیاتی) اور سائنسی طور پر یہ ایک process of selection تھا جو جاری تھا اور practically (عملی طور پر) جب انسان نے اپنے choices (اختیارات) سے کام کرنا شروع کیا، جبلی choices سے، عقلی choices سے نہیں، تو اُن اختیارات کے ساتھ جب ہم اسے آگے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ناگہاں ایک عجیب و غریب سراغ ملا۔ تنزانیہ میں "اولڈوائے" کے مقام پر ایک ڈھانچہ ملا اور یہ ایک ice age گزرنے کے بعد کا ڈھانچہ تھا۔ اس ڈھانچے کے بارے میں سب سے بڑی جو بات تھی کہ دیکھا یہ گیا کہ یہ گھر بنانے کیلئے پتھر کہیں سے اٹھا کے لاتا ہے اور کہیں رکھتا ہے۔ یہ دیکھا گیا کہ یہ مخصوص tools (اوزاروں) سے گھر چنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ دیکھا گیا کہ اس نے اپنے بچوں کی حفاظت کیلئے کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی کیونکہ جانور میں tool making کی کوئی skill نہیں ہوتی، اس میں کوئی کلچر نہیں ہوتا، جانور plan نہیں کر سکتا۔ یہاں سے انسانی اختلاف واضح تھا۔ یہ کوئی ایسی astro philologicus مخلوق تھی کہ جو واضح طور پر سوچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ایک ابتدائی quantity تھی، ایک انتہائی معمولی مقدار تھی جو اس قابل نہ تھی کہ اس کو زندگی کا کوئی مکمل نظریہ دیتی یا اسکو پوری planning دیتی۔ وہ اپنی اسی سوچ کے معمولی سے فروغ کے ساتھ کوشش کر رہا تھا مگر اس کا جب brain analysis (دماغ کا تجزیہ) کیا گیا تو حیرت کی بات ہے کہ اپنے جیسے ایک آدمی سے کم از کم 200cc اسکا brain زیادہ تھا۔ یعنی اس astro philologicus کے brain کی مقدار 700cc تھی، یہ دماغ اب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ کسی حادثے سے اچانک یا challenges کے ساتھ یہ species کہاں سے آئی؟ اسکا فروغ کہاں سے ہوا؟ ابھی تک بہت بڑے بڑے scientists, anthropologists biologians (ماہرین حیاتیات و عمرانیات) شاید اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ از خود دماغ کی مقدار کیسے بڑھ سکتی ہے مگر لگتا ہے کہ اس میں طریقِ یزداں کارفرما ہے کہ وہ بالکل اچانک فوری طور پر کوئی کام نہیں کرتا۔ انسان کی تکمیل سے پہلے وہ ذرا ذرا سا اُس شعور کا touch (مَس) اُس عقل کا touch اُسے دے رہا ہے جس کو برداشت کرنا شاید اس کے بس سے باہر تھا۔ اب وہ ایک پورے مکمل جبلی وجود سے عقل کی طرف آ رہا تھا اور خدا ہمیں آزمانے کیلئے: "نَّبتَلِیهِ فَجَعَلنٰهُ سَمِیعًا ۢ بَصِیرًا o" کہ سماعت اور بصارت دینے کے بعد تھوڑی بہت عقل و شعور کی حس وہ ہمیں دے رہا تھا تاکہ ہم آگے بڑھتے ہوئے کسی بہت بڑے کام کیلئے تیار ہو جائیں۔

خواتین و حضرات! آج بھی ایک gorilla کے brain کی مقدار 585cc ہے اور اُس وقت جو انسان astro philolgicus تھا اس کی مقدار 700cc تھی۔ chimpanzee کے دماغ کی جو گنجائش ہے وہ 470cc ہے۔ بہت عرصہ اور گزرا دس اور بیس لاکھ سال کے درمیان ہمیں ایک اور بڑے عجیب و غریب انسان سے واسطہ پڑتا ہے جو افریقہ، یورپ اور کئی مقامات پر پایا جاتا ہے اس کو سائنسدانوں نے Homo Habilus بھی کہا اور Homo Erectus بھی کہا۔ "Habilus" یہ چالاک آدمی ہے، اسکا نشان اسکا کلہاڑا ہے، یہ اپنے choices استعمال کر رہا ہے، یہ بچوں کی حفاظت کر رہا ہے، یہ اپنے اوزار تیز کر رہا ہے یہ hunter ہے، plan کر رہا ہے اور خواتین و حضرات! قربان جائیے پروردگار کے کہ جب زندگی اتنی مصروف ہو اور آج آپ کو بھی گلہ ہوتا ہوگا کہ جب زندگی اتنی مصروف ہو کہ صبح کے کھانے کی فکر ہو، شام کے کھانے کی فکر ہو protection کی فکر ہو تو انسان کے پاس اتنا

وقت نہیں رہتا کہ وہ کسی بہتر فکر، بہتر سوچ یا کم از کم خدا کے خیال سے آشنائی حاصل کریں اور بہت سارے احباب سے جب میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اللہ کو یاد کرنے میں کیا چیز روکتی ہے تو بڑی معصومیت سے جواب دیتے ہیں کہ "فرصتِ غمِ روزگار ہی نہیں ہے، اللہ کہاں سے یاد آئے گا۔ " اللہ کو بھی شاید اس بات کا علم ہے۔ تو جب یہ ابتدائی انسان پیدا ہو رہا تھا یا بن رہا تھا تو خداوندِ کریم نے اس وقت بڑے بڑے جانوروں کو پیدا کیا جیسے ہاتھی اور ڈائنو سار اور ہاتھی بھی سائز اور قد و قامت میں بے پناہ بڑے تھے اور چونکہ انسان ان کا شکار کر رہا تھا تو ایک ہاتھی کو مارنے کے بعد کافی خوراک میسر آ جاتی تھی۔ زیادہ تر اس وقت ہاتھی کا شکار کیا جاتا تھا۔ ایک ہاتھی کا شکار کرنے کے بعد اس کے پاس بہت ٹائم بچتا تھا۔ اس کو پھر رات کی فکر نہیں رہتی تھی۔ اس کے ضمن میں، میں آپکو ایک دلچسپ واقعہ سناتا چلوں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت دورِ رسول اللہ ﷺ میں ایک سریہ کیلئے گئی تو ان کی خوراک ختم ہو گئی اور وہ بھوک سے عاجز آ گئے تو اللہ نے ایک جانور (بقول حدیث کے) پانی سے باہر پھینکا اور وہ اتنا بڑا تھا کہ اصحاب رسولؐ اسے مہینہ بھر کھاتے رہے اور اسکا گوشت محفوظ کیا تو ایک صحابیؓ نے اس کے size کی مثال دی کہ اسکے جبڑے کے نیچے سے اونٹ نکل جاتا تھا۔ لگتا یہی ہے کہ وہ وہیل (whale) ہو گی۔ مگر زمانہ قدیم میں اتنے اتنے بڑے جانوروں کا وجود اس لئے پیدا کیا گیا، عجیب حکمتِ ربانی استعمال کی گئی کہ لوگوں کو ایک وقت کی خوراک کی اور دوسرے وقت کی تلاش کی بجائے ایک بڑے جانور کے شکار کے بعد اتنا ٹائم مل جائے کہ وہ کچھ غور و فکر پر مائل ہو جائیں، سوچنے پر مائل ہو جائیں۔

یہ Homo Erectus جنہیں ہم straight man کہتے ہیں، یہ gorillas کی طرح جھک کے نہیں چلتا تھا، یہ ایک سیدھا انسان تھا اور اسکا نشان تھا "کلہاڑا"۔ اس نے کلہاڑے بنائے ہوئے تھے۔ پھر کاروانِ حیات اور آگے چلا۔ اب بھی اس کو ساخت میں، کھوپڑی کی ترتیب میں انسان نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اب بھی یہ Homo Erectus، 950cc سے لے کر 1050cc کے دماغ کا مالک ہے جبکہ ایک معمولی انسان کے بچے کا دماغ بھی 1750cc کا ہوتا ہے۔ اب بھی بڑا فرق تھا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی reason نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ انسان تھا مگر ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ شاید یہ انسانوں کے آبا و اجداد میں سے تھا۔ اسی اثناء میں جرمنی میں ایک اور ڈھانچہ نکلا جسکی مدت کا تعین بڑے قریب کا کیا گیا، دس اور آٹھ لاکھ سال کے درمیان اسکی مدت کا تعین کیا گیا۔ ان کو Homo Sapien

Neanderthal کہتے ہیں کہ یہ پہلا وہ وجود تھا جس سے پتہ چلا کہ یہ غالباً انسان کے آباؤاجداد میں شامل ہو سکتا ہے۔ Neanderthal میں بہت ساری صفات تھیں، ان میں ایک عجیب سوچ پائی جاتی تھی کہ یہ اپنے مُردوں کو دفن کرتے تھے بلکہ دو واضح سراغ ملے...... تاشقند میں ایک بچے کی قبر ملی اور عراق میں ایک بڑے آدمی کی قبر ملی۔ حیرت کا مقام یہ تھا کہ یہ لوگ آرٹ جانتے تھے، یہ لوگ قبروں پر پھول چڑھاتے تھے۔ مُردوں کو دفن کرتے تھے، ان پر پھول پھینکتے تھے۔ کیا ان کے پاس کسی خدا کا تصور تھا یا نہیں تھا؟ I personally rule out کیونکہ ابھی تک انکی ذہنی بلوغت، انکی ذہنی مقدار اس مقام تک نہ پہنچی تھی کہ جس کے بارے میں خدا یہ خیال کرتا کہ یہ ماہیتِ ملیہ کو برداشت کرنے کے قابل ہے۔

اب قرآن کو دوبارہ پڑھیے...... اس Neanderthal کے وجود میں ایک بات ضرور پائی جاتی تھی، یہ Neanderthal آپ کی طرح نہیں تھا، یہ چار فٹ سے بڑا نہیں تھا۔ اس کو Homo Sapien کہتے ہیں۔ sapien کا مطلب ہے سوچنے والا اور Homo انسان کو کہتے ہیں "سوچنے والا انسان"۔ تو Homo Sapien Neanderthal کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ آخرت کا سوچ رہا تھا، وہ morality pick کر رہا تھا، اس میں عورت اور مرد کے functions جدا ہو گئے تھے۔ ایک بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ باقی جانوروں کی نسبت انسان کے بچے پلنے بڑھنے میں زیادہ وقت لیتے ہیں اور یہ باقی جانوروں کے بچوں کی طرح دو چار یا دس دن میں ماں باپ کے ساتھ دوڑنا نہیں شروع کر دیتے۔ یہ ایک بہت بڑی reason تھی کہ یہ جو انسان بڑھ رہا تھا اس کو اپنے بچوں کیلئے colonies (گھر) بنانی پڑ رہی تھیں، اس کو cave life قائم کرنی پڑ رہی تھی۔ یہاں میں دوبارہ آپ سے ایک بات کہتا چلوں کہ عقل اس وقت پیدا ہوئی، شعور اور دماغ اس وقت پیدا ہوا کہ جب کسی بھی جینیاتی مخلوق نے اپنی genetic code کے خلاف، صدیوں کی عادات کے خلاف جدوجہد شروع کر دی اور Homo sapien Neanderthal اس میں باکمال نظر آتا ہے۔ They started thinking, started building. اسکے بعد ایک بہت بڑی ice age میں اُس انسان کا بھی سراغ کھو جاتا ہے۔ برفباری کے اس طوفان میں موت کی ٹھنڈکوں میں زندگی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اور میرے خیال کے مطابق اب ایک ایسا مرحلہ آتا ہے کہ ایک نیا انسان ہمیں نظر آتا ہے اسکو Homo sapien Sapien کہتے ہیں۔ اصولاً یہ old stone age سے new stone age اور old stone age (نئے دورِ حجری اور پرانے دورِ حجری) کی زیادہ سے زیادہ مدت جو ہے...... دیکھئے اب اتنا بڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد، کروڑہا برس طے کرنے کے بعد اچانک ہم پہنچ جاتے ہیں دس ہزار سال تک، دس ہزار سال سے پچیس ہزار برس تک ہمیں اس Homo sapien Sapien کا سراغ ملتا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اتنا طویل، اتنی صدیوں کا وقت گزارنے کے بعد اچانک ہمیں ایک بہتر اور برتر انسان کا سراغ ملتا ہے جس نے تہذیب شروع کر دی، society بنانی شروع کر دی، قوانین بنانے شروع کر دیئے۔ خواتین و حضرات! یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا پہلا انسان شعوری ہدایات کے بعد Homo sapien Sapiens میں سے وجود رکھتا تھا؟ اور آدمؑ کا تعین، ان کی زندگی اور عمر کا تعین انہی دس ہزار سال سے پچیس ہزار سال میں ہوتا ہے۔ یہ وہی موقع ہے، ابھی وہ انسان اتنے مہذب نہیں ہوئے تھے، اتنے با اخلاق نہیں ہوئے تھے، اُنکے ہاں وہ قوانین نہیں تھے۔ ice age نے ان کے بقایاجات ختم کر دیئے تھے۔ ایک آدمی اور ایک عورت سامنے آئے جو نئے انسان تھے اور نیا انسان ہدایت یافتہ انسان ہے۔ اسی موقع پر جب Neanderthal زمین پر تھا، جب جنگ و فساد ہو رہی تھی تو لگتا ہے کہ پروردگار نے کہا:

"وَاِذقَالَ رَبُّکَ لِلمَلٰئِکَۃِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً"

تو جو نیچے (Neanderthal) انسان تھا، نہ اس کی شکل و صورت کوئی اچھی تھی، نہ اس کے حالات اچھے تھے، نہ اس کے واقعات اچھے تھے، وہ قتل و غارت کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا tool making اور hunting کے سوا اسے کچھ نہیں آتا تھا، اس لئے فرشتوں نے عاجزانہ عرض کی "قَالُوا اَتَجعَلُ فِیھَا مَن یُّفسِدُ فِیھَا وَیَسفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ" کہ اے پروردگار! یہ انسان تو فساد ہی کرے گا، اس کو تو شعور ہی نہیں ہے۔ یہاں میں آپ کو ایک چھوٹی سی حدیث سناتا چلوں۔ جب اللہ نے انسان کو بڑا کرنے کا سوچا، معتبر کرنے کا سوچا، عزت بخشنا چاہی، "خلیفۃ اللہ فی الارض" بنانا چاہا تو ملائکہ نے عرض کی کہ اے پروردگار...... (یہ اسی آیت کی وضاحت ہے......) تُو اس شخص کو ہم سے معزز کرتا ہے (یہ بڑا عجیب سا فرق ہے جو حدیث بیان کرتی ہے اس پہ غور کیجئے) کہ جو کھاتے ہیں، پیتے ہیں، نکاح کرتے ہیں، جو ایک دوسرے سے مباشرت کرتے ہیں، مناکحت کرتے ہیں۔ تُو ایسے کر کہ ہمیں آخرت دے دے ہم تیرے ساتھ خوش ہیں اور تُو ان کو دنیا دے دے۔ تو فرمایا پروردگار نے کہ

اے ملائکہ ارض و سماوات تم مجھ سے اس بات میں جھگڑتے ہو، میں نے تمہیں "حرفِ کُن" کے تحت پیدا کیا اور اس انسان کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ تم میں اور اس میں کیسے برابری ہو سکتی ہے؟" یہ وہ انسان ہے کہ جو ایک دم شعور کی پہلی جلا پا گیا، پہلی شناخت پا گیا اور تگ و دو زندگی میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ آدمؑ سے یہ دور شروع ہوتا ہے اور بسا اوقات اسے چالیس ہزار سال تک بھی لے جاتے ہیں۔

یہ وہ دور ہے جس میں انسان نے اپنے شعور کو پوری طرح exploit کرنا شروع کر دیا مگر اتنا لمبا چوڑا عرصہ، اتنا وقت گزارنے کے بعد راز یہ کھلتا ہے کہ جب تک مسلسل ایک تجرباتی دور نہ آئے کوئی اصول وضع نہیں ہوتا تو جب brain کی quality اتنی محدود اور unexploited تھی تو خداوندِ کریم نے بھی قانونِ ہدایت کو مختصر رکھا۔ صحیفۂ آدمؑ شاید ایک آیت یا ہدایت پر مشتمل ہو۔ حضرت آدمؑ کو چونکہ تمام تر اپنے وجود کے اندر اور باہر داخلی اور خارجی حالات میں بے شمار حالات کو از سرِ نو اور نئے سرے سے سیکھنا پڑ رہا تھا اس لئے ان کو ایک چھوٹی سی آیت کا سہارا دے دیا گیا۔ ایک آدھ حکم سنا دیا گیا اور کتاب میں سے ایک آدھ شق ان کو پڑھ کر سنا دی گئی کہ لو اس پر تم نے عمل کرنا ہے۔ یہ پہلی آیتِ قرآن تھی جو حضرت آدمؑ کو دی گئی اور اس کو free چھوڑ دیا گیا باقی اعمال کیلئے، باقی حرکات کیلئے کیونکہ اس کے challenges بے شمار تھے اور اس کا brain ابھی اس ذہانت کیلئے accustom نہیں ہوا تھا۔ ابھی اسکا brain اس قابل نہیں تھا کہ اپنے اردگرد کے حالات اور معاملات کا احاطہ کرتا۔ اس لئے حضرت آدمؑ کی عمر بھی ایک ہزار سال بتائی جاتی ہے۔ جہاں brain زیادہ functional نہیں ہے، جہاں brain زیادہ over work نہیں ہے، جہاں slow speed سے چلتا ہو وہ ایک ایک چیز کو ہزار مرتبہ دہرانے کے بعد سیکھتا ہے وہاں ایک بڑی قدرتی سی بات ہے کہ عمر زیادہ چاہیے، وقت زیادہ چاہیے۔ اسی لئے پروردگارِ عالم نے اس زمانے میں پیغمبرؑ (آدمؑ) کو زیادہ عمر دی مگر ایک اصول اور بھی یاد رکھئے کہ وجودِ پیغمبر کا اس تمام معاشرے کو ہدایت دینے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ وہ شناخت کردہ یا پیغام یافتہ ہے۔ اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ اس society کا ذہین ترین انسان تھا۔ ایک پیغمبر اپنے معاشرے کا ایک اعلیٰ ترین ذہن ہوتا ہے اگر ایک پیغمبر کے مقابلے میں کوئی دوسرا ذہن بہتر ہو تو یہ پروردگار کے انصاف سے بعید ہے کہ اس کو پیغمبری نہ دے۔ اصولِ علم یہی ہے کہ امامتِ علیہ اسی شخص کو دی جاتی ہے جو اپنے معاشرے میں یا اپنے ماحول

میں اعلیٰ ترین قدرِ علم کا حامل ہوا اور ہمیں یہ بڑی آسانی سے لگتا ہے کہ اس پورے معاشرے میں آدمؑ ذہین ترین آدمی تھے جنہیں خدا نے نعمتِ پیغمبری کیلئے بھی چنا ہوا تھا اور یہ دونوں اوصاف مل کر ہدایت اور شرف انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔

حضرات گرامی! اسکے بعد ہم حضرت نوحؑ کا وقت دیکھتے ہیں اور جبلت کی حکمرانی قائم ہے۔ نو کروڑ سال سے میرے وجود میں ایک جانور ہے، جب میں اور جانور نو کروڑ برس تک اکٹھے رہے ہوں یا بیس کروڑ برس تک اکٹھے رہے ہوں تو ایک آدھ صدی میں مَیں کیسے اُس سے جدائی حاصل کر سکتا ہوں؟ میں کیسے اپنے اندر کے جانور کو مار سکتا ہوں اور یہی مشتمل ہے 'نفس' پر...... جسے آپ 'نفس' کہتے ہیں وہ ان عادات و خصائل پر مشتمل ہے جو genetically صدیوں سے ہم نے inherent کی ہیں۔ وہ aggression ہے، نفرت ہے، قتل و غارت کی حس ہے، پیار ہے، وہ survival ہے جو سب سے بنیادی instinct ہے۔ لاکھوں کروڑوں سال سے باقی حیات کے ساتھ ساتھ یہ instincts ہمارا حصہ بھی ہیں اور ہم انہی کے خلاف جد و جہد کر کے خدا تک یا خدا کے احکامات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں: "وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى" کہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یا جس نے خدا کی شناخت چاہی، اس نے اپنے نفس کی ضرور مخالفت کی۔

حیرت کی بات ہے کہ تمام anthropologists اور biologians بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی عقل و شعور نے اس وقت ابتدا کی جب اس نے اپنی اقدار کی جبلت سے لڑنا شروع کیا۔ اس تجربے سے انسان گزرا، اب وہ لڑائی شدید تر ہو گئی مگر ہدایت اور رہنمائی اللہ کی طرف سے آنی شروع ہو گئی۔ یہ ایک بہت بڑی مصیبت کی بات ہے کہ ہم لوگ جو صاحبِ ایمان ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ انسان planted ہے اور وہ ماہرِ حیات سمجھتے ہیں کہ یہ natural processing ہے۔ اس بات کا اختلاف ہے اور کوئی علم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک ہم اس basic سوال کو حل نہ کر لیں، ہم جب تک خدا کے ہونے یا نہ ہونے اور خدا کا اپنی زندگی میں وجود اور اس کو محسوس کرنے یا نہ کرنے کا سوال حل نہیں کریں گے ہم basically اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ natural sciences کہہ رہی ہیں کہ It's a natural selection process. مگر خدا کی طرف سے دیکھتے ہوئے ہمیں اس تمام مسئلے کا جواب مل جاتا ہے اور اس colonial plantation کا پورا پورا حل ہمیں ملتا ہے۔

اب ہم مزید آگے بڑھتے ہیں، حضرت نوحؑ کو طرف آیئے، اس انسانی ذہن کا جبلت کو پلٹنا دیکھئے کہ نوسوستائیس یا سینتیس برس ایک معاشرے میں رہنے کے باوجود، ہدایت کے اسباق دینے کے باوجود، عقل ومعرفت سکھانے کے باوجود، خدا کی بات کرنے کے باوجود اس معاشرے میں کوئی response جناب نوحؑ کو نہیں ملا بلکہ اس جبلت اور عقل کی جنگ میں حضرت اپنے بیٹے کو گنوا بیٹھے، کنعان کو گنوا بیٹھے۔ خواتین وحضرات! یہ بات بڑے سوچنے کی ہے کہ کیا آپ کے ذہن میں کبھی نہیں آیا کہ نوسو برس ایک پیغمبر تبلیغ کر رہا ہے...... چلئے نوسو نہیں، آٹھ سو برس تو اس نے تبلیغ کی ہوگی مگر آٹھ سو برس کی تبلیغ کے بعد بھی روئے عالم پر دو چار نفوس کے علاوہ اس کی بات کوئی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ کیا پیغمبر کے لہجے میں شیرینی نہ تھی؟ کیا کوئی عقلاً نقص تھا؟ کوئی message خراب تھا؟ نہیں ایسا نہیں تھا بلکہ وہی مضبوط ترین جبلی گرفت انسان پر قائم تھی جو اسے تعلق کا رستہ اپنانے سے روکتی تھی۔ انسان ابھی شعور کے احساس کے قابل نہیں ہوا تھا، ابھی اسکو ایک ایک آیت مل رہی تھی۔ قرآن کی ایک ایک آیت اتر رہی تھی اور وہ resist کر رہا تھا، وہ اس پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ اگر آپ کو یہ کہا جائے کہ اے بندگانِ خدا مجھے ایک مانو، مجھے تمہارے کسی اور عمل سے کوئی غرض نہیں تو بخدا گھر گھر جشن ہو جائے۔ اگر ہم باقی مسائلِ شرع سے چھوٹ جائیں، باقی احتسابی اذکار سے چھوٹ جائیں تو We will think, "this is a great blessing of God". مگر آپ خود سوچیئے کہ ہم پر کس قدر قوانین کا بوجھ ہے اور ایک زمانہ تھا کہ ایک قانون دیا جا رہا ہے، آدھا قانون دیا جا رہا ہے اور اس کے باوجود حضرتِ انسان اُس قانون کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

یہ شعور کی جو جدوجہد انسان نے شروع کی تھی کسی طور بھی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی، اسی لئے پیغام بھی مکمل نہیں ہو رہا تھا اور شعور بھی مکمل نہیں ہو رہا تھا۔ اب آگے بڑھیئے سات ہزار سال کے قریب ہمیں ایک بہت بڑی ہستی کا سراغ ملتا ہے۔ گیارہ سو پانچ قبل مسیح میں حضرت موسیٰ کا سراغ ہے اور اس سے پیچھے جاتے ہوئے ہمیں سیدنا حضرت ابراہیم کا سراغ ملتا ہے۔ اللہ نے ان کی بڑی تعریف کی: اِنَّـہٗ اَوَّاہٌ مُّنِیبٌ' کہ ابراہیم بڑے اچھے بندے تھے، توبہ کرنے والے میرے دوست: ''وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبرَاھِیمَ خَلِیلاً'' حضرت یزداں سے پوچھنا پڑتا ہے کہ آخر کون سی ادائے ابراہیم تھی جو آپکو پسند آ گئی۔ understanding? culture? مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خدا کی دی ہوئی عقل کو عجیب طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے

کہ brain mature ہو رہا ہے۔ اب استنباط آ گیا ہے، استخراج آ گیا ہے، استدلال آ گیا ہے۔ اب اسی عقل میں جو ایک جانورانہ سطح سے اٹھی تھی، جو سوچنے کی طرف مائل نہیں تھی، ناگہاں ایک ایسا ذہین بندہ اٹھا The top intellectual of his time, Ibrahim (AS), he is arguing وہ ہر معاملے کی چھان بین اور تحقیق کر رہا ہے۔ ستارہ چڑھا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ خدا ہوگا، یہ خدا ہے۔ مگر اس عظیم و بزرگ و برتر انسان نے premiss سامنے رکھا ہوا تھا کہ اگر کوئی خدا ہے تو وہ جو لازوال ہے۔ اگر کوئی خدا ہے تو شرط اس کی ضرور یہ ہوگی کہ وہ زوال پذیر نہیں ہوگا۔ جب انہوں نے پہلے سے particular idea بنایا تو اس کے بعد حالات و دنیا کو پرکھنا شروع کر دیا۔ That's a very keen study, that's the way to think, یہ سوچنے کی تربیت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عقل کو سلیقہ آ گیا، نسلِ انسانی کو استخراج کا اور استدلال کا طریقہ آ گیا۔ یہ general سے particular کو move کر رہا ہے۔ عمومی حالات کا جائزہ لیکر خصوصی حالات کو بڑھ رہا ہے اور ایک خصوصی خیال قائم کر کے عمومی حالات کو ان پر پرکھا جا رہا ہے۔ deductive اور inductive logic مکمل ہو رہی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو عزت و رتبہ میں کہا گیا کہ بس تو ایسا ہے کہ تیرے جیسا کوئی نہیں۔ میں نے جیسے آپ سے عرض کیا کہ زمانے میں جب ایک پیغمبر ہوتا ہے تو اتنا بڑا intellectual اور کوئی بھی نہیں ہوتا اور یہ یاد رکھیے کہ پرانے زمانے میں تمام حکومتیں theocratic تھیں، مذہبی تھیں، priest حکمران ہوتا تھا۔ جو مذہب کا سبق سکھاتے تھے وہی حکمران ہوتے تھے۔ ان کو priest کی حکمرانی کے دن کہتے ہیں، theocracies کہتے ہیں۔ پرانے تمام معاشرے theocratic ہیں یعنی دین، علم، حکومت یہ ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ "وَآتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا" (۱۹ : ۱۲) حکمت اور حکم دونوں چیزیں پیغمبروں کو عطا کر دی جاتی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس طرز ادا کی خوبصورتی سے خدا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اعلان کرتا ہے: "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" کہ اے ابراہیمؑ میں نے تمہیں تمام امتِ انسان کا امام مقرر کیا۔ جب اسے آزما لیا، جب اس کو mental test سے گزار لیا تو فرمایا کہ اے ابراہیمؑ میں نے تمہیں نسلِ انسانی کا امام مقرر کیا۔ مگر کس quality کی بنا پر......؟ شعور اور عقل کی اس نعمتِ گراں مایہ کو جو اللہ نے انسان کو عطا کی، جو انسان کو بنانے کا مقصد تھا، جو message اور ہدایت کا

instrument تھا، جس کو حضرت ابراہیمؑ نے مکمل اور اعلیٰ ترین skill کے ساتھ استعمال کیا، اس سے خدا اتنا خوش ہوا کہ ابراہیمؑ کو تمام انسانوں کا امام مقرر کیا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہی تو حضرت لوطؑ بھی تھے، ایک ساتھ کی بستی میں جہاں رجعت پسندی جاری تھی۔ وہاں وہی جبلت کی بدبختی جاری تھی، وہی animal behaviour جاری تھا اور خداوند کریم نے اُس قوم کو نشان زدہ پتھروں سے تباہ کر دیا۔

دورِ ابراہیمؑ گزر گیا، ذہن مزید develop ہوتا گیا۔ اُس ایک بڑے انسان کی عطا و بخشش یہی تھی کہ کچھ لوگوں نے، ایک tribe نے، ایک خاندان نے سوچنا شروع کیا...... یہاں میں ایک بات آپکو بتاتا چلوں کہ اگر آپ قرآن حکیم پڑھیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ تمام پسماندہ قومیں تباہ ہوئیں اور اُن کو کبھی زلزلوں سے مارا گیا، کبھی طوفانوں سے، کبھی ان کو زمین کے خسف سے مارا گیا، کبھی مسخ سے مارا گیا۔ "فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ" (تو ہم نے حکم دیا انہیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے۔) یہ اس لئے تھا کہ وہ جانوارانہ جبلت کی طرف مائل ہوتے تھے اور اُن پر حرفِ عقل قطعاً ناکارہ تھا، اس لئے تھا کہ اس معاشرے نے نااہلیت show کر دی تھی، تعلق فکر اور message کو قبول کرنے میں total failure record کر دی تھی اسی لئے خدا کے پاس ان کی elimination کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی لئے وہ معاشرے تباہ ہو گئے مگر آج کا معاشرہ نہیں، آج آپ کی عقل و فہم استوار ہے، آج آپ ایک پورے دماغ کے قابل ہیں اسی لئے آپ کو ان عذابوں سے ابھی تک نہیں مارا گیا جیسے پرانے زمانوں میں لوگوں کو مارا گیا۔ اگرچہ عادات بہت سی آپ کی بھی وہی ہیں (اللہ تعالیٰ ہم سب کو پناہ بخشے!) جو بہت ساری پچھلے زمانوں میں تھیں۔ اس کے باوجود چونکہ شعور اور عقل ایک خاص maturity تک پہنچ چکا ہے تو توقع رکھی جاتی ہے کہ اگر کہیں نہ کہیں یہ زمانہ عقل کو reject کرے گا تو کہیں نہ کہیں غور و فکر سے یہ اپنی طرز ادا اور روشِ اصول کو بدل بھی لے گا۔

خواتین و حضرات! اب حضرت موسیٰؑ کے زمانے کو پہنچتے ہیں۔ گیارہ سو ستر قبل مسیح کے قریب کا زمانہ ہے، انسان بڑا ذہین ہو چکا ہے، بڑا عاقل و بالغ ہے، کتاب آ چکی ہے، دانشوری کے چرچے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ ایک انتہائی گری پڑی قوم کو عزت و افتخار سے اللہ کے حکم سے آشنا کرتے ہیں۔ بڑی قدر و منزلت ہے انکی مگر قوم کا حال سنیے! اور آپ ذرا غور کیجئے اس قوم کے حال پر کہ حمص سے گزرتے ہوئے یا بعلبک سے گزرتے ہوئے جب انہوں نے خوبصورت

مندروں کو دیکھا اور بتوں کو سونے اور چاندی کی صورتوں میں دیکھا تو کہا: "موسیٰ! ہم بھی اپنے خدا کا ایک بت نہ بنا لیں"۔ کس درجہ جہالت سے مغلوب ہے وہ قوم...... کس درجہ تعقل سے عاری ہے وہ قوم...... مگر کیا یہ خدا کیلئے ہی ایسے ہیں یا دنیا کیلئے بھی ایسے ہیں۔ ایسا دنیا کیلئے نہیں ہے۔ اُس جبلی وجود کا جب دنیا کی طرف تعقل ہے تو انتہائی sharp ہے کہ جب اللہ نے ان سے کہا کہ "یومِ سبت" کو مچھلی نہیں پکڑنی تو کہا: "نہیں پکڑیں گے" اور ساتھ ہی اللہ نے آزمانے کیلئے مچھلیاں پانی کے اوپر کر دیں تو انہوں نے بہت غور و فکر کیا، وہ غور و فکر اللہ کیلئے نہیں کیا مگر دنیاوی غور و فکر کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے نالیاں نکال لیں، گھر بیٹھ گئے، مچھلیاں گھر پہنچ گئیں تو حجت تمام کی کہ اللہ کے حکم کے مطابق ہم نے تالاب سے مچھلیاں پکڑی ہی نہیں ہیں، ہم نے تو گھر سے لی ہیں۔ ہم نے تو تالاب سے نہیں پکڑیں۔ حکم یہ تھا کہ یومِ سبت کو مچھلیاں نہیں پکڑنی۔ اس کو اس طرح پورا کیا قوم یہود نے کہ حکم یہ ہے کہ تالاب سے مچھلی نہیں پکڑنی اس لئے نالی نکال کر اگر گھر تک خود مچھلی آ جائے تو کون چھوڑتا ہے جی......!

حضرات گرامی! اسی طرح اللہ نے انہیں حکم دیا کہ حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ o یعنی ایسے کرو کہ گھٹنوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے تم یروشلم میں داخل ہونا، اللہ کا شکر کرتے ہوئے، اُسکے احسان کو تسلیم کرتے ہوئے اے قوم اسرائیل! اے قومِ موسیٰ! جب تم اپنے اپنے گھر کو پلٹو تو اس شکر کے تحت پلٹو کہ تم ذلیل تھے، خاسر و خائب تھے مگر اللہ نے تمہیں سرفراز کیا، قومِ عالین کو رسوا کیا، تمہیں نیل سے بچایا۔ تمہیں total elimination سے بچایا۔ تمہارا یہ حال تھا کہ تمہارے بچے قتل کئے جاتے تھے اور بچیاں زندہ چھوڑ دی جاتی تھیں، اس سزا سے تمہیں نجات دی۔ تمہیں اللہ کا شکر کرتے ہوئے اپنے شہر میں داخل ہونا چاہئے تھا، سجدہ کرتے ہوئے، گھٹنوں کے بل...... مگر قوم یہود نے "حِطَّةٌ" کو "حِنطَةٌ" (گندم کی بالی) کر دیا اور سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے اندر داخل ہوئے، اللہ سے مذاق کرتے ہوئے، اسے چڑاتے ہوئے کہ دیکھ ہم نے کتنی ذہانت سے تیرے قانون کو سمجھا ہے اور جب پروردگار نے ان سے کہا: "وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ" کہ اے میری قوم اللہ نے تمہیں گائے قربان کرنے کا حکم دیا ہے تو انہوں نے مذاق شروع کر دیا۔ کہنے لگے: "موسیٰ! اللہ کو گائے کی کیا ضرورت پڑ گئی، اللہ کو بھی قربانی چاہئے؟ کیا وہ کھاتا ہے؟ کیا وہ پیتا ہے؟ کہیں یہ تو نہیں کہ اللہ کے نام پر تم اپنے گھر قربانی لے جاؤ گے۔" اسقدر طعنے دیئے، اسقدر تنگ کیا کہ

حضرت موسیٰ کو مجبوراً کہنا پڑا: "قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُونَ مِنَ الجٰھِلِینَ" پیغمبر فیصلہ دے رہا ہے کہ یہ قوم جہلاء ہے۔

خواتین و حضرات! یہ قوم موسیٰ تھی جن کو ہم philistines کہتے ہیں، جو ظاہرہ عبادات میں بڑی پکی تھی۔ جیسے ایک کولھو کے بیل کی عادت پکی ہو جاتی ہے اسی طرح یہ ظاہرہ عبادات میں باکمال لوگ تھے بلکہ یہ اپنے پیغمبر کو بھی کہتے تھے کہ تیری ایڑھی نہیں لگ رہی ہے کھڑے ہوتے ہوئے، دیکھ ہم تجھ سے بھی بہتر کھڑے ہوتے ہیں مگر حس باطن کا اور رعونت جبلت کا یہ عالم تھا کہ ان پر خدا کے سب سے بڑے دو جو الزام ہیں جو اللہ نے یقیناً حق سے لگائے ہیں کہ: " ذٰلِکَ بِاَنَّھُم کَانُو ایَکفُرُونَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقتُلُونَ النَّبِیّٖنَ بِغَیرِ الحَقِّ "(یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق) ان کا تمرد، انکی سرکشی اس عالم کو پہنچ گئی تھی کہ یہ اندرونی، جذباتی، خیالاتی احساس سے بالکل عاری تھے سوائے چند ایک کے......بنو اسرائیل کے چند ایک لوگ ہی اپنے انبیاء کی پیروی کرتے تھے تو خدا کو ایک خیال آیا (سبحان اللہ تعالیٰ العزیز) کہ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ان کو تمام ہی dictation outer life کی دیئے جا رہا ہوں، میں ان کو تمام احکامات خارجی دے رہا ہوں۔

Ten commandments سارے ہی خارجی ہیں کہ آپس میں اس طرح behave کرو، deal اس طرح کرو، کھانے اس طرح کھاؤ، خاندانوں میں اس طرح رہو تو شاید ان کو میں نے internal (اندرونی) کیفیات کی تعلیم ہی نہیں دی اس لئے اب objective realities کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ایک اگلا قدم اٹھایا اور ایک پیغمبر کو تمام تر اندرونی تعلیم کیلئے بھیجا، نیات کے processing کیلئے بھیجا، internal conflicts (اندرونی کشمکش) کے حل کیلئے بھیجا، داخلی دین کیلئے بھیجا۔ یہ حضرت عیسیٰ تھے۔

حضرت عیسیٰ کوئی شریعت نہیں لائے تھے مگر جتنے اقوال عیسیٰ ابن مریم ہمارے پاس ہیں اگر آپ ان پر غور کریں تو وہ تمام کے تمام داخلی اور نیات کے ہیں: اگر تجھے کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو اسے دوسرا offer کر دے، اس کے ظلم اور جبر کا مقابلہ نہ کر بلکہ اتنی قلبی مہربانی اس پر کر کہ شاید اس کی aggression نکل جائے اور وہ تیرے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ جیسے حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جس نے ہمسائے کی بیوی کو بھی بدنظر سے دیکھا گویا اس نے زنا کا ارتکاب کیا۔ اب غور کر کے دیکھئے کہ یہ وہ احکامات تھے جو تمام تر داخلی کیفیات کے احکامات تھے۔ اس کیلئے

سوچنا پڑتا تھا، یا اتنے باریک ذہنی احساسات تھے کہ شاید انسان ان پر پورا نہیں اتر سکتے تھے۔ پھر چند ایک لوگ extremities (انتہا پسندی) کو چلے گئے، کثرت کو چلے گئے اور انہوں نے "رہبانیت" اختیار کی۔ اسکے علاوہ شاید اس internal کیفیات کا کوئی حل نہیں تھا مگر کیا اللہ اس بات کو پسند کرتا تھا؟ اللہ نے دیکھا کہ انسان کو اِدھر ہانکتا ہوں تو total اُدھر چلا جاتا ہے، اُدھر ہانکتا ہوں تو total اِدھر چلا جاتا ہے اور جو کتاب میں نے دی ہے، اس کو اگر میں تھوڑا دیتا ہوں تو بھی ناقص ہے، زیادہ دیتا ہوں تو بھی ناقص ہے مگر بہرحال ایک بات اللہ نے واضح طور پر محسوس کی کیونکہ انسان اس کا بنایا ہوا تھا، وہ اس کے mechanism (بناوٹ) کا خود judge (جج) تھا اس لئے اس نے محسوس کر لیا کہ انسان کی capacity of brain (دماغی صلاحیت) سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں، اسکے داخلی اور خارجی پہلو، اسکی ذہانتیں اب اس قابل ہو گئی ہیں کہ میں اپنے کام سے چھٹکارہ حاصل کروں۔ وہ جو بیس تیس کروڑ سال سے message (پیغام) کی conveyance (تسلسل) چلی آ رہی تھی، پہلے physical (جسمانی) کی coveyance تھی پھر سمجھ بوجھ اور پیغام کی conveyance تھی۔ بڑی مشکل سے لائق کو Homo sapien بنایا، پھر Homo sapien سے message دینے شروع کئے تو اب اللہ نے یہ سوچا کہ میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا ہوں۔ جب اُس نے انسانیت کی تکمیل چاہی، جب اُس نے اپنے پیغام کو مکمل کرنا چاہا، جب اس نے اپنی بات کی finality (حتمیت) چاہی، جب جبلی اور عقلی شعور کا مکمل توازن پیدا کرنا چاہا، جب انسان کو اس قابل سمجھا کہ وہ حیاتِ انسانی کو از خود اصولِ کائنات کے تحت گزارنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی ہدایات کے مطابق بھی گزار سکتا ہے، جب قرآن کی اس آیت کا ایک ultimate decision (حتمی فیصلہ) آیا کہ: "اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا" تو اس وقت، اس مکمل اعتدال کے وقت پروردگار نے ایک اعلان کیا:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ"

(" (اے لوگو) آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمت تمام کر دی")

دین objective truth (خارجی حقیقت) ہے اور نعمت ان انسانوں کی صورت میں مکمل کر دی جو آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمہیں دے چکا ہوں اور یہ تمام خلاصہ "علم و عقل" ہے یعنی تمام خلاصہ ہدایت "محمد رسول اللہ" ہیں۔

یہاں ایک بڑا سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر عقل تمام ہو گئی، خیال پورا ہو گیا تو کیا آنے والے انسان کی تعقل بہتر تھی؟ کیا آنے والا انسان (آج کا انسان) پندرہ سو برس پہلے کے انسان سے بہتر نہیں تھا؟ بخدا نہیں تھا، نہ اب ہے، نہ اُس وقت تھا، نہ پرانے زمانے میں تھا۔ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر زمانے میں بہترین عقل پیغمبر کی ہے اور تمام زمانوں میں بہترین عقل "محمد رسول اللہ ﷺ" کی ہے۔ "بودلر" (Boud lair) نے کہا تھا "Writer's every word is an act of generosity." (ادیب کا ہر لفظ معاشرے کے لئے فیاضی ہے۔) محمد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہیں پتا ہے کہ سب سے فیاض کون ہے؟ کہا گیا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ محمد ﷺ نے فرمایا:

"سب سے زیادہ فیاض اللہ ہے اور اسکے بعد سب سے زیادہ میں ہوں اور میرے بعد سب سے فیاض وہ ہے جس نے علم سیکھا اور دوسرے کو بتایا۔"

generosity (فیاضی) کے جو معنی ایک موجودہ اعلیٰ ترین ادیب لیتا ہے اس سے کہیں بہتر انداز میں "محمد رسول اللہ ﷺ" ہمیں بتاتے ہیں کیونکہ علم انسان کی بہتری کیلئے ہے مگر ادیب کا ہر لفظ معاشرے کی بہتری نہیں کرتا۔ بہت سا ادب ایسا ہے جس کو پڑھ کے انسان شرما جاتا ہے جس میں کسی قسم کی معاشرتی فلاح نہیں پائی جاتی اور اسی لئے جو بہترین اصطلاح حضور گرامی مرتبت ﷺ نے استعمال کی کہ: "Generous is who learns and who teaches" (فیاض وہ ہے جو علم حاصل کرتا ہے اور سکھاتا ہے۔) اور وہ علم کون سا ہے......؟ اس کے بارے میں حضور گرامی مرتبت ﷺ کی دعا ہمیں بتاتی ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِن دُعَآءٍ لاَّ یُسْمَعُ وَعِلمٍ لاَّ یَنفَعُ"
(میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔)

یہ وہ علم ہے جو نفع بخش ہے، یہ وہ علم ہے جو آگے بڑھ کر انسان کو خدا کی شناخت دیتا ہے، یہ وہ علم ہے جو انسان اور خدا کے درمیان سب سے زیادہ بہتر بندگی کی حالت پیدا کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ کیا تم نے قرآن کی آیت نہیں پڑھی کہ

"اِنَّمَا یَخشَی اللہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمَآءُ"
(اللہ ہی علم والا ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ علم والے ہی ڈرتے ہیں)

اور جب پیغمبر یہ کہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آنے والی صدی میں سب سے زیادہ علم والا اللہ کا رسول ﷺ ہے۔

یہاں دو چار احادیث کو میں ضرور discuss (بحث) کرنا چاہتا ہوں۔ ان احادیث پر علمی حیثیت اور علمی اعتبار سے اعتراضات رہے۔ ایک حدیث یہ تھی کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ‘‘اے ابوذر! تمہیں پتا ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ ابوذرؓ نے کہا: ‘‘اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں’’۔ میں اس سے پہلے آپ کو ایک اور چھوٹی سی حدیث سناتا چلوں جو اس تعقل کی maturity (پختگی) کی نشاندہی کرتی ہے کہ جب لوگ پوچھیں گے کہ یہ کس نے بنایا؟ وہ کس نے بنایا؟ تو پھر کوئی نہ کوئی یہ ضرور پوچھے گا کہ اللہ کو کس نے بنایا؟ تو پھر صرف اتنا کہہ دینا کہ میں اپنے اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لایا اور یہ کہہ دینا کہ ‘‘مجھے علم نہیں’’ یہ کہہ دینا کہ مجھے علم نہیں، بھی علم ہے۔ اپنی نا اہلیت کا اقرار کر لینا، اپنے وجود کے narcissism (نرگسیت) کو توڑنے کے برابر ہے۔ یہ جو ہمارے طنطنے، ہمارے رعب، ہمارا یہ خیال کہ ہم دنیا کے سب سے عقل مند آدمی ہیں، اگر ہم ایک لمحہ کیلئے پیچھے آ کر سوچ لیں کہ اس سوال کا جواب مجھے نہیں آتا تو خدا کا رسول ﷺ یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ کہہ دیا کہ مجھے علم نہیں تو یہ بھی علم ہے یہ علم بہترین علم میں سے ہے۔ یہ اقرار تمہاری کمی ء علم نہیں بلکہ تمہاری بہتر تفکر اور بہتر احتساب ذات کی طرف نشاندہی کرتا ہے اور اصحاب رسول ﷺ بڑے خوبصورت لوگ تھے۔ خیالاتی jumps (چھلانگیں) نہیں لگایا کرتے تھے، ذرا سا بھی کسی چیز کے بارے میں اشتباہ ہو، نہ پتا ہو تو بڑی سادہ سی بات کہتے تھے کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ‘‘ابوذر! تمہیں پتا ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟’’ فرمایا: ‘‘اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔’’ آپ ﷺ نے فرمایا: ‘‘ابوذر! یہ ‘‘عرش بریں’’ کو جاتا ہے، پھر اسے حکم دیا جاتا ہے کہ پلٹ جا اور یہ پلٹ جاتا ہے مگر ایک دن آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے واپس نہیں جانا اور وہ قیامت کے دن ہوگا۔’’ اس حدیث پر اعتراض کیا گیا ...... جیسے متشابہات قرآن میں ہیں اسی طرح متشابہات حدیث بھی ہیں۔ اس حدیث پر اعتراض ہوا کہ یہ against the fact (خلاف واقعہ) ہے۔ جدید منکرین نے اعتراض کیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے بھی اعتراض کیا۔ وہ PHD تھے (ماشاءاللہ ......) غلام احمد پرویز صاحب نے بھی اعتراض کیا کہ یہ حدیث خلاف واقعہ ہے۔ سورج تو اپنے دائرے میں حرکت کرتا ہے، یہ تو کہیں عرش بریں کو نہیں جاتا، But they were not patient

اگر وہ تھوڑا سا صبر کر لیتے، اتنا سوچ لیتے کہ میں جس نبی کو نبی مان رہا ہوں، جس رسول کو رسول مان رہا ہوں، میں تو اسی اساس پر مان رہا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ میں تو نبی کو اسی لئے نبی مانتا ہوں کہ وہ ہر حال میں مجھ سے بہتر جانتا ہے اور جو اُمتی یہ سوال کرے کہ میرے رسول کا علم کتنا ہے؟ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) میں نہیں سمجھتا کہ اس اُمتی کو اُمتی رہنے کا حق ہے...... تو اعتراض کرنے والوں نے کہا کہ سورج تو ایک ہی گردش میں ہے یہ تو ''عرشِ بریں'' کو نہیں جاتا، کہیں بلندی کو نہیں جاتا تو حدیث خلاف واقعہ ہے۔ اگر پانچ دس سال اور گزر جاتے تو ان کو پتہ چل جاتا کہ سورج کی ایک نہیں تین گردشیں ہیں، دو بالائی اور ایک زیریں، ایک گردش سورج کی وہ ہے جو یہ اٹھارہ کروڑ سال میں inner galaxies کی طرف پوری کرتا ہے۔ ایک گردش سورج کی وہ ہے جو یہ ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے مرکز کے گرد بلندی کی طرف کو جاتا ہے۔ (میں آپکو حدیث کی مشابہت بتاتا ہوں......) حیرت کی بات دیکھئے کہ یہ دوسری گردش میں جس بلندی کو جاتا ہے اس کا نام ہی solar apex ہے۔ apex ''عرش'' کو کہتے ہیں۔ تو اگر کچھ دیر intellectuals (موجودہ دانش ور) ٹھہر جائیں، کچھ دیر صبر کر لیں تو میرا خیال ہے کہ بہت سی باتیں از خود ان کی سمجھ میں آ جائیں گی۔

متشابہات حدیث اور متشابہات قرآن میں تھوڑا سا فرق ہے وہ میں آپ کو ضرور واضح کرنا چاہتا ہوں۔ متشابہات قرآن میں language کا pattern (انداز زبان) کبھی بھی زمانوں میں نہیں بدلتا، زبان وہی رہے گی ہر زمانے میں اتنی ہی صحیح رہے گی جتنی وہ ایک زمانے میں ہے۔ اگر آج سے پندرہ سو برس پہلے قرآن نے یہ کہا: "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا تو نہ لفظ بدلے گا، نہ تاویل بدلے گی۔ آج کے دور میں بھی بالکل وہی الفاظ رہیں گے اور وہی سچے ہوں گے۔

پندرہ سو سال پہلے حیاتیات کے علوم نہیں تھے، scientific researches (سائنسی تحقیقات) نہیں تھیں۔ جب خدا نے یہ کہا:

"اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا"

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ زمین و آسمان پہلے سب اکٹھے تھے پھر ہم نے ان کو پھاڑ کے جدا کیا)

Big Bang میں آج کا سائنسدان بھی اس کو اسی معنی میں لے گا، تاویل نہیں دے گا کہ زمین و آسمان پہلے اکٹھے تھے پھر Big Bang کے ذریعے ان میں separation ہوئی۔ آج کا

انسان بھی انہی باتوں کو بالکل ویسے ہی لے گا۔ قرآن کے کسی لفظ میں کوئی تغیر نہیں۔ صرف زمان و مکاں میں علوم کی کمی بیشی کی وجہ سے آیاتِ قرآنی کے فہم میں فرق آسکتا ہے اور متشابہات ہوسکتی ہیں۔

حدیث کی متشابہات میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے اور وجہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کو جو language (زبان) عطا فرمائی گئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زبان، جو زمانہ عطا کیا گیا۔ زبان اس زمانے کی eternal (دائمی) نہیں ہے۔ اس language کی eternal shape (دائمی صورت) نہیں ہے بلکہ آگے بڑھتے ہوئے وہ تبدیل ہوتی جاتی ہے۔ میں آپ کو ایک چھوٹی سی بات بتاؤں کہ حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کا ارشادِ گرامی یہ ہے کہ "مجھے جبرائیلؑ اُمِ ہانی کے گھر سے باہر لے کر آئے۔ مجھے براق پر بٹھایا اور براق ایسے تھا جیسے ایک درخت اوپر سے ...... اور اس میں دو بیٹھنے کی جگہیں تھیں، پھر ایک پر مجھے بٹھایا اور ایک پر خود بیٹھے، پھر اشارہ کیا، براق ہنہنایا اور اس کے پاؤں سے شعلے نکلے اور پلک جھپکنے میں وہ آفاق میں گم ہوگیا۔ حضراتِ گرامی! یہ conveyance (سواری) ہے مگر حضور ﷺ نے لفظ "براق" کا یا گھوڑے کا اگر استعمال کیا تو یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس سے اُن کی کیا مراد ہے؟ وہ اپنے عہد کے یا اپنی زبان کے محاورے سے آگے نہیں گئے۔ He had to explain these things to his own people, people of that age (انہوں نے اُن چیزوں کو اُس دور کے لوگوں کے سامنے واضح کرنا تھا۔) اور اس کے بعد language (زبان) کی ان متشابہات کو جن سے ہمارا واسطہ ہے ان کو سمجھنا ہمارا کام ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس زمانے کے دور سے نکلتی ہوئی زبان کو adjust (متعین) کریں ...... میں نے ایک صاحب سے یہ کہا کہ خدا کے رسول ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق میرا خیال یہ ہے کہ Human beings will be able to create an exact replica of a human being. (انسان ایک دن انسان کا ہم شکل بنانے کے قابل ہو جائے گا) تو انہوں نے کہا: "جی! یہ کون سی حدیث ہے؟ کہاں پائی جاتی ہے اور آپ نے کیسے استنباط کیا"؟ تو میں نے ان سے عرض کی کہ جناب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عصرِ دجال میں ایک شخص دجال کے پاس آئے گا اور کہے گا: "کیا تو میرا بھائی زندہ کرسکتا ہے"؟ وہ کہے گا: "ہاں! کرسکتا ہوں"۔ تو وہ اس کا بھائی اسکے لئے زندہ کرے گا۔ اصحابِ کرامؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ وہی ہوگا؟ فرمایا: نہیں، اس کی مثال ہوگا اور

that's cloning (یہ کلوننگ ہے) یہ ہمارے استنباط کی بات ہے اور cloning آنے سے چھ ماہ پہلے میں نے سیالکوٹ میں جب یہ بات کی تو مجھے خوشی ہے کہ میں نے جو ایک حدیث سے استنباط کیا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ جب آپ کوشش کریں گے اور ایک rigid (سخت گیر) محاورے کی تسلیم کے بجائے آگے بڑھ کے اس انتہائی intellectual capacity (ذہنی وسعت) تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تو حدیث کی متشابہات کے فہم تک پہنچ جائیں گے۔

سب سے بڑی سنت میرے نزدیک علم سیکھنا ہے کیونکہ علم سیکھ کر ہی تو آپ ذہانت رسول ﷺ کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس علم نہیں ہوگا، شناخت کے tools (آلات) نہیں ہونگے تو آپ اتنے بڑے کائناتی intellectual (محمد ﷺ) کی بات کیسے سمجھیں گے؟ کائناتی intellectual کیا کہہ رہے ہیں؟ کائناتی intellectual حدیث قدسی میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ نے کہا: "لَا تَسُبُّو الدَّھرَ اَنَا دَھر" (زمانے کو برا مت کہو، زمانہ میں ہوں) آدم کا بیٹا اُسے بُرا کہتا ہے مگر زمانے کو پلٹنے والا میں ہوں۔ حضرات گرامی! آپ کو شاید یہ حدیث بڑی نہ لگے مگر جب "برگسان" نے، دنیا کے اپنے وقت کے عظیم ترین فلاسفر نے جو اپاہج تھا، اپنی کرسی پر اقبالؒ سے یہ حدیث سنی تو اتنا excite (پرجوش) ہوا کہ اچھل کر نیچے آپڑا، کہنے لگا: I swear your Prophet was a prophet. (میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ پیغمبر تھا) زمان و مکاں کی explanation کرتے ہوئے، Stream of consciousness کی explanation میں، نظریہ زمان و مکاں کی وضاحت دینے میں میرے تیس سال گزر گئے ہیں اور آپ کے پیغمبر ایسے ہی چلتے پھرتے اتنی بڑی بات کہہ جاتے ہیں۔ He must be the top intellectual. (وہ ضرور ایک اعلیٰ ترین ذہنی انسان ہے) دیکھئے! وہ ان کی پیغمبری کا اعتراف نہیں کر رہا، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ پیغمبر ہے، human intellectual نہیں ہے۔ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اسے خدا ہی یہ علم دے سکتا ہے، از خود تمہارے پیغمبر یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو intellectual (ذہین انسان) ماننے کیلئے تیار نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے: "By miracally he has been informed this." (اسے معجزے کے ذریعے یہ علم دیا گیا) "ورنہ میرے تو تیس برس گزر گئے ہیں یہ بات جاننے میں مگر میں زمان و مکاں کے کسی فلسفے پر نہیں پہنچا ہوں"۔

حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا: "جس نے محبت کی اللہ کیلئے، جس نے نفرت کی

اللہ کیلئے، جس نے منع کیا اللہ کیلئے، جس نے اختیار کیا اللہ کیلئے، اس کو اللہ نے ایمان کامل عطا کیا"...... وہ پیغمبر آپ کو خدا کی طرف متحرک کرتا ہے اور تمام علمی وجاہت اور تمام زندگی کا ایک خلاصہ متعین کرتا ہے کہ محبت کرو تو خدا کیلئے، کسی چیز سے منع کرو تو خدا کیلئے، انکار کرو تو خدا کیلئے...... جب آپ کے basic (بنیادی) تعقل کے یہ mile stones (سنگ میل) ہو گئے تو اللہ آپ کے ایمان کو کامل کر دے گا۔

حضرات گرامی! ذرا اندازہ لگایئے کہ ایک وہ honest (ایمان دار) آدمی ہے جو دنیا کیلئے honesty (ایمانداری) برتتا ہے اور ایک وہ honest آدمی ہے جو خدا کیلئے honesty برتتا ہے۔ دنیا کے لئے honesty برتنے والے انسان کا پیٹ خراب ہے، اسے شوگر کی زیادتی ہے، چوبیس گھنٹے bickering کرتا ہے، ہر وقت لڑائی جھگڑے میں پڑا ہوا ہے۔ ایک ایسی سڑی ہوئی شکل ہے کہ بقول انگریزی مؤرخوں کے کہ ایک نقاد بڑا ہی تلخیہ طنز کیا کرتا تھا تو اس کے نقادوں نے کہا کہ اس کی وجہ اس کا پیٹ خراب رہتا ہے کہ جب آدمی کا معدہ ٹھیک نہیں، جب اس کو کھانے کی لذت نہیں، جب کسی چیز کی لذت ٹھیک نہیں تو اس نے تو معاشرے پر تنقید ہی کرنی ہے مگر جو اللہ کا بندہ ہے وہ اپنی نیکی کا صلہ کسی سے نہ چاہے گا، جب اپنے خلوص کا صلہ کسی سے نہ چاہے گا، جو اللہ کیلئے کر رہا ہے وہ یہ تو نہیں چاہتا کہ میں نیکی کر کے اس بندے سے صلہ مانگوں۔ تمام عذاب صلہ مانگنے سے پیدا ہوتا ہے اور عقل یہ سکھاتی ہے کہ نیکی کر کے دریا میں ڈال اور رسول اللہ ﷺ یہ سکھاتے ہیں کہ اگر کوئی کام ایسا کرتے ہو تو اللہ کیلئے کرو تا کہ تمہیں نفرت نہ ہو، تم بیمار نہ ہو جاؤ، تم اذیت میں نہ پڑو۔

کھجور کے پیوند کی ایک بڑی مشہور حدیث ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس میں حکمتِ پیغمبری کو تھوڑا سا نقص واقع ہو گیا ہے یا شاید ان سے کوئی خطا ہو گئی ہے مگر وہ عجیب و غریب حدیث عقل و معرفت کے بہت بڑے دروازے کو وا کرتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک گروہ کو دیکھا کہ کھجور کو پیوند لگا رہے تھے۔ فرمایا: "یہ کیا کرتے ہو"؟ فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم پیوند کرتے ہیں اور بڑے برسوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں"...... اگر آپ غور کیجئے تو حدیث کہتی ہے کہ ہم تو شروع سے ہی پیوند کرتے چلے آ رہے ہیں...... آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تو نہیں پسند کرتا"۔ انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! آئندہ ہم پیوند نہیں کریں گے"۔ پیوند نہیں کیا...... پیوند نہیں کیا تو اگلے برس پیداوار کم ہوئی، وہ لوگ آئے اور کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کی

بات مانی تھی، پیوند نہیں کیا تھا مگر کھجور کی پیداوار بڑی کم ہوئی"۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "ایک وہ بات ہے جو اللہ کی طرف سے ہے وہ وحی ہوتی ہے اور ایک وہ بات ہے جو میں آدمی ہونے کی حیثیت سے کرتا ہوں تو وہ کبھی کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے۔ پھر ایسے کیا کرو جیسے تمہارا تجربہ ہے"۔ مگر حضرات گرامی یہ بات غلط نہیں ہوئی، آپ یقین جانیے کہ یہ بات غلط نہیں، اس کے پس پردہ اس استادِ عظیم نے تھوڑی سی ملامتِ عقل لے کر انسانیت کو ابد تک کیلئے ایک lesson (سبق) دیا کہ یہ جو spiritualism (روحانیت) conceptualism (خیالاتی دنیا) آپ میں موجود ہے اور یہ جو prophetic (پیغمبرانہ) لوگ موجود ہیں یہ جو بڑے بڑے دعوے 'ملاءِ اعلیٰ' سے کرتے ہیں ان کو انسانی تجربے کے مقابلے میں value (اہمیت) نہ دینا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں انسانی تجربے کی value کو اجاگر کیا ہے...... "پھر ایسے کیا کرو جیسے تمہارا تجربہ ہے"۔ پھر ایسے کیا کرو، جیسے ہزاروں، سینکڑوں برسوں سے تم کر رہے ہو۔ ایک متعین process (عمل) میں ایک تجربہ بھی تو اس کمال کو اسی لئے پہنچا تھا کہ مسلسل ایک تجربہ کرتے کرتے، انتہائی پختگی سے تم ایک نتیجے کو پہنچے ہو کہ پیوند لگانے سے کھجور کی پیداوار بڑھتی ہے خواہ اس میں پیغمبر کی opinion (رائے) بھی ایک دنیاوی تجربے میں کیوں نہ آ جائے۔ انہوں نے ایک advice (نصیحت) کی اور یہ اتنی بڑی advice ہے کہ آج بھی امتِ مسلمہ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب آپ کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں اور وہ اس کا specialist ((ماہر) نہیں ہوتا، specialist تو اس کام کے آپ ہیں، ایک business man ہے ایک engineer ہے مگر آپ جا رہے ہیں ایک پیر صاحب کے پاس، ایک استاد کے پاس کہ کیا یہ کام کر دوں، وہ کام کر دوں اور وہ بے تکی ہانک دیتے ہیں اور آپ کو آگے نقصان ہو جاتا ہے تو آپ کا اعتبار پیر سے نہیں اٹھتا، استاد سے نہیں اٹھتا، آپ کا اعتبار ایک institution of religion (مذہب کے مکتبہ فکر) سے اٹھ جاتا ہے۔ یہ تمام intellectual idiosyncracy (دانش ورانہ طرزیں) کبھی بھی وجود میں آ سکتی ہیں اور جس کی وجہ سے آپ پریشان ہو سکتے ہیں مگر رسول ﷺ کی اس حدیث میں آپ کے لئے رہنمائی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے تمام جذباتیت اور تمام ایسے رویوں کی نفی کی ہے جو دنیا میں آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے وجود کی معرفت سے نفی کی۔ سب سے بڑا استاد ہی یہ کر سکتا ہے۔

حضرات گرامی! ایک اور حدیث پر ایک اعتراض اٹھتا ہے...... میں آپ کو صرف وہ احادیث سنا رہا ہوں جن میں ایک اعلیٰ ترین ذہنی معیار کی کیفیت ہے......اعتراض یہ ہوا کہ حضور ﷺ کی حدیث گرامی ہے کہ جس نے اذان سننے کے بعد "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہا اس پر جنت واجب ہو گئی۔ اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خالی "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہنے سے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے ادھر اذان سنی، "حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح" سنا اور کہا: "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" تو اعتراض کرنے والا اس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ اتنے آسان سے عمل کے ساتھ آپ کو جنت کیسے مل سکتی ہے؟ آپ کو دوزخ سے نجات کیسے مل سکتی ہے؟ مگر آپ یقین جانئے کہ ایک شعوری ذہنی کاوش کے ساتھ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا آسان نہیں ہے۔ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" (نہ میری کوئی قوت، نہ میرا کوئی ارادہ۔ جو کچھ ہے میرے اللہ کا ہے) جب انسان اپنے ارادہ وقوت کو ذہنی طور پر negate (نفی) کرتا ہے تو وہی ایک لمحہ ہوتا ہے جب وہ خدا کی عبادت کا حق ادا کرتا ہے۔ جب مؤذن نے کہا "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" آؤ نیکی کی طرف، "حَیَّ عَلَی الفَلَاح" آؤ بھلائی کی طرف...... تو ایک ذہین آدمی کے اسے سننے کا انکسار یہ ہے کہ اے پروردگار عالم! تو اگر نہ چاہے تو میں نماز کو بھی نہیں جا سکتا، میں فلاح کو بھی نہیں جا سکتا۔ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" مجھے یہ سو فیصد یقین ہے کہ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ "حَیَّ عَلَی الفَلَاح" سننے کے بعد اچانک دل سے با ہوش اور شعوری حالت میں یہ نکل گیا، تو مجھے تو یقین ہے، آپ کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ پھر دوزخ کا کوئی ڈر نہیں رہے گا۔ مگر اتنی باشعوری کوشش بھی ہم سے ممکن نہیں ہوتی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "چاہے ایک انسان عبادت کرے، چاہے روزے رکھے، چاہے خیرات کرے اگر وہ تقدیر الٰہی کا قائل نہیں ہے تو اسکا ٹھکانہ جہنم ہے" اور تقدیر اور توفیق ایک ہی پہلو سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ توفیق انسان طلب کرتا ہے مگر تقدیر وہ چیز نہیں ہے۔ جتنی بہترین explanation (وضاحت) رسول اللہ ﷺ نے تقدیر کی، کی ہے آج تک زمانے میں کوئی نہیں کر سکا۔ (صرف ایک اطالوی فلاسفر lebniz نے اس کے بعد تقدیر کی ایک اچھی تعریف کی ہے) اس درجہ، استدلال تک بھی کوئی نہیں ہو سکا۔ آپ حیران ہو گے کہ کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اگر تقدیر میں سب کچھ درج ہے تو پھر انسان کیا کرے، انسان کیوں کام کرتا پھرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کام کرو اس لئے کہ اللہ نے تمہارے نصیب میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ سہل کر دیا ہے۔" آسان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تم دو کاموں کو جاؤ گے اور ایک کام

تمہاری تقدیر میں نہیں ہے اور دوسرا کام تمہاری تقدیر میں ہے تو تمہیں قدرتی طور پر وہی کام مرغوب لگے گا اور وہی بہتر لگے گا کہ جو تمہاری تقدیر میں لکھا گیا ہے کیونکہ تقدیر میں بھی انسان کے پورے جبلی اور شعوری interactions (اثرات) کا ایک پہلو سامنے ہوتا ہے۔ جو اللہ آپ کو اتنے قریب سے جانتا ہو اور اتنی باریکیوں سے جانتا ہو آپ اس سے کیسے گریز پا سکتے ہیں اور اگر تقدیر کے بارے میں کوئی اور دلیل نہ ہوتی تو ایک ہی دلیل بہت بڑی تھی کہ کوئی انسان نہ اپنا گھر چنتا ہے نہ ماں چنتا ہے نہ باپ چنتا ہے نہ بچے چنتا ہے نہ بیوی چنتا ہے۔ انسان کی پیدائش کہاں ہوتی ہے؟ کس کے گھر ہوتی ہے؟ کون چاہے گا کہ ایک مفلس، غریب اور فلاکت زدہ انسان کے گھر پیدا ہو۔ کون نہ چاہے گا کہ وہ "بل گیٹ" کے گھر پیدا ہو۔ اپنی ماں کو کس نے چنا ہے پیدائش سے پہلے، اپنے باپ کو کس نے چنا؟ اگر کسی بچی کو یہ پتہ ہو کہ میرا باپ مجھے پیدا ہوتے ہی مار دے گا تو وہ کیوں پیدا ہوگی؟ اگر کسی جابرِ مطلق نے اُٹھ کے اپنی ماں کو تنگ کرنا ہے تو اس کی ماں اس سے کیوں گریز نہ کرے؟ جبر اور تقدیر کا یہ پہلو اور پھر اس کا دوسرا انجام، ہر انسان کی لکھی ہوئی موت...... دو چار برسوں کیلئے، بیس تیس برسوں کیلئے جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں تھوڑی سی طاقت اور توانائی ہے تو جسمانی تکبرات کے ساتھ ساتھ شعوری تکبرات بھی آجاتے ہیں۔ ہم سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم تقدیر کے خالق ہیں اور اپنے کام خود بناتے ہیں۔ تقدیر کو ماننے سے کوئی نااہل نہیں ہو جاتا بلکہ فعالیت اور علمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ جب آپ کو پتا ہے کہ ایک کام اللہ نے مجھ سے لینا ہے تو آپ اس سے گریز نہیں کر سکتے، آپ ہر صورت وہ کام کر کے ہی ہٹتے ہیں اور آپ ہر وقت موڈ میں تیار رہتے ہیں کہ پتہ نہیں اللہ نے یہ کام لینا ہے یا وہ کام لینا ہے۔

ایک بہت خوبصورت حدیث سنیئے اور اس process کو دیکھئے جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا، اس ذہانت کو دیکھئے جو پندرہ سو برس پہلے پیدا ہوئی اور آج کے دور کے scientist کو دیکھئے۔ زیادہ تر تمام نفسیات اِدھر اُدھر سے گھوم کے psycho analysis (نفسی تجزیہ) اور suggession (تجاویز) پر آجاتی ہے۔ data (اعداد و شمار) کے بغیر کوئی نفسیات دان کسی پر رائے نہیں دے سکتا، اس کو data چاہئے، اندرونی اور خارجی کیفیات کا data چاہئے۔ رسولِ گرامی مرتبت ﷺ کے پاس ایک شخص آتے ہیں اور کہتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! میرے بچے کے دماغ کو پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ وہ آئیں بائیں شائیں کرتا رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں چل کے اسے دیکھوں گا...... یہ "ابنِ صیاد" کی بات ہے...... حضور

ﷺ اس باغ میں پہنچتے ہیں۔ دبے پاؤں، بغیر بتائے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ اسکے پیچھے چھپ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر گزری کہ اس کی ماں بھاگتی ہوئی آتی ہے اور "ابنِ صیاد" کو صدا دیتی ہے کہ دیکھ، دیکھ تیرے پیچھے تو حضور ﷺ کھڑے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: "آج اگر تو مجھے اس کی باتیں سننے دیتی تو میں اس کا مرض پا لیتا"۔ حضرات گرامی! کیا اس کے علاوہ بھی کوئی psycho analysis (نفسی تجزیہ) ہے۔ وہ پہلے انسان ہیں کہ جنہوں نے نفسیاتی تحلیل کا طریقہ اور اسکا data ڈھونڈا ہے اور آج psycho analytical schools کی بھرمار ہے مگر گھوم پھر کے تمام باتیں اسی collection of data پر آ جاتی ہیں جسکی نشاندہی آپ کے پیغمبر ﷺ نے فرمائی۔

آپ کو ڈرنا چاہیئے۔ آپ کو اس لئے ڈرنا چاہیئے کہ ہم چلتے پھرتے بہت سارے لوگوں کو منافق کہہ دیتے ہیں مگر "حضرت حذیفہ بن الیمانؓ " نے فرمایا کہ نفاق تو صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک تھا اور ہم لوگوں کے درمیان تھا مگر اب تو زمانے میں یا کفر ہے یا ایمان ہے۔ بڑی عجیب بات ہے جو حضرت حذیفہؓ نے فرمائی اور اس کا مطلب حضرت معاذ بن جبلؓ کی ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ سب سے زیادہ جس بات سے ڈرتے تھے وہ نفاق ہے، دل کی تقسیم ہے، ذہن کی تقسیم ہے۔ جو یکسوئی اور جو عمل چاہیئے تھا وہ موجود نہیں ہے۔

پیغمبر ﷺ کی ایک حدیث جو میاں بیوی کے بارے میں ہے اور بڑی عجیب سی بات ہے کہ problems کے تعین میں اس problem کو major most کہا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کا عرش پانی پر ہے اور پھر شام کو اس کے دوسرے شیاطین اس کو report دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے قتل کرا دیا، اس نے کہا نہیں ...... کوئی کہتا ہے کہ میں نے چوری کرا دی، اس نے کہا چھوڑو ...... It's common ایک شیطان جا کے کہتا ہے: "اے شیطان الرجیم! میں نے ایک میاں بیوی کے درمیان فرق کروا دیا۔" وہ کہتا ہے: "شاباش! تو نے بڑا کام کیا، تو نے بہت بڑا کام کیا" اور وہ اسے اپنے پاس مسند پر جگہ دیتا ہے۔ خواتین و حضرات! آج کے زمانے میں as a teacher when i look at the family matters جب میں معاشرتی معاملات کو دیکھتا ہوں تو بہت سی بے چینیوں کی وجہ میاں بیوی میں ایک خاص understanding اور اتصال نہ ہونا ہے۔ آسانیوں کی تلاش اتنی بڑھ گئی ہے کہ

صبر کرنے والے مرد اور عورت نظر نہیں آتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کی ناراضگی ایک خاندان سے آگے بڑھتی ہوئی پورے معاشرے کو اضمحلال میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایک قتل بہر حال کسی انسان کے دل میں horror (دہشت) پیدا کرے گا۔ یہ قتل تو نہیں ہے مگر اس کے ذریعے جتنے انسانوں میں ناراضگیاں، اختلافات پیدا ہونگے وہ پورے معاشرے کو اجاڑنے کے قابل ہو جائیں گے اسی لئے technically (باریکی سے) مسائل کی ترجیحات میں حضورِ گرامی مرتبت ﷺ نے اسے بہت بڑا مسئلہ قرار دیا ہے۔ I think only a sociologist can explain it. (میرا خیال ہے کہ صرف ایک سوشیالوجسٹ اس کی وضاحت کرسکتا ہے۔)

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک ہے اور اس کے بعد آسانی ہے۔ حضرات گرامی! اگر آپ غور کیجئے تو زندگی کا پورا سفر قبر تک ہے۔ تمام زندگی کا ٹائم period اس زندگی میں کرنے کرانے سوچنے سمجھنے کا ماحصل قبر ہے۔ تمام امتحان، جد و جہد، ذہنی کاوشیں پرچہ، سوال قبر تک جا کر حل ہوتا ہے اور اگر زندگی میں اپنی ترجیحات priority، ذہنی clearance ہم نہیں حاصل کریں گے تو جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: قبر کے اندر جو سوال کیا جائے گا کہ کیا تو اللہ کو جانتا ہے؟ وہ کہے گا: "ہاں! جیسے دوسرے لوگ کہتے تھے ویسے میں بھی مانتا تھا"۔ جب سوال کیا جائے گا کہ کیا تو محمد رسول اللہ ﷺ کو جانتا ہے؟ کہے گا: "ہاں! میں نے سنا تو تھا، جیسے لوگ کہتے تھے ویسے میں بھی کہتا ہوں کہ تھے" تو جواب آئے گا کہ میرا بندہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس لئے کہ جس زندگی کو اور جس زندگی کیلئے پیغمبر میں نے بھیجا اور جس زندگی کی ترجیحات کیلئے میں نے اللہ کا رسول ﷺ انہیں بخشا، اپنا بہترین دوست بخشا، پورا کلام بخشا اور آخری کلام بخشا (وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ) جس کی وجہ سے message کو تمام کیا، messanger کو تمام کیا تم اس کی basic approach (بنیادی رسائی) ہی نہیں سمجھے کہ یہ زندگی رسل و رسائل نہیں ہے، یہ کھانے پینے کیلئے نہیں ہے secondary purposes (ثانوی مقاصد) کیلئے نہیں ہے کیونکہ تمام زندگی رسول اللہ ﷺ نے ایک intellectual priority (ذہنی ترجیح) انسانوں تک پہنچائی ہے اور وہ اللہ کو "ترجیح اول" دینا ہے اور اس معاملے میں قرآن کی بہترین interpretation (وضاحت) ہے۔ آج بھی تمام دنیا کے مؤرخین اور صاحب کتاب یہ کہتے ہیں کہ "الوہیت خداوند" کو قرآن نے جس طرح واضح

کیا ہے آج تک دنیا کی کسی کتاب نے واضح نہیں کیا مگر اسکو جو exhibit (ظاہر) کیا ہے، "محمد رسول اللہ ﷺ" سے بہتر کسی نے نہیں کیا۔

حضرات گرامی! اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ فرمایا: "شیطان آدمیوں کا بھیڑیا" ہے۔ جس طرح بکری پر "بھیڑیا" آتا ہے اور جو بکری ریوڑ کے کنارے پر ہو یا ریوڑ سے بچھڑ جائے اس کو "بھیڑیا" اٹھا کے لے جاتا ہے اسی طرح اگر تم "اجماع اُمت" سے گریز کرو گے، اکیلے اکیلے چلو گے، تنہا چلو گے، اپنے اپنے حصے علیحدہ کرلو گے اور "اجماع اُمت" کے ساتھ نہ چلو گے تو شیطان تمہیں اُچک کے لے جائے گا، شیطان تمہیں چھوڑے گا نہیں۔ اس حدیث میں جو ہمیں ایک بہت بڑی approach نظر آتی ہے کہ ایک چھوٹے سے گروہ کا یا ایک انسان کا جج وہ خود ہی ہوتا ہے اور اجماع کی صفت یہ ہے کہ اجتماعی ذہن ایک رائے دیتا ہے اور وہ collective opinion (متفقہ رائے) انسان کی guidance (رہنمائی) کیلئے سب سے بہترین رائے ہوتی ہے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا اجماع کبھی غلط نہیں ہوگا but individually (لیکن انفرادی طور پر) پندرہ بیس لاکھ یا دو لاکھ انسانوں کا ایک گروپ یا ایک قسم کی understanding (سمجھ بوجھ) جو ہے وہ ایک محدود understanding میں لوگوں کے درمیان decision (فیصلے) دیتی ہے اور وہ general opinion (عام رائے) سے یا ایک total opinion سے گریز کرتی ہے تو کسی بھی معاملے میں جزوی opinion کبھی صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے جماعت کی رائے اور اجماع کی رائے کو حتمی کہا گیا اور اُمت کو اجماع میں قیام پذیر ہونے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔

حضرات گرامی! ایک بڑی خوبصورت بات اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی کہ "اگر تم اپنی جانوں پر سختی کرو گے تو پھر اللہ بھی تم پر سختی کرے گا"۔ وہ بڑے بڑے عبادت گزار، وہ کلیساؤں میں رہنے والے، ان کی مثال دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی محبت پر یا عبادت پر غرور کیا، وہ کثرت عبادت سے اپنے نفس کو تکلیف دیتے تھے، وہ مشقت اور اذیت سے اپنے آپ کو بہتر اور برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے تو اللہ نے ان کی مشقت اور بڑھا دی، ان کو اور سختیوں میں ڈال دیا اور راہِ اعتدال سے انہیں گمراہ کر دیا۔

اعتدال، محبت، سلوک، تعقل، رحمت، کرم یہ تکمیلِ رسالت ﷺ ہیں اور خداوندِ کریم نے انسانیت کے بہت بڑے دور کو مزین کیا۔ افسوس کی بات ہے کہ نو کروڑ برسوں سے انسان نے

جس ذاتِ گرامی ﷺ تک پہنچنے کی جد و جہد کی، جس تعقل اور معرفت تک پہنچنے کی کوشش کی اگر آپ Homo Erectus سے پوچھتے، Homo Habilus سے پوچھتے، Homo Sapiens سے پوچھتے تو نسلِ انسانی کی تمام کی تمام کوشش "محمد رسول اللہ ﷺ" تک پہنچنے کی تھی۔

"اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی"

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے پندرہ سو برس میں اس ذاتِ عالی ﷺ کی تعلیمات، ان کی محبتوں اور ان کے خلوص کو اپنی زندگیوں سے خارج کر دیا ہے۔ خبردار رہئے گا کہ ہم بھی قومِ یہود کی طرح جبلتوں کو پلٹنے والے ہیں۔ جب بھی ہم اعتدال سے ہٹیں گے اور بہترین معیارِ عقل و نقد و نظر، بہترین معیارِ محبتِ رسول "اعتدال" ہے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو اعتدال سے ہٹا ہوا پائے تو یہ سمجھ لے کہ اس میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔

وَمَا علینا اِلاَّ البلاغ

سوال و جواب

سوال: میرا خیال ہے کہ اگر پروفیسر صاحب کا یہ لیکچر سنا گیا تو اس میں جو کڑی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان کسی نہ کسی شکل میں، پسماندہ شکل میں اس کرہ ارض پر موجود رہا اور چونکہ اسکے عقل و شعور نے ٹھیک طرح سے پنپا نہیں تو پھر elimination (مٹنے) کا process (عمل) ہوتا رہا۔ بنتا رہا مٹتا رہا۔ اس میں بہرحال جو ایک قرآنی عقیدہ ہمارا عام مذہبی عقیدہ ہمارے سامنے ہے پروفیسر صاحب سب سے پہلے اس گرہ کو وا کریں اور کھولیں کہ حضرت آدمؑ اسی زمین پر ہی جس طرح سے پہلے species (انواع) موجود تھیں موجود تھے یا انہیں باہر سے بھیجا گیا، plantation (کاشت) ہوئی یا نہیں ہوئی اور وہ plantation اس سارے process (عمل) کا حصہ پھر کیسے بنی جو پہلے اس کرہ ارض پر وہ process موجود تھا اور جاری تھا۔ یہ تھوڑا سا confusion (الجھاؤ) ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سارے لیکچر کی تکمیل تبھی ہوگی اگر پہلے یہ فرما دیں کہ حضرت آدمؑ کی حیثیت اس سارے مسلسل عمل میں، انسان کے وجود کے عمل میں کہاں فٹ ہے؟ کس طرح سے fit ہوتی ہے؟

جواب: بہت اچھا سوال ہے۔ ویسے تو اس سوال کا جواب میں بہت سی جگہوں پر دے چکا ہوں۔ اصل میں انسان کی زندگی کے اور اسکی روح کے مابین جو بنیادی فرق ہے اسکو ملحوظ خاطر رکھے بغیر کسی انسانی origin (ابتدا) پر حتمی رائے نہیں دی جا سکتی۔ قرآن میں اللہ نے انسان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے اسے زمین سے اگایا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا: "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" اور حیات کی اعلیٰ ترین قسم انسان ہے پھر قرآن میں بار بار انسان کے origin (ابتدا) کو واضح کیا کہ میں نے اسے گوندھی ہوئی مٹی سے، صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ سے، طِينٍ لَازِبٍ سے پیدا کیا یعنی معتبر ترین اشارات انسان کی تخلیق کے اور اسکے بدنی وجود کی تخلیق کے ہمیں زمین پر ہی ملتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیت میں لفظ "اِهْبِطُوا" کس طرف اشارہ کرتا ہے۔ لفظ "اِهْبِطُوا" بعض اوقات transference of place کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یا کسی ایک شہر سے دوسرے شہر کو جانے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نکل پڑو اور اتر پڑنے کے معنی میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسکے باوجود واضح ترین صورت یہ بنتی ہے کہ جو انسان بحیثیت اسکا proto type (ابتدائی نمونہ) ہے، جو ایک علیحدہ جگہ تخلیق ہوتا ہے، وہ اسکے gene کی code ہے، جیسے ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اور قرآن حکیم میں

بھی ہے کہ میں نے اپنی مخلوقات کو اپنے سامنے جمع کیا اور اُن سے ایک قول "اَلَستُ بِرَبِّکُم قَالُوا بَلٰی" کا عہد لیا تو وہ یقیناً زمین کا عہد نہیں ہے اور وہ یقیناً وجود بدنی نہیں ہے۔ اب اس صورت میں ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وجود جو روحی ہے وہ اللہ نے ضرور کسی ایسے مقام میں جس کو اللہ خود ہی جانتا ہے، کم از کم میں اُسے نہیں جانتا مگر جب وہاں اسکی تکمیل مراتب کرلی اور جو اُسکا اندازہ تھا اور جو اسکے قوانین تھے وہ اُسے دے دیئے تو پھر یہ لازم سمجھا کہ میں اسکو زمین پر بھی انسانوں کی testing کیلئے بھیجوں۔ اگر آپ قرآن کی اس آیت پر غور کریں: "نَبتَلِیهِ" کہ میں اُسے آزماؤں گا اور جاننا چاہوں گا کہ یہ اب کیسے behave کرتا ہے۔ نَبتَلِیهِ کے لفظ میں انسان کے اُس gene کا آسمانوں سے زمین پر اترنا محفوظ ہے اور اُس prototype کا یا اُس روحی وجود کا جو اللہ نے اس کائنات سے بالا یا جس جگہ کو وہ خود جانتا ہے وہاں بنایا اُس کے بعد اس لفظ "نَبتَلِیهِ" کیلئے اُسے زمین پر اگانا شروع کیا اور اس processing (عمل) میں کچھ اپنے justice (انصاف) کو بھی واضح کرنے کیلئے اس نے تمام انسانی مخلوق کی production (پیدائش) زمین پر کی اور اس سے اُسے عروج اور پروان چڑھایا تو بظاہر اسمیں قطعاً کوئی اختلاف سلئے نہیں لگتا کہ جب آپ مرجاتے ہیں تو خدا یہ کہتا ہے کہ جنت اور دوزخ میں بھی آپ کو نئے وجود دیئے جائیں گے، خاص طور پر دوزخ کے بارے میں ارشاد فرمایا تا کہ ایک وجود کسی اذیت کا عادی نہ ہو جائے اور وہ کم اذیت میں نہ جا پڑے اس لیے وہ کہتا ہے کہ ہم ہر مرتبہ اس کا وجود بدل دیں گے تو اگر آپ دیکھیں تو یہ تین وجود بنتے ہیں جو انسان کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ ایک وہ وجود جو فرحت و انبساط کیلئے جنت میں دیا جائے گا اور ایک وہ وجود ہے جو اذیت و کرب و بلا کیلئے جہنم میں دیا جائے گا۔ ایک وہ وجود ہے جو ابتلا و آزمائش کیلئے زمین میں دیا جائے گا۔

سوال: آپ نے جو انسانی ارتقاء کی منازل بیان کی ہیں اس کو قرآن پاک سے کیسے سمجھا جائے یعنی حضرت آدمؑ سے قبل انسان کا زمین پر وجود کیسے ثابت ہوتا ہے جبکہ قرآن حضرت آدمؑ کو زمین پر پہلا انسان کہتا ہے اور آپ کے بیان سے حضرت آدمؑ کے ماں باپ کے وجود کا گمان ہوتا ہے؟

جواب: اصل میں بات یہ ہے کہ ایک جگہ کہتے ہیں کہ زمین سے اگایا۔ اولادِ آدم زمین سے ہے۔ پیدائش زمین سے کی گئی ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ میں نے تمہیں "نفسِ واحد" سے پیدا کیا۔ یہ تو کہا کہ تم کوئی قابل ذکر شے نہ تھے۔ یہ ساری باتیں ایک طرف ہیں اور دوسری طرف اللہ کہتا ہے کہ

میں نے آدمؑ کی پشت سے اُسکی ذرّیت کو جمع کیا اور پھر اُن سے عہد و پیمان لیے جو یقیناً اس آدم کی حالت میں نہیں تھے یعنی اگر آپ کو اور مجھے یاد ہو کہ ہم نے اللہ کو کوئی ایسا وعدہ دیا تھا...... مجھے تو یاد ہے کہ اس زندگی میں تو مجھے کچھ پتہ نہیں، میں نے تو ایسا کوئی وعدہ اللہ کو نہیں دیا تو میں کتنی آسانی سے بچ نکلوں گا مگر وہاں تو سنا ہے کہ اللہ کسی حال میں بھی اس وعدے کو معاف نہیں کریں گے اور ہمیں یاد کرائیں گے اور یاد دلائیں گے کہ یہ وعدہ تم نے کیا تھا تو میں آسانی سے اپنی حالت پر گمان کرتا ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں نے اس قسم کا کوئی وعدہ اللہ میاں سے نہیں کیا۔ مگر کوئی ضرور ایسی کیفیت مجھ پہ گذری ہے اسی لئے انسان کو شروع سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ازلی نہیں ہے مگر ابدی ضرور ہے۔ Man is eternal یہ شروع سے نہیں مگر یہ آخر تک جائے گا۔ تو ظاہر ہے کہ جب سے ہماری ارواح پیدا کی گئی ہیں۔ اُن میں billion years of (کروڑوں) سالوں کے وقفے ہم پر گذرے ہیں۔ مگر ہم اُس حیات کو نہیں جانتے۔

شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ عارف اور صوفی وہ ہے کہ جو اپنے شوق اور مجاہدہ کی وجہ سے اپنے اُسوقت کو دیکھتا ہے۔ جب ابھی وہ روحی وجود میں تھا اور پھر اُسکے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر ہمارا روحی وجود ہے تو پھر قرآن کی ساری آیات میں بڑی اچھی مطابقت ہو جاتی ہے کہ جو باتیں ہمارے بارے میں ایک side پر قرآن بیان کرتا ہے وہ روحی وجود کی ہیں اور جو دوسری طرف بیان کرتا ہے وہ زمینی وجود کی ہیں اور ہمیں transference (منتقلی) کیلئے یہ دونوں وجود ایک وجود میں جمع کیے گئے آدمؑ کی صورت میں۔ اس سے بالکل proto type of Adam (انسان کا ابتدائی نمونہ) بن گیا بلکہ جو زمین سے وجود اٹھایا جا رہا تھا۔ اس میں نہ عقل تھی نہ شعور تھا اور وہ بڑی مدتوں تک ایسے تھا:

"هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنسَانِ حِینٌ مِّنَ الدَّهرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئاً مَّذْکُوراً"

(تو انسان ضروری نہیں کہ آدم ہو مگر آدم انسان تھا)

سوال: یہ سمجھ لیا جائے کہ growing mind (ارتقاء پذیر ذہن) کا عروج محمد ﷺ تھا اور اُس سے پہلے اللہ تجربات کر رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ محمد ﷺ کے دنیا سے جانے کے بعد کیا کر رہے ہیں؟

جواب: حضرات گرامی! بڑا خوبصورت سوال ہے مگر اس کا بڑا سادہ سا جواب ہے جیسے میں نے آپ سے کہا کہ معیار کبھی اختتام پر مقرر نہیں ہوتے۔ peaks (چوٹیاں) ضرور نیچے اترتی ہیں

اور کسی بھی چوٹی کی دوسری طرف زوال کی ہوتی ہے۔ خداوندِ کریم نے پیغام کو اس لیے bit by bit دیا تھوڑا تھوڑا کر کے دیا کہ اللہ کی نظر میں انسانی ذہن اُس وقت اتنا mature (پختہ) نہیں ہوا تھا کہ مکمل ترین پیغام کو قبول کرتا اور یہ ہمیں تاریخ نے بھی اور بنو اسرائیل کی زندگی نے بھی اور دوسری اقوامِ عالم کی زندگیوں نے بھی بتایا ہے کہ وہ بار بار خوف و ہراس کی رجعت میں پڑتے تھے۔ معبودان یا باطل کو جاتے تھے اور اُس vision of God (خدا کے ثبوت) کے نہ ہونے سے اُن کو بار بار اشتباہ خداوند کا اشکال ہوتا تھا۔ حضورِ گرامی مرتبت کے زمانے تک پہنچتے ہوئے انسانی ذہن زمانے میں بہت سے ادوار سے گزرا اور حضورِ گرامی مرتبت کے زمانے تک پہنچ کر اس کی capacity (گنجائش) اتنی mature (پختہ) ہو گئی تھی کہ اب وہ ایک مکمل پیغام اور ایک مکمل تعقل کے طریقے کو قبول کر سکتا تھا۔ عقلی و ذہنی capacity ہم آہنگ ہو گئی تھی اس لیے پروردگار نے یہ پیغام دیا جو اگلے تمام زمانوں تک اور قیامت تک کا لائحہ عمل تھا اور قابلِ عمل تھا۔ میں نے اس لئے آپ کو چند ایک وہ باتیں بتائی تھیں جو جدید مفکرین کی ہیں مگر وہ عقل و معرفت میں اللہ کے رسول ﷺ سے آگے نہیں بڑھتے۔ میں نے پہلے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ دیکھئے ایک جدید ترین فلاسفر جو ایک صدی کا نامزد ہے وہ اپنے ارشادات میں فرماتے ہیں کہ We only know the relationship of things, we do not know the nature of things. کہ ہم صرف اشیاء کے تعلق کو جانتے ہیں اشیاء کی فطرت کو نہیں جانتے۔ مگر آج سے پندرہ سو برس پہلے محمد رسول ﷺ فرما رہے ہیں کہ "اَللّٰھُمَّ نَبِّئنِی بِحَقِیقَتِ الاَشیَــآءِ" کہ (اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت کا علم دے۔) اگر آپ غور کریں تو اُس ذہن کی maturity (پختگی) دیکھیں جو وہ دعا مانگ رہے ہیں اور اس ذہن کی maturity دیکھیں جو دورِ حاضر میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ We only know the ralationship of things. We do not know the nature of things. یہ لارڈ رسل کا comment (قول) ہے۔ یعنی brain پھر بھی اُس درجہ کمال تک نہیں پہنچا جہاں حضور عالی ﷺ کا تھا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ پھر بھی وہ اعتدال دنیا کے کسی فرد و بشر میں دیکھنے میں نہیں آیا جو محمد رسول اللہ ﷺ میں تھا۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ انسان مختلف درجات میں ارتقاء کی منازل سے گزرتا رہا ہے جبکہ اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ "لَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیم" یعنی ایک

constant (مستقل) معیار مقرر کر دیا ہے انسان کی تخلیق کا تو کیا اس سے اس theory کی نفی نہیں ہوتی کہ کم از کم وہ انسان جس کا قرآن میں ذکر ہے یا جس سے تہذیب کا واسطہ ہے مختلف درجاتِ ارتقاء میں سے نہیں گذرا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق "اَحسَنِ تَقوِیم" ہی پیدا ہوا اور اب تک اُسی حالت میں ہے؟

جواب: نہیں صاحب! یہ term "لَقَد خَلَقنَا الِانسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیم" اس وقت تک explain نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی دونوں سائیڈوں پہ arrows (<--->) نہ پڑے ہوں۔ یہ balance (توازن) کی آیت ہے۔ "اَحسَنِ تَقوِیم" کا مطلب ہے کہ یہ میزان اور عدل میں ہے، یہ متوازن ہے، یہ ہر انداز سے درست کیا گیا ہے۔ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے کمتر انداز سے بھی موجود ہوں اور اس سے بہتر انداز سے بھی موجود ہوں تو اگر آپ دیکھیں تو زمین کی تمام مخلوقات میں انسان "اَحسَنِ تَقوِیم" نہیں ہے بلکہ "اشرف مخلوقات" ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جانورانہ جبلتوں سے گذرتے ہوئے، instinctive patterns of life سے گذرتے ہوئے انسان ایک اعلیٰ ترین حیوانی جبلت سے گذرتے ہوئے ایک انسانی شرف تک پہنچا تو ایسے انسان کو ہم متوازن یا اعلیٰ ترین تناسب نہیں کہیں گے بلکہ اس کو "اشرف المخلوقاتِ ارضی" کہیں گے تو پھر دوسری side (طرف) کدھر گئی؟ اصل میں خدا دونوں طرف سے تجرباتِ حیات کرتا چلا آ رہا تھا۔ ایک طرف (جیسے میں نے پہلے آپ کو حدیث سنائی تھی) ملائکہ کو، شیاطین کو، بہت ساری مخلوقاتِ سموات کو پیدا کر رہا تھا اور دوسری طرف وہ زمین کی مخلوقات کو پیدا کر رہا تھا۔ ایک طرف روحی اور ناری وجود کو تخلیق کر رہا تھا اور ایک طرف ارضی اور جبلی وجود کو تخلیق کر رہا تھا تو جب وہ یہ کہتا ہے کہ "فِی اَحسَنِ تَقوِیم" تو اُس کا اشارہ یہ ہے کہ یہ آسمانوں کی نوری و ناری اور زمین کی جبلی دونوں قسم کی تخلیقات کا بہترین تناسب ہے اور یہ "اَحسَنِ تَقوِیم" ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں بنتا کہ وہ ایک totality (مکمل حالت) میں ایسے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لیے یہ ساری scientific (سائنسی) بات میں نے بتائی کہ انسان ہر "دورِ تقویم" سے گذرتا ہوا "حساب و میزان" سے گذرتا ہوا بالآخر کتاب کا اہل قرار پایا اور نبوت کے شرف سے مستفید کیا گیا۔ اسی طرح ملائکہ سے بھی وہی کہانی دہرائی گئی۔ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ علمی سیادت کی بناء پر شرفِ انسانیت کو معزز کیا گیا:

"وَاِذ قُلنَا لِلمَلٰئِکَۃِ اسجُدُو الِاٰدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا اِبلِیس"

سوال: نبی ﷺ کے بعد کس اطالوی فلاسفر نے تقدیر کی بہترین تعریف کی ہے اور وہ کیا تعریف ہے؟

جواب: میں اصل میں Leibniz کی theory (نظریہ) میں scientific determinism (عقیدہ جبریت کا سائنسی پہلو) کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ اپنی theory میں اسلام کے تصور قدر کے بہت قریب پہنچا ہے اور اس نے کہا کہ All determinism is a very scientific process (تمام جبر انتہائی سائنسی عمل ہے۔) انتہائی سائنسی نقطہ نظر سے ایک لمحے کو، ایک زمانے کو ایک مقام میں جوڑنا ہی تقدیر ہے۔ اصل میں اسم جبار کا جو اصل مطلب ہے وہ جوڑنے والا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسنے اشارہ کیا ہے کہ پوری زندگی اور کائنات میں ایک لمحہ، زمانہ ایک situation (صورت حال) سے جڑا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اُسکی وضاحت یہ ہوگی کہ اس وقت اس عالم میں بہت سارے لوگوں کا زمانہ ایک situation میں جڑا ہوا ہے تو جبر و قدر کی یہ بہترین وضاحت تھی۔ اس سے پہلے لوگوں نے اسے تین صورتوں میں قید کر دیا کہ جو لکھا ہوا ہے وہ ضرور ملے گا۔ جو نہیں لکھا ہوا وہ بالکل نہیں ہوگا۔ دراصل یہ جبر کی کوئی صورت نہیں۔ جبر مطلق کی صورت یہ ہے کہ اگر اللہ نے زمان و مکاں میں اشیاء کو مختلف انداز سے جوڑا ہوا نہ ہو تو کوئی بھی صورتیں عمل پذیر نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً اگر اللہ اُن کے زمانوں میں تھوڑا فرق ڈال دے۔ اگر ان کے اوقات میں تھوڑا فرق ڈال دے تو کوئی یہاں نہیں آ سکتا اور فرض کیجئے کہ اگر زمانوں میں وہ فرق نہ ڈالے اور مکان میں تھوڑا سا فرق ڈال دے تو پھر بھی کوئی یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ Leibniz کہتا ہے کہ زمان و مکاں کویا اِک لمحہ، زمانہ کو، اک مقام میں جوڑنا ہی جبر ہے۔

سوال: باقی کائناتوں میں message (پیغام) کس طرح deliver (پہنچا) ہوا ہوگا یعنی h which shape? (کس شکل میں)۔

جواب: اگر آپ نے حدیث رسول ﷺ پڑھی ہو------ بلکہ Quantum (کوانٹم) کے experiments (تجربات) یہی ہیں کہ ایک ایٹم کو مختلف جگہ پر functional (عمل پذیر) دیکھا گیا ہے۔ latest quantum (جدید کوانٹم) کی theory (نظریہ) بھی یہی ہے کہ ایک ہی ایٹم کو مختلف مقامات پر functional دیکھا گیا ہے۔ یہ بات scientific (سائنسی) ہے اگر آپ religiously (مذہبا) دیکھئے تو آپ کو بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اُسکے

پیچھے بھی کوئی اصول ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور قبروں میں دفن ہوتے ہیں اور وہ مشرق و مغرب میں دفن ہوتے ہیں پھر اُن کو "رسول اللہ ﷺ" دکھائے جاتے ہیں۔ پھر یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو تو اسکی صرف ایک ہی صورت موجود ہے کہ ہمارے زمان و مکاں سے انتہائی سرعت آفرین کوئی اور زمان و مکاں بھی ہے کہ جس زمان و مکاں میں حضورِ گرامی مرتبت ﷺ موجود ہیں اور عین ممکن ہے کہ اُن کی ترا کیب کچھ اس طرح سے ہوں کہ جب حضور ﷺ اس زمین پر گزر رہے ہوں تو وہ کسی دوسری زمین پر بھی گذر رہے ہوں۔ یہ اسلیے ممکن ہے جیسے میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ quantum (کوانٹم) یہ کہتی ہے کہ ایک ایٹم ایک جگہ بھی موجود ہوسکتا ہے اور دوسری جگہوں پر بھی موجود ہوسکتا ہے اور سائنسز میں آگے بڑھتے ہوئے میں یہ دیکھتا ہوں کہ ابھی جو نئے scientific نظریات ہیں اُن میں یہ پرانے سارے concept (نظریات) بدل جائیں گے۔ ابھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کائنات four dimentional (چار جہتی) نہیں ہے بلکہ ستاروں کی جو movements (حرکات) اب دریافت ہوئی ہیں اُن میں بہت سی نئی جہتیں بہت سی نئی dimensions (پیمائشیں) دریافت ہوئی ہیں تو اِمکانات کے لحاظ سے اب کائنات اتنی وسیع تر ہوگئی ہے کہ اُسکے بارے میں یہ کہنا کہ یہ چیز ناممکن ہے یا نہیں ہوسکتی، یہ بذاتِ خود ناممکن بات ہوچکی ہے۔

سوال: آپ نے ایک پورا thesis develop (نظریہ تعمیر) کیا کہ انسان جب intellectually under developed (ذہنی طور پر ترقی پذیر) ہوتا ہے اور اپنی جبلتوں کی زیادہ پیروی کرتا ہے تو پھر اُسکی جگہ پر ایک بہتر قوم یا ایک بہتر گروہ آجاتا ہے اور بالآخر دین کی تکمیل اس وجہ سے ہوگئی کہ وہ جو generation (نسل) موجود تھی وہ intellectually (ذہنا) بہترین تھی۔ بہترین عقل کے لوگ تھے۔ اب یہ ہے کہ ہم بھی جبلت اور عقل کی اُسی کشمکش میں ہیں۔ اِس وقت جو ہم یہاں حاضر ہیں یا اسوقت اس globe (دنیا) میں جو انسان بستے ہیں وہ بھی اسی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اپنی جبلتوں کو follow (پیروی) کر رہے ہیں، اپنی عقل کے ساتھ پھر ان جبلتوں سے لڑ رہے ہیں یا اپنی عقل کو ان جبلتوں کی خدمت میں لگا دیا ہے تو اصل بات پروفیسر صاحب سے پوچھنے کی یہ ہے کہ جب آپ دین کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر منظم انداز میں ہمیں بتائیں کہ انفرادی زندگی سے لےکر اجتماعی زندگی تک ہم اپنی دینی عقل سے یا رسول اللہ ﷺ نے جو معیار مقرر کردیئے ہیں اُن کے ذریعے سے اس سارے فتنے اور انتشار کے

دور میں کیسے لڑیں؟ اپنی منزل تک کیسے پہنچیں؟ تسبیح تو آپ دے دیتے ہیں لیکن اسکے بعد کا کیا ہے؟

جواب: شاید بہت سے لوگوں کو مجھ پر یہ بھی اعتراض ہے بلکہ کئی بڑے قریب کے دوستوں نے یہ اعتراض کیا کہ پروفیسر صاحب علم کی اور جدید علوم کی بڑی بات کرتے ہیں اتنی شاید قدیم علوم کی بات نہیں کرتے مگر میری زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اُس وقت تک قرآن کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوا جب تک کہ میں نے ممکنہ حد تک تمام علوم قدیم و جدید کی تحصیل نہیں کی۔ یہ بات میں کوئی عقیدت سے نہیں کہہ رہا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھے قرآن کی کوئی آیت properly(مناسب طور پر) سمجھ آتی اگر میں نے researches, biological نہ دیکھی ہوتیں اور علم الانسان کی تحقیقات نہ دیکھی ہوتیں یعنی میں ایک معمولی سی آیت میں ہی آپکو بتادوں کہ اگر میں نے آئن سٹائن کی theories(نظریات) نہ پڑھی ہوتیں یا اُن سے آشنا نہ ہوتا۔ expansion of universe.(کائنات کا پھیلاؤ) نہ پڑھی ہوتیں تو میرا خیال ہے کہ میں قیامت تک اللہ کی یہ سادہ سی آیت نہ سمجھ سکتا کہ:

"وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْن"

(ہم نے زمین و آسمانوں کو اپنے قوت بازو سے، اپنی طاقت و علم سے بنایا اور ہم اسے وسعت دے رہے ہیں) میرا خیال یہ ہے کہ علم ایک ایسی حقیقت ہے کہ خواہ وہ ایک ذرہ ہو یا زیادہ مقدار میں وہ انسان کو کسی نہ کسی شعور سے آگاہ کرتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ علم جنت ہے اور جہالت جہنم ہے۔ ایک بات نہ سمجھ آئے تو اُس بات کے سمجھ آنے سے جو ذہنی فرحت و خوشی نصیب ہوتی ہے وہ بالاترین جنت کے حصول میں بھی نہیں ہوتی اور اسی لیے جب آپ اسی علمی کاوش سے، اسی تحقیق سے اپنے خدا کا شعور حاصل کرتے ہیں تو اُس سے بہتر کوئی understanding(سمجھ) نہیں ہوتی اور اسی لیے شاید پروردگار کے رسول ﷺ نے جتنا زور علم پر، سمجھ پر اور فہم و فراست پر رکھا اتنا شاید کسی اور چیز پر نہیں رکھا۔ البتہ اعمال کی نوعیتیں دو ہیں کہ یا تو اعمال نیت کے بغیر کیے جاتے ہیں یا اعمال کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ اعمال اگر نیت کے بغیر ہو گئے تو وہ محض ایک شرعی تقلید ہے جسکو شاید دنیا میں کسی نے پسند نہیں کیا اور جب قرآن نے یہ کہا:

"مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی"

کہ ہم نے قرآن کو مشقت کیلئے نہیں اتارا تو پھر یہ ایک حرف آخر ہے اُس فہم و فراست والے انسان

کا ہونا چاہئے کہ ہم اپنی طبیعتوں اور دوسری طبیعتوں پر اتنا دباؤ نہ ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اے معاذ! تو چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کے دین سے نکل جائیں۔ تم لمبی قرأت کرتے ہو، یہ نہیں خیال کرتے کہ پیچھے بچے اور بوڑھے ہوتے ہیں" پھر فرمایا کہ "نصیحت متواتر نہ کیا کرو۔ لوگ اکتا نہ جائیں۔" "قرآن جب دل نہ چاہے تو نہ پڑھا کرو۔ حضور ﷺ کے نزدیک نماز اور قرآن سے کونسی بہتر چیزیں ہو سکتی ہیں مگر انسان کے نفسی اور جبلی رجحانات میں جو reactive (رد عمل) اور تنافر کے attitudes (رویے) ہیں۔ اُن کو guard (حفاظت) کرنا وہ بڑا لازم سمجھتے ہیں اور یہ صرف ذہانت اور عقل سے ہو سکتا ہے۔ جب اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! میرے دل میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے چیلیں نوچ کھائیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم انکو زبان پر لانا برا سمجھتے ہو"۔ فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اہلِ ایمان ہو۔ اگر آپ غور کرو تو اتنا خوبصورت طرزِ عمل، اتنا معتدل، اتنا نرم طرزِ عمل prophet (پیغمبر) دے رہا ہے کہ یہ میری فطرت کے عین مطابق ہے۔ میں نے اسلام کو مذہباً نہیں چنا۔ میں نے اسلام کو choice of thought کے طور پر چنا ہوا ہے۔ مجھے اس سے بہتر اس سے خوبصورت اس سے زیادہ معتدل نظریہ اس پوری سطح ارضی پر نظر نہیں آیا۔ And this is the feeling I want to convey to my friends. (یہ وہ احساس ہے جو میں اپنے دوستوں تک پہنچانا چاہتا ہوں) اور یہ جو تسبیح الٰہی ہے شاید یہ اسی تمام data (معلومات) میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے بقول جب تم نماز پڑھو گے تو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ اوامر و نواہی سے آگاہی میں تمہاری بہتری ہے مگر جب یاد کرو گے تو یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ "اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ" "کتاب کی تلاوت کرو" "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ" "اور نماز قائم کرو۔" "ان الصلوة تنهى عن الفحشآء والمنكر" ولذكر الله اكبر مگر ہماری یاد تو بہت بڑی ہے۔ routine (تسلسل) سے آگے گذرتا ہوا، توارد و تواتر سے آگے گذرتا ہوا آپ کا مذہب ایک کائناتی محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ It's a love religion یہ محبت و اخلاص کا مذہب ہے۔ بہترین رجحانات کا مذہب ہے۔ اتنی خوبصورت approach (رسائی) کسی پیغمبر، کسی فلاسفر، کسی دانشور نے نہیں دی۔ کسی مارکس نے نہیں دی، ہیگل نے نہیں دی، کانٹ نے نہیں دی، کسی برگساں نے نہیں دی یہ اس شخص نے ہمیں دی ہے کہ جو زندگی کا آغاز بدترین محرومی سے کرتا ہے۔ مجھے

Psychologically (ذہنی طور پر) آپ سوچ کے بتائیں کہ وہ کونسا شخص ہے کہ جو باپ سے تو پیدائش سے پہلے ہی محروم ہو جائے، جو ماں سے پیدائش کے کچھ دیر بعد محروم ہو جائے، جو جس شخص پہ آسرا کرے اُس سے چھین لیا جائے۔ ہزاروں complexes (پیچیدگیاں) ایک ایک چیز کی محرومی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس کا بچپن عسرت میں گذرا، جس کی جوانی عسرت میں گذری، جس کا لباس مفقود، جس کا رزق اتنا کم جتنا آج کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے اور وہ شخص ان محرومیوں کے جواب میں، ان محرومیوں کو اپنے تن و باطن میں سمیٹ کر خلق کو ایک "خلقِ عظیم" عطا کر رہا ہے۔ محبت کا ایک سمندر موجزن ہے جو نہ صرف اپنے عہد کے انسانوں کو پہنچتا ہے بلکہ قیامت تک ہر اُس انسان کو پہنچا رہے گا جو محبتِ رسول اللہ ﷺ رکھتا ہے۔......

سوال: کلوننگ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر فرشتے غیر ارادی مخلوق ہیں تو پھر ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیوں کیا؟

جواب: دوسرے سوال کا جواب مختصر ہے کہ شیطان فرشتہ نہیں ہے، یہ جن ہے اور فرشتوں کی بناوٹ اگر تمام تر تسلیم و رضا پہ مبنی ہے تو شیطانوں میں اللہ نے کچھ نہ کچھ شرارت کا پہلو رکھا ہے اور جس تعصب کی طرف یا شیطان کے تعصب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اس کا تخلیقی تعصب ہے اور بلکہ شیطان رجیم نے اس زمین کے لوگوں میں بھی سب سے پہلا جو تعصب دیا وہ اس کا نسلی تفاخر کا تعصب ہے حالانکہ اگر ہم ابتدائے عالم سے انسان کو دیکھتے ہیں تو انسان اتنے معمولی concept سے اوپر اٹھا ہے کہ اس میں کسی شخصی تکبر کی گنجائش نہیں بلکہ تمام تر انسان کی نسلیں اُن کی climatic change (موسمی تبدیلیوں) سے مرتب کی گئی ہیں۔ اگر کسی کو Mangolian (منگولین) کہا گیا ہے تو اُسکے climatic اثرات سے کہا گیا ہے ورنہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی فرق نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں فرق ہے اور اگر کوئی فرق ہے تو عقل و شعور کا ہے کیونکہ تقویٰ کی بنیاد عقل و شعور پر ہے۔ اس لئے شیطان میں اس قسم کا شر ہونا کوئی ایسی ناممکن بات نہیں ہے کیونکہ ان کی تخلیق میں اس قسم کا ایک element (عنصر) موجود ہے جیسے ابھی میں نے آپ کو ایک حدیث سنائی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اللہ نے لفظ "کن" سے پیدا کیا۔ اس لئے اگر "کن" کو دیکھیں تو یہ ایک اختیار کی بات نہیں بلکہ یہ ایک technology کے تحت پیدا ہوئے۔ اُس (تکنیک) technology میں جو اوصاف رکھے گئے ہیں جیسے ایک فرشتے نے اقرار کیا کہ جب آدم کو علم سکھلایا گیا اور ساتھ فرشتے کو سکھایا

گیا تو آدمؑ نے تو اسکا بہت کچھ بنا لیا کیونکہ اس کی technology میں learning, experience, memory (تجربہ، یادداشت، علم) اور تجسس موجود تھا مگر فرشتوں کے جواب میں نئی ساخت کی تخلیق کی نوعیت موجود ہے: "سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" ......ہمیں تو اس چیز کے سوا کوئی علم نہیں ہے جس کا data (اعداد و شمار) تو ہمیں نہیں دیتا۔

(All aliens are data fed) فرشتوں کی بنیاد تسلیم و رضا پر رکھی گئی ہے اور شیطان میں اختلاف کی گنجائش رکھی گئی تھی اسلئے اس نے اختلاف کیا۔

کلوننگ کی شرعی حیثیت اس حد تک تو قطعاً جائز ہے کہ جیسے اگر کسی heart transplantation (دل کی پیوندکاری) میں کوئی دوسرا دل لگایا جاتا ہے تو اس کا خون اُسے قبول نہیں کرتا یا کسی عضو کی transplantation میں یا blood (خون) کی transplantation کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے نہ کوئی اس قسم کا اعتراض واقع ہوا ہے جیسے ایک شعر ہے، کتاب ہے، ناول ہے، افسانہ ہے، تو اُسکے جو دو اثرات ہیں کہ کلوننگ کو کون استعمال کرتا ہے اور کس کیلئے کرتا ہے...... کلوننگ اگر نفعِ انسانی کیلئے، replacement کیلئے (جگہ بدلنے کیلئے) استعمال ہوتی ہے تو یہ بالکل اُسی طرح ہے جیسے ہمارے ہاں ٹی وی کی پروگرامنگ ہے۔ اگر یہ پروگرام فلاح و بہبود کیلئے استعمال ہوتے ہیں تو اچھے ہیں۔ ٹی وی بذاتِ خود تو کوئی شے نہیں۔ کلوننگ تو ایک technique (فن) ہے، ایک سائنس ہے۔ اگر اس کو بہتری، انسان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تو وہ خدا کے فضل کے سائے تلے ہے اور اگر نہیں کیا جاتا تو شیطان بھی تو موجود ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کو انسان کی توانائی اور کمزوری کا اندازہ ہے تو اُس نے اِس ناتواں پر اتنا بوجھ کیوں ڈال دیا جسکو پہاڑ بھی اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے؟

جواب: میں نہیں سمجھتا کہ انسان کو اللہ کمزور سمجھتا ہے بلکہ اُس کا تو اعلان یہ ہے کہ یہ مخلوق اتنی طاقتور و اعلیٰ ترین ہے کہ میں اس کو خلافتِ ارض و سمٰوات سونپنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان سے زیادہ معزز، بہتر اور طاقتور کوئی مخلوق نہیں ہے اور نہ کسی اور کو یہ شرف حاصل ہے۔ باقی جس آیت میں یہ ذکر کیا گیا: "اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَہُوْلًا" اُس میں انسان کی ایک اور خصلت کا ذکر کیا جو صرف طاقت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی تکبرات کے تحت انسان نے دعویٰ کیا کہ یہ بڑی

معمولی سی بات ہے۔ مجھ میں تو بے پناہ capacity of mind (ذہنی صلاحیت) موجود ہے۔ بڑی آسانی سے میں اپنی ترجیحات متعین کرلونگا ور جو عقل وشعور مجھے اللہ نے بخشا ہے اُس سے اللہ کو پہچاننا بھلا کیا مشکل ہے۔ اصل میں اُس نے تکبرات کے تحت اپنے ذہن کی اہلیت کو تو سمجھا مگر ترغیبات کے تحت اپنی کمزوری نہ جان سکا اسلئے خدا نے کہا کہ:

"اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلاً"

سوال: ایک بہن کی طرف سے سوال ہے کہ آج پہلی مرتبہ آپ کے ارشادات سننے کا شرف حاصل ہوا۔ آج کل میری حالت اُس شخص کی مانند ہے جو بے آب وگیاہ جنگل میں کھڑا ہو جہاں جہالت وظلمت کے ساتھ طوفانِ باد وباراں بھی ہو۔ شیطانی وانسانی وار یہ سب میرے دشمن ہیں مجھے اپنی ذات اور اپنے اہل خانہ کا دفاع کرنا مشکل لگ رہا ہے۔ یہ بھی علم میں ہے کہ حقیقی محافظ بھی ہمہ وقت میرے ساتھ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا انسانی وار (سحر) کو روکنا جائز ہے اور کتاب وسنت کے مطابق اس وار کو روکنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اصل میں جو بھی باتیں محترمہ آپ نے پوچھی ہیں اس میں بہت سے الفاظ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں جیسے کہ انسانی وار اور سحر، اسی طرح شیطان اور انسانی وار۔ یہ ایک understanding (سمجھ بوجھ) کی خطا ہے۔ ایسا حقیقت میں بالکل نہیں ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ آپ اپنی کوششوں کے باوجود ایک کیفیت سے نجات نہیں پا رہیں اور باوجود اتنی ساری کوششوں کے آپ کو ایک گنجلک situation (پیچیدہ صورتحال) سے نجات نہیں ہو رہی تو یہ کسی انسان کے بس کی یا کسی شیطان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ آپ کو اگر اللہ کی یا قرآن حکیم کی یہ بات یاد ہو:

"وَاِن یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلاَ کَاشِفَ لَہٗ اِلاَّ ھُوَ"ط

(جسے اللہ ضرر کے ہاتھ سے چھولے تو اُس گرہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا)

"وَاِن یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"ط (۱۷:۶)

(اور جسے وہ خیر سے چھو لیتا ہے تو وہی صاحبِ قدرت ہے)

خاتونِ محترم! ایسی تمام صورتحال میں دو حالات واقع ہوتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت وابتلاء آتی ہے تو ساتھ ایمان بھی جاتا ہے۔ اگر مصیبت وابتلاء میں خدا کے سوا کسی اور چیز پر تکبر کریں گے تو نہ صرف مصیبت ٹھہر جائے گی بلکہ ہمارا ایمان بھی ہاتھ سے جائے گا۔ اس لیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن میں فرمایا ہے میں بھی آپ کو advice (نصیحت) کر رہا ہوں کہ جب آپ پر کوئی اس قسم کی پیچیدہ situation (صورتحال) آئے، مصیبت آئے، بلا آئے تو جیسے اللہ نے کہا ہے:

"ولنبلونکم بشی ء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والا نفس والثمرات"

کہ بلاشبہ نقصان سے، خوف سے، بھوک سے، بضرور ہم انسان کو تھوڑا بہت آزمائیں گے۔

"و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوانا لله وانا اليه راجعو ن"

میرے سب سے بہترین بندے، سب سے اچھے بندے وہ ہیں جو مصائب و آلام میں مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور صرف اتنی سی بات کہہ دیتے ہیں انا للــه وانا اليــه راجعون کہ یہ سب کیفیات تو ذات میرے اللہ کی طرف سے آئی ہیں۔ انسانی دشمن بلا، جن یا بھوت کی طرف سے نہیں آئیں اور انشاء تعالٰی العزیز اللہ ہی کو لوٹ جائیں گی اور میرا خدا مجھے اس سے نجات دے گا تو اگر آپ کا یہ طرز عمل ہوا تو خدا نہ صرف آپکو نجات دے گا بلکہ ایک وعدہ بھی فرما رہا ہے۔

"أُولٰئِکَ عَلَيهِم صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِم وَرَحمَةٌ وَأُولٰئِکَ هُمُ المُهتَدُون"

کہ آپ پر اللہ کی طرف سے صلوٰۃ و درود و رحمت ہیں اور آپ ہدایت یافتہ ہیں۔

سوال: انہوں نے جو سحر کی بات کی ہے اس سے عامۃ الناس کا بھی فائدہ ہوگا اس سلسلے میں کچھ فرمادیں کہ کیا واقعی سحر کا وجود ہے یا نہیں ہے۔ یا انسانی زندگیوں کو زیر و زبر کرنے کیلئے اس کا استعمال ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

جواب: اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک practical observation (عملی مشاہدہ) اور دوسرا theoratical observation (نظریاتی مشاہدہ) کا پہلو ہے۔ نظریاتی مشاہدہ یہ ہے کہ واقعی سحر موجود ہے اور سحر کرنے والوں کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے کہ توجہات کو خدائے بزرگ و برتر اور قادر مطلق سے ہٹا کر کسی دوسرے ذریعے یا امداد کی طرف لگا دیں جو اگرچہ اس چیز کی قدرت نہیں رکھتا مگر سحر کے اثرات کے تحت انسان اُسے اپنے حالات پر قادر سمجھتے ہیں اور اگر آپ سحر کی آیات پر غور کریں تو قرآن حکیم نے اُن کا پورا خلاصہ دیا ہے۔

"وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر"

کہ حضرت سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا مگر شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور کفر کی صورت یہ تھی کہ "یعلمون الناس السحر" لوگوں کو سحر سکھاتے تھے "وما انزل علی الملکین ببابل

ھاروت وماروت'' اور ہم نے حاروت وماروت کو اسلئے نہیں اتارا تھا کہ وہ ہم سے بغاوت کا اعلان کریں بلکہ وہ ابتلاء کی صورت میں لوگوں کی آزمائش کیلئے اتارے گئے، اُن کے اعتقادات کی آزمائش کیلئے اتارے گئے۔

" وما یعلمن من احد حتی یقو لا انما نحن فتنۃ فلاتکفر "

اور جس شخص کو وہ سحر سکھاتے تھے یا اُس کے اثرات سے اُسے آگاہی دیتے تھے اس سے پہلے یہ بات کہہ دیتے تھے کہ دیکھو یہ negative powers (منفی طاقتیں) ہیں، یہ کفر کی طاقتیں ہیں۔ یہ اللہ کی نہیں ہیں۔ اگر انہیں مانو گے تو کفر کرو گے۔ اگر تم نے سحر سیکھا تو تم نے کافرانہ کام کیا۔ کیونکہ اس کی authority (اختیار) اور مجاز اللہ نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا علم نہیں کہا۔ یہ شیاطین کا علم ہے۔ شیاطین اسے سکھاتے ہیں اور سکھاتے کیا تھے۔ "فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ" لوگوں کو یہ سکھاتے تھے کہ تعویذ حب کیا ہے۔ تعویذ بغض کیا ہے۔ نقصان کے ہم مالک ہیں۔ میاں بیوی میں فرق ڈال دیتے تھے۔ پھر اس کے بعد ان کیفیات پر دو قسم کی اور technical کیفیات سحر کی وجہ سے وارد ہوتی ہیں ایک excessive repitition of the same idea in mind. (ذہن پر ایک ہی خیال کی گرفت) یعنی سحر یہ ہے کہ جیسے اللہ نے سامری کے ذکر میں ہمیں بتایا کہ وہ آنکھوں کو باندھ دیتے تھے اور خیال کو باندھ دیتے تھے۔ یہ vision control (نظر بندی) کرتے ہیں اور خیال control کرتے ہیں۔ یہ یاد رکھئے کہ اصل حالات میں ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہوتا مگر جس نے آپ کا vision, control کر لیا آپ سامنے دیکھتے ہوئے بھی اُس بندے کو اُس شے کو جن اور بھوت سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اصلیت نہیں ہوتی، سحر ایک فریب وتخیل پیدا کرتا ہے اور ایک فریب نظر پیدا کرتا ہے مگر یہ کتنے مفید اور کتنے مضر ہیں اس کے بارے میں پروردگار نے فیصلہ کیا: "ویتعلمون ما یضر ھم ولا ینفعھم" تم ایسی بات کیوں سیکھتے ہو جس کا نہ نفع ہے نہ نقصان دراصل سحر کا اثر اور سحر کی کیفیت اُس درجے پر آ کے باطل ہوتی ہے یا اُس درجے پر آ کے مؤثر ہوتی ہے جہاں آپ اپنی زندگی، اپنے معاملات، اپنے خیالات کا وارث اور مالک خدا کی بجائے کسی اور ذات کو سمجھیں گے۔ جب آپ کی نظر اللہ سے ہٹ جائے گی اور تمام شیاطین اور سحر کی کارستانی یہی ہے۔ مگر جب لوگوں کو بات سمجھائی جاتی ہے تو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ پر سحر ہوا تھا۔ رسول اکرم ﷺ پر لبید بن عاصم کی بیٹیوں نے سحر کیا اور وہ سحر discover (دریافت) ہوا۔

حضرت جبریل امینؑ اسے لے کے آئے اور حضور ﷺ سے وہ سحر رفع ہوا۔ خواتین و حضرات ایک بات آپکو سوچنی چاہیئے کہ Prophet is not only an intellectual وہ نہ صرف ایک اعلیٰ ترین ذہن ہے بلکہ اعلیٰ ترین معلم بھی ہے اور حضور گرامی مرتبت ﷺ نے بار بار اپنی حیثیت کو واضح کیا کہ "اَنَـا مُـعَـلِّـمٌ" کہ (میں استاد ہوں) ایک استاد کی سب سے بڑی صفت کیا ہے؟ حضور ﷺ اگر تمام عمر بھی سحر کی باتیں سناتے رہتے تو چونکہ حضور ﷺ کی خود ذات گرامی اُن کیفیات سے گزری نہ تھی اسلیئے یہ exactly شاید پیغمبر کیلئے مناسب نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کیلئے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ لوگوں تک ایسی کیفیت پہنچاتے جو انہوں نے صرف سوچی تھی اور خیال کی تھی اور جس میں سے وہ گذرے نہیں تھے اسلیئے پروردگار نے سحر کو حضور ﷺ کی ذات گرامی میں demonstrate (ثابت) کیا کیونکہ اُس کیفیت میں جو رسول اللہ ﷺ پر گزری سب سے بڑی ہماری گواہی یہ ہے کہ جبریل امین اُس وقت بھی موجود تھے جب سحر ہوا اللہ اُس وقت بھی موجود تھا جب سحر ہوا تو اُن کی allowance (اجازت) سے ایک اثر حضور ﷺ کی ذات تک پہنچا اور پھر اُسکی مدافعت کیلئے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو قرآن کی دو خوبصورت ترین آیات بخشیں "قُـلْ اَعُو ذُبِرَبِّ الفَلَقِ ہ مِنْ شَرِّ مَا خَلَق. اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" یہ دونوں آیات حضور گرامی مرتبت ﷺ کو دفع سحر کیلئے بخشیں اگر حضور ﷺ پر سحر demonstrate (ثابت) نہ ہوتا تو دافع سحر یہ دو سورتیں نہ اترتیں اس لئے کہ حضور ﷺ قرآن کے شارع ہیں۔ حضور ﷺ قرآن کی وضاحت ہیں۔ ان دو سورتوں کی وضاحت صرف اُسی صورت میں ممکن تھی جو حضور ﷺ پر گزریں اسی لئے demonstration (اثبات) کو effect, factual (حقیقی اثر) نہیں کہتے۔ نہ کسی خبیث میں، نہ کسی جن میں اتنی طاقت تھی کہ حضور ﷺ پر قابو پاتا۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک جن ہے اور ایک فرشتہ ہے۔ پوچھا گیا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کا بھی جن ہے؟" فرمایا: "ہاں، مگر وہ مجھے ہدائت کی خبر دیتا ہے"۔

سوال: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اتنی محبت کرتے ہیں جو ایک ماں کی محبت کے مقابلے میں ستر گناہ زیادہ ہے۔ جب ماں اپنے بچے کی بڑی سے بڑی نافرمانی معاف کر سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گناہ کیوں معاف نہیں کریں گے اور اُسے کیوں جہنم میں ڈالیں گے؟

جواب: آپ کی بات بالکل درست ہے مگر اُس میں صرف ایک شرط ہے کہ کوئی معافی مانگنے والا

ہوا اور کوئی ایسا ہو جس سے معافی مانگی جائے۔ اگر آپ دور حاضر میں دو یا تین خدا لیے پھرتے ہیں اور آپ اصلی خدا سے معافی نہیں مانگتے۔ سیدہ مریم سے مانگ لیتے ہیں یا حضرت عیسیٰ سے مانگ لیتے ہیں تو وہ جو اصل معافی دینے والا ہے۔ وہ یہ تو سوچے گا کہ میری طرف تو رجوع ہی کوئی نہیں کر رہا۔ مجھ سے تو معافی مانگ ہی کوئی نہیں رہا تو میں کس حساب میں معافی دوں۔ اس لئے approach کرنا، رجعت کرنا، توبہ کرنا ...... یہ بندے کا حق ہے کہ وہ اُس شخصیت کو اُس ذاتِ گرامی کو پہچانے جس سے اُس نے کچھ طلب کرنا ہے۔ فرض کیجئے کہ مجھے ایک ڈپٹی کمشنر سے کام ہے اور میں بار بار ایک ایس ایچ او کے پاس چلا جاؤں یا inspector کے پاس یا تحصیلدار کے پاس تو وہ تو ڈپٹی کمشنر کے دستخط نہیں کرے گا۔ وہ تو کھڑا یہی سوچے گا کہ The man doesn't come to me. Why should I? (یہ آدمی میرے پاس نہیں آتا تو میں کیوں دستخط کروں) یعنی دینے والا کبھی لینے والے کے پاس (سوائے اللہ کے) چل کر نہیں گیا but naturally (لیکن قدرتی طور پر) جب آپ forgiveness authority (معافی کے مختارِ کُل) کو تسلیم نہیں کرتے تو آپ کو forgiveness (معافی) نہیں مل سکتی۔

اب جس پروردگار نے آپ کا یہ معیارِ بخشش مقرر کر دیا ہو کہ جس نے دل سے ایک مرتبہ بھی "لا الہ الا اللہ" کہا اُس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی۔ تو کم از کم شرط تو یہی ہے کہ "لا اِلٰـہَ اِلاَّ اللہُ" تو کہیں گے۔ خدا کو تو پہچانیں گے جیسے اُس حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ ایک شخص کی تمام زندگی گناہوں میں گذری۔ اُس نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے جلا دینا اور میری راکھ ہواؤں میں بکھیر دینا تو اللہ نے ہر شے کو، ہوا کو، جہاں جہاں بھی اُس کی راکھ گری حکم دیا کہ اس امانت کو میرے پاس حاضر کرو۔ جب اُسے حاضر کیا گیا تو اللہ نے پوچھا کہ بھئی کس بات نے تمہیں اِس فعل پر مجبور کیا تو اس نے کہا: "یا اللہ! اے پروردگار! اتنا تو مجھے یقین تھا کہ تُو ہے۔" اللہ نے کہا: "میں نے تمہیں بخش دیا۔" اگر آپ غور کریں تو تمام باتوں میں ایک بنیادی بات جو موجود ہے اُس کا آپ کو خیال رکھنا چاہئے یہی بات اللہ نے قرآنِ حکیم میں کچھ اس طرح سے کہی ہے:

"قُل یٰعِبَادِیَ الَّذِینَ اَسرَفُوا عَلٰی اَنفُسِہِم"

کہہ دو میرے بندوں سے کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر بڑا اسراف کیا، اپنی صلاحیتوں کو بے جا خرچا، بڑی نالائقیاں کیں، جو چیز اللہ کی شناخت کیلئے بچانی تھی، وہ شیطان کے درشن پر خرچ کر

دی۔ تمام تر شر اور فساد کے باوجود ایک کام نہ کرنا: "لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللهِ" (میری رحمت سے مایوس نہ ہونا) اگر اس آیت کو غور سے دیکھئے تو سب سے بڑا گناہ یہ بنتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ یہ تمام گناہوں سے بڑا گناہ بنتا ہے اور وہ وجہ بالکل صاف ہے۔ وجہ logical ہے اور philosophical (منطقی) ہے۔ خدا کی رحمت خدا کے حساب سے ہے، لازوال اور لاانتہا...... میرا گناہ میرے حساب سے ہے محدود اور کمزور...... اب ایک محدود صفات والا، ایک محدود کارکردگی والا آدمی اُٹھ کر یہ کہے کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ خدا مجھے معاف کر ہی نہیں سکتا تو That's too biggest sin. This becomes a direct insult to God. یہ خدا کی توہین ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میرے گناہ اتنے بڑے ہیں کہ اللہ مجھے معاف کر ہی نہیں سکتا کہ اُس کی رحمت میرے گناہوں سے چھوٹی ہے تو حضرات گرامی جب پروردگار یہ کہہ دے کہ میری رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔ کیوں نہیں مایوس ہونا؟ وہ کہتا ہے: "إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً" دیکھئے یہ totality (مجموعیت) ہے۔ یہ قانون ہے کہ میں total گناہ معاف کرتا ہوں۔ totality میں خطائیں معاف کرتا ہوں۔ "إِنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ میں غفور الرحیم ہوں اور میرے لفظِ غفور میں ہی ساری کائنات کی مغفرت ہے اور میرے لفظِ رحیم میں ہی رحمتِ کمال ہے جس میں کوئی گناہ کوئی position (حیثیت) نہیں رکھتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اس بات کو گناہ کی دلیل بنا سکتا ہے؟ technically speaking (فنی طور پر) آپ اس بات کو، خدا کی رحمت کو اپنے گناہ کی دلیل نہیں بنا سکتے۔ گناہ مجبوری اور اضطراب ہے اور یہ شعوری اور چاہا ہوا راستہ نہیں ہے کیونکہ تمام شعوری، چاہا ہوا گناہ کا راستہ خدا کی حاکمیت کی نفی کرتا ہے۔ ایک شخص جو مسلسل گناہ کے بعد ندامت نہیں محسوس کرتا اور insist (اصرار) کرتا ہے وہ لازماً خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ کا انکار کرتا ہے۔ وہ لازماً خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے چاہے وہ لفظی اعتقاد کیوں نہ رکھتا ہو۔ چاہے وہ زبان سے کتنا ہی قرآن کیوں نہ پڑھتا ہو۔ کتنی ہی حدیث بیان کیوں نہ کرتا ہو تو حضرات گرامی آیات کی تفسیر مطلق ہے۔ ابھی میں آپ کو پھر ایک اور حدیث سنا دوں کہ جب یہ حدیث گرامی آئی کہ جس نے دل سے "لا الہ الا اللہ" کہا اور مجھے اللہ کا رسول جانا تو اُس پر دوزخ بھی حرام ہو گئی تو صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ چاہے اُس نے گناہِ کبیرہ کیا ہو یعنی چاہے اُس نے زنا کیا ہو یا شراب پی

ہو۔ فرمایا: "چاہے"...... جب تیسری مرتبہ ابوذرؓ نے پوچھا تو حضور ﷺ نے کہا کہ تیری ناک خاک آلود ہو۔ چاہے کیا ہو یعنی Why are you insisting? حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں اتنی بڑی رعایت اور خوشخبری دیتا ہوں تو Why are you insisting? (تم کیوں اصرار کر رہے ہو؟) یہ حال اُن لوگوں کا ہوتا ہے کہ جو اپنے تصور میں خدا کی رحمت کو اتنا بے کراں نہیں سمجھتے۔ Those who were again and again criticize that no, this cannot be happened. اور حضراتِ گرامی پندرہ حدیثیں بخاری اور مسلم میں اِسی موضوع پر موجود ہیں۔ جب حضرت معاذؓ نے یہ حدیث بیان کی اور اس عذر کے ساتھ کی کہ میں دنیا سے رخصت نہیں ہونا چاہتا۔ مجھے احساسِ جُرم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو میں نے سنی اور حضور ﷺ کی زندگی میں بیان نہیں کی مگر میں دنیا سے یہ حدیث بیان کئے بغیر رخصت نہیں ہونا چاہتا۔ اگر آپ غور کریں تو تمام مذہب ایک ذہنی approach (رسائی) کا نام ہے۔ اعمال اُس نیت سے سرزد ہوتے ہیں جو آپ اپنے ذہن میں پالتے ہیں اور اگر آپ کے ذہن میں خدا کی محبت اور قرب کی کوئی گھڑی نہیں آئی تو آپ کے تمام اعمال خواہ کتنے ہی عبادت سے مشابہت رکھتے ہوں بیکار ہیں اور اگر آپ خدا سے محبت اور انس رکھتے ہیں تو ایک خاص feeling (احساس) کیلئے بعض اوقات انسان کو ہزاروں سال رونا پڑتا ہے۔

اب ایک اور حدیث سناتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زندگی میں جو کچھ بھی کر چکے ہو۔ مرتے وقت اللہ سے گمان اچھا رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بدگمانی تمہیں اللہ سے دور کر دے اور عذاب جہنم میں ڈال دے۔ تمام تر قرآن و حدیث کی آیات اور الفاظ و عمل دیکھئے کہ پورے کا پورا قرآن اہلِ کفر کو جہنم کی وعید پر بھرا ہوا ہے مگر وہ کافر کہاں کے تھے؟ مکہ کے...... اسی locale (علاقہ) کے...... ہر آدمی کو سزا سنائی جا رہی ہے۔ ہر آدمی کو مار پیٹ کی خبر دی جا رہی ہے۔ ہر آدمی کو جہنم سنائی جا رہی ہے۔ کسی کو "خسیس" کہا جا رہا ہے کسی کو "لعین" کہا جا رہا ہے کسی کو ظالم کہا جا رہا ہے مگر جب فیصلہ آخر ہوا تو کتنے لوگ جہنم میں گئے ہوں گے؟ مکہ کے کتنے لوگ اسلام سے غافل ہوئے ہوں گے؟ تمام مکہ ایک ہی دن اور رات میں مسلمان ہو گیا اور پیغمبر ﷺ کی زبان سے کہلوا دیا کہ آج تم پر کوئی بدلہ نہیں۔ جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے سلوک کیا۔ آج میں تم سے وہی کروں گا کہ میں تم سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا اور سب نے اسلام قبول کیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کیا وہ قرآن جو کفارِ مکہ کیلئے اتنی سخت وعیدیں سناتا ہے بالآخر سارے کے

سارے Maccans (مکہ والے) کو مسلمان کر دیتا ہے تو پھر آیات کدھر جائیں گی مگر وہ آیات ہر اُس انسان تک، اُس community, general تک، ہر اُس شخص تک پہنچتی ہیں کہ جو اہلِ کفر کی طرح ضد اور جہالت پر اڑا ہوتا ہے، جو اپنے مؤقفات میں علمی تبدیلیوں کی گنجائش نہیں رکھتا۔ جیسے میں نے اپنے پہلے لیکچر میں کہا تھا کہ جس کی جبلت اُسے انا اور ضد پر مائل کرتی ہے اور وہ اپنی جبلت کے خلاف علم کا اجتہاد کرنے سے قاصر ہے۔

سوال: تقویٰ کے بارے میں بتائیں اور بتائیں کہ دل کا تقویٰ کیا ہے اور یہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں۔ آپ نے کہا کہ اعتدال ہی کامیابی ہے۔ اعتدال کیا ہے اور انسان اعتدال کو کیسے پا سکتا ہے؟

جواب: حضرات گرامی! بات یہ ہے کہ مذہب میں اعتدال fears اور frustrations (غم فکر) سے آزادی اور حدود اللہ سے پرہیز کرنا ہے۔ پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ "تِلْکَ حُدُودَ اللّٰہِ" یہ اللہ کی حدود ہیں۔

"وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُون"
(اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا)

اگر آپ ظلمت سے، اندھیرے سے ظلم سے ادھر ادھر رہنا چاہیں تو پھر حدود اللہ واحد ایسی چیز ہیں جن سے پرہیز کرتے ہوئے، جن سے ادھر رہتے ہوئے آپ معتدل رہتے ہیں۔ گویا اعتدال سے نکلنے کی حدود "حدود اللہ" ہیں اور حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ اعتدال کوئی fixation (انجماد) نہیں ہے۔ آٹھ حدیثیں مسلم کی اوپر تلے ایک ہی موضوع کو deal کرتی ہیں کہ اعتدال اختیار کرو۔ اگر مکمل اعتدال نہ ہو سکے تو اُسکے قریب ترین رہو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اعتدال ذہین انسان کی ایک فراخ تر کیفیت کا نام ہے جو اُس وقت بگڑتا ہے جب آپ حدود اللہ کو cross (پار) کرتے ہو۔

سوال: آپ نے پنڈی والے lecture میں فرمایا تھا کہ ماں باپ کی physcial (جسمانی) اطاعت کرنا تو فرض ہے لیکن mental (ذہنی) اطاعت ضروری نہیں تو پھر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کے کہنے پر اپنی بیوی کو کیوں طلاق دی تھی؟

جواب: میرا خیال ہے کہ یہ convince,mentally (ذہنی تسلیم) ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ convince,mentally تھے کہ اُن کے والد اُن سے زیادہ سمجھدار، زیادہ

عاقل، اُن کا زیادہ بھلا جاننے والے ہیں۔ نہ صرف عبداللہ بن عمرؓ بلکہ تمام اُمتِ مسلمہ اُس وقت یہ سمجھتی تھی کہ عمر بن خطابؓ ہم سے بہتر عقل والے، بہتر شعور والے اور ہمارے زیادہ ہمدرد ہیں اور اسکی شہادت جناب علی مرتضیٰؓ نے ان کی نعشِ مبارک پر کھڑے ہو کے دی، کہ اے لوگو سن لو کہ میں جتنا اِس شخص کو جانتا ہوں۔ یہ سب سے زیادہ سخت اپنی جان کے اوپر تھا اور خلق کیلئے یہ سب سے زیادہ نرم تھا تو ظاہر ہے کہ ایسی ہستی بلا شبہ تمام لوگوں میں فیصلے کے اعلیٰ معیار پر ہوگی۔ شاید! یہ کچھ اس طرح کی بات ہو کہ اگر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ استاد ہمیں حقائق کی بنیاد پر اچھا مشورہ دینے والا اور معقول ہے تو بہت سارے لوگ آ کے بہت سارے ایسے مسائل میں مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں کہ جو اگر میرا اختیار ہو تو میں کبھی نہ دوں مگر انسانی confusions (پیچیدگیوں) lack of knowledge, lack of understanding (علم کی کمی) کی وجہ سے کسی بہتر سے مشورہ لینا کوئی معیوب بات نہیں ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان یہ مشاورت ہو چکی ہوگی اور ضرور حضرت عبداللہ بن عمرؓ convince (مان) ہو گئے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ ٹھیک کہتے ہیں اسی لیے یہ divorce (طلاق) ہوئی ورنہ یہ حکم نظر نہیں آتا۔

سوال: سنن ابی داؤد میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ کے سامنے سے گزرا جبکہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے اُسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا نہ کرے تو وہ شخص ٹانگوں سے معذور ہو گیا حالانکہ وہ تو انجانے میں گزر رہا تھا۔

جواب: یہ غلط ہے۔ اسلئے کہ یہ بد دعا ہے اور آپ کو ایک بڑی مزے کی بات بتاؤں کہ حضور ﷺ نے ایک لڑکی کو بد دعا دی تو اُسکی ماں روتی ہوئی آ گئی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو میری بچی کو بد دعا دے دی ہے۔ فرمایا: ''نہیں، یہ میرا اور اللہ کا معاہدہ ہے کہ جب میں کسی کو بد دعا دوں تو اُسکا اچھا کر دے۔ اس لئے یہ حدیث ایسے نہیں ہے۔

سوال: تقدیر، تدبیر سے یا ذکرِ الٰہی سے یا صدقہ سے ٹل سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں، اسکی وجہ یہ ہے کہ nobody can take away the right of God acting in exclusive authority. کوئی شخص بھی اللہ سے یہ حق نہیں چھین سکتا کہ وہ اپنی exclusive authority (بلا شرکتِ غیرے اختیار) میں جیسے چاہے act (عمل) کر سکتا ہے اسی لئے تقدیر یہ تھی، طریقہ یہ تھا، اندازہ یہ تھا کہ زکریاؑ کی کوئی اولاد نہ ہوتی۔

زکریاؑ کی بیوی بانجھ، آپ بوڑھے ضعیف physically(جسمانی طور پر) زمانے کے اندازے اور تقدیر کے لحاظ سے بچہ پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی، پھر اللہ نے انہیں بچے کی خوشخبری دے دی، پھر حضرت نے پوچھا کہ کیسے۔ تو فرمایا کہ تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ "اِنَّ رَبِّیَ یَفعَلُ مَا یَشَآءُ" (بے شک میرا رب جو چاہے کرسکتا ہے) یہ کیوں کہتا ہے کہ کیسے؟ تقدیر کے اوپر بھی ایک تقدیر رائج ہے۔ اللہ کی حاکمیت کسی صورت بھی کسی نظام سے مجروح نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی ہستی اور نظام کو یہ حق حاصل ہے کہ اُسکی قدرتِ مطلقہ کو متاثر کرے اسلئے دعا یا اس قسم کے اعمال تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے قرآن پڑھا کہ:

"مَا نَنسَخ مِن اٰیَۃِ اَونُنسِھَانَاتِ بِخَیرِ مِنھَا اَومِثلِھَا"

(جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ویسی ہی یا اس سے بہتر لاتے ہیں)

اسی طرح حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کی حدیث ہمارے پاس موجود ہے کہ اللہ یہ اختیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے کہ جب چاہے کسی کی دُعا قبول کرے اور اگر کسی نے کسی کی زندگی کی دُعا بھی کی ہے (یہ بھی حدیث ہے) اور لوگ جس شخص کی تعریف کرتے ہیں اور جس کے کرم کیلئے اور اسکی زندگی کیلئے دُعا کرتے ہیں تو پھر اس کی زندگی بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح صدقات میں سے جو صدقہ اللہ کی رضامندی خرید لے تو مصائب ضرور ٹل جاتے ہیں اور دیکھنا یہ ہے کہ کیا موت بھی ٹلنے کیلئے ہے۔ جب اللہ دجال کو یہ صلاحیت دے سکتا ہے کہ وہ موت ٹال دے۔ حدیثِ دجال میں موجود ہے کہ ایک شخص دجال کے پاس جائے گا اور اُسے کہے گا کہ کیا تو مجھے مار کے زندہ کرسکتا ہے۔ پھر وہ شخص اُسے کہے گا کہ میں پھر بھی تمہیں خدا نہیں مانتا۔ اب تو پھر کیا مجھے مار سکتا ہے اور زندہ کرسکتا ہے وہ کہے گا کہ "ہاں" پھر ایسا ہوگا۔ جب تیسری مرتبہ ایسا ہوگا تو وہ اُسے مار نہیں سکے گا یا اُسے زندہ نہیں کرسکے گا تو اگر آپ غور کریں تو یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ انسان یا دجال موت پر تین دفعہ قابو پانے پر قادر ہو جائیگا۔ یعنی اتنی مرتبہ قادر ہو سکے گا جتنی مرتبہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔ Medical sciences (میڈیکل سائنس) اُس نہج تک پہنچ جائیں گی جب شاید تین دفعہ مردہ انسان کو زندگی دی جا سکے گی مگر اس کے باوجود اللہ کی تقدیر وہی ہے جو اُس نے لکھی ہے کہ: "اگر تم ہزار سال بھی جیو گے تو کیا مرو گے نہیں"۔ دراصل موت اور مرنا تقدیر ہے۔ اس میں timings(وقت) کی کوئی fixation(پابندی) نہیں ہے۔ جسکی چاہے اللہ بڑھا دے۔ جس کی چاہے اللہ گھٹا دے۔ "وَاللہُ یَقبِضُ وَیَبصُطُ"

سوال: آپ نے کھجوروں کو پیوند کرنے والی حدیث مبارک میں آپ ﷺ کا فرمان بیان کیا ہے کہ بعض باتیں میں اپنی طرف سے کہتا ہوں جبکہ اصولِ حدیث کے تحت قرآن سے متصادم احادیث قابلِ قبول نہیں ہوتیں، قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے کہ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى حضور ﷺ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتے اِس حکمِ خدا کے سامنے آپ کی وضاحت کس طرح ممکن ہے؟

جواب: بڑی آسان سی بات ہے اور اُن کا یہ کہنا کہ یہ بات میں اپنی طرف سے کہتا ہوں...... وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى آپ تھوڑی سی پیچیدگی میں پڑ گئے ہیں ورنہ یہ خدا ہی کے تحت، خدا ہی کے حکم کے تحت پیغمبر ﷺ نے تجربے کی اہمیت کو انسانی تجربے کی فضیلت کو اجاگر کرنے کیلئے ایک غلطی کا بظاہر ارتکاب کیا ہے۔

سوال: ایک مغربی سماجی محقق کا ایک thesis (مقالہ) پڑھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے موت کے رواتی، دروازے بند کر دیئے ہیں۔ طاعون سے لوگ اب نہیں مرتے، اب ملیریا سے نہیں مرتے، ہیضے سے نہیں مرتے، انفرادی واقعات ہو سکتے ہیں۔ لیکن human civilization (انسانی تہذیب) کو یہ خطرات اب باقی نہیں رہے۔ اب جو threats (خطرات) ہیں وہ social disorder (سماجی بے ترتیبی) کے نتیجے میں موت در آتی ہے۔ مثلاً اب ہم قحط سے نہیں مرتے، بسیار خوری سے مر جاتے ہیں۔ بہت زیادہ کام کرنے سے مر جاتے ہیں بہت زیادہ tension (بے چینی) سے مر جاتے ہیں۔ جنسی بے راہ روی کی وجہ سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اُس سے مر جاتے ہیں تو انہوں نے پورا ٹیبل بنایا اور نتیجہ یہ نکالا کہ social disorder (سماجی بے ترتیبی) physical disorder (جسمانی بے ترتیبی) میں بدل جاتا ہے اور یہی سب سے بڑا دکھ ہے جدید تہذیب کے انسان کا۔ اب یہ ہے کہ جب آپ کے پاس ہمارے جیسے لوگ آتے ہیں اپنی تعلیم کیلئے، آپکی توجہ کیلئے تو اُسے تسبیح بھی مل جاتی ہے۔ بعض پیچیدگیوں اور فروعی مسائل کے بارے میں بھی وضاحت ہو جاتی ہے، یہ جو بنیادی مسئلہ ہے کہ ہمارے سماجی رویوں میں عدم توازن ہے جس کی وجہ سے روزمرہ زندگیوں میں دکھ ہے اس عدم توازن کو توازن میں کیسے بدلیں انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر۔ اس حوالے سے میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں کچھ بتائیں اور بلکہ آپ کی طرف سے جو effort ہو رہی ہے۔ اُس effort (کوشش) میں اسکو اہمیت کیوں حاصل نہیں ہے کہ ہمارے سماجی رویوں کی اصلاح ہو۔ ہم بسیار

خوری کرنے والے نہ ہوں۔ ہم ایسے اعمال کرنے والے نہ ہوں جن سے ہمارا social disorder ہمارے physical disorder میں بدلتا ہے یا دکھ میں بدل جاتا ہے۔

جواب: پروفیسر احمد رفیق صاحب: ظاہر ہے ملک صاحب! سال میں ایک دفعہ اچھا کھانا بسیار خوری میں نہیں آتا (قہقہہ)......!

ملک صاحب: میں تو ساری انسانی جدید تہذیب کی بات کر رہا ہوں۔

پروفیسر صاحب: جناب والا! بات یہ ہے کہ ملک صاحب نے بڑی مناسب بات کی۔ دراصل ملک صاحب نے میری تائید میں ایک اچھے مغربی فلاسفر کو quote کیا۔ اصولاً یہ بات صحیح ہے کہ Social disorders are more dangerous than physical disorders. (سماجی بے ترتیبی جسمانی بے ترتیبی سے زیادہ خطرناک ہے) مگر دیکھئے آج کے دن آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو میں تسبیح کے ذریعے social disorders کو ہی ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ میرا ایک سادہ سا معاملہ ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ all social disorders are born out of the distances from God. (تمام سماجی بے ترتیبیاں خدا سے دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں) جب ایک آدمی disorder میں جاتا ہے، تو جیسے میں نے تھوڑا عرصہ پہلے کہا کہ بدقسمتی سے لوگ خدا کی طرف جانے کی بجائے جادو اور سحر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ وہ بھی بدتر حالات اور disorder کو چلا جاتا ہے، وہ social disorder میں جاتا جاتا mental disorder (ذہنی بے ترتیبی) میں چلا جاتا ہے۔ اگر میرے پاس کوئی مسئلہ لے کے آیا ہے تو میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ اُس کا mental disorder صحیح کر دوں اور اُس کو صرف اتنا بتاؤں کہ تیری بے چینی، تیرے اضطراب، تیرے کرب و بلا سے نجات کی کنجی کسی system میں نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ تسبیحاتِ الٰہیہ جو میں لوگوں کو دیتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ چونکہ میرا اپنا طریقہ کار رہا اور زندگی میں میں بہت سے ذاتی disorders سے انہی تسبیحات سے بچا ہوں، تو جیسے مجھے ایک چیز سے نفع ہوا تو میری خواہش تھی کہ میرے دوست، بھائی، دوسرے اللہ کے بندے بھی اُس نفع میں شریک ہو جائیں اور الحمدللہ تعالیٰ العزیز میرا خیال یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو جو یہاں بھی ہیں اور جو اِس سے beyond (پرے) بہت بڑی تعداد ہے، اس سے مجھے دہرا فائدہ ہوا۔ اللہ نے انہیں بھی فائدہ دیا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ مجھے سب سے بڑا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ اگر میں ملت

اسلامیہ کا درد رکھتا ہوتا اور اُمتِ مسلمہ کیلئے سوچ رہا ہوتا ہوں تو ہماری ضرورت جو ہے وہ یونیورسٹی یا academic سے نکلے ہوئے اُن طالب علموں کی نہیں ہے جو بغیر فکر و عمل کے degrees کے حصول (ڈگری) کیلئے جد وجہد کرتے ہیں بلکہ ہماری تگ و دو یہ ہے کہ جو کوئی شخص بھی اللہ و دین کی طرف آئے، اعلیٰ ترین سطحوں پر mentally committed (ذہنا پابند) ہوں، ان کے defences (مدافعت) مکمل ہوں اور بجائے ایک رجعت پسندانہ تردید کے یا انکار کے وہ پوری خیالاتی force (طاقت) کے ساتھ اپنے موقف پر قائم ہوں اور میں نے آج تک تسبیح سے بہتر کسی شخص کو خدا پر یقین کو مکمل ہوتا نہیں دیکھا اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اعتقادات قائم کرنے میں mental approaches (ذہنی رسائی) کرنے میں تسبیح سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ کی یاد سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو آپ کے mental confusion (ذہنی پیچیدگی) کو دور کرے social disorders کو دور کرے اور physical disorders کو دور کرے۔ لوگ جس "امرت دھارا" کی دنیا میں تلاش کرتے ہیں وہ دراصل اللہ اور اُس کا نام ہے۔ اس کے بغیر ایک general disorder (عام بے ترتیبی) ہماری پوری body (جسم) اور ذہن میں رہتا ہے۔ آپ اگر قیامت تک بھی خدا کے بغیر تگ و دو کرتے رہیں تو disorder کبھی بھی نہیں جائے گا مگر جب آپ اللہ کا نام لینا شروع کرتے ہیں (اَلاَ بِذِکرِ اللہِ تَطمَئِنُّ القُلُوب) تو قلب اطمینان پاتے ہیں، دل سکون پاتے ہیں۔ جب دل سکون پاتے ہیں تو In flammatory mental conditions subside (اشتعال انگیز دماغی حالتیں مدہم پڑ جاتی ہیں۔) اور وہی فرد جو معاشرے میں ڈپریشن اور decay (زوال) کا شکار ہے وہ معاشرے کیلئے کارآمد انسان بن جاتا ہے۔ ملک صاحب، میں اس میں صرف ایک point (بات کا) اپنی طرف سے add (اضافہ) کرونگا کہ زندگی بھر میں نے جس چیز سے پرہیز کیا ہے، جو آج بھی کر رہا ہوں اور اگر اللہ نے توفیق دی تو مرتے دم تک کرونگا وہ گروہی، جماعتی یا organizational culture ہے۔ وہ اس لیے کہ مجھے یہ بڑا غیر مناسب سا لگتا ہے کہ میں اپنے جملہ نو کروڑ بھائیوں کو چھوڑ کر کسی جماعت کو اپنا لوں۔ جب آپ گروہ سے بنتے ہیں تو ایک لازم سوچ آپ پر یہ آتی ہے کہ ہم بہتر لوگ ہیں اور بدتر لوگوں کو پڑھانے جا رہے ہیں یا ہم بہتر اور متقی لوگ ہیں جو بدکردار لوگوں کیلئے دُعا کر رہے ہیں۔ ہم بہتر لوگ ہیں، بہتر سمجھنے والے لوگ ہیں جو ان لوگوں کیلئے کوشش کر رہے ہیں اور شروع

سے کوئی بھی organization (جماعت) تکبرات کی بنیاد پر، ایک خفی تکبر کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے جو میرا خیال ہے کہ کسی بھی بہتر مسلمان کیلئے موزوں نہیں ہے۔ اسلیے organization سے بچتے ہوئے میری کوشش یہ ہے کہ سب اس میں شریک ہوں۔ We should be together whether some bodies are shiayas, sunees, this or that. شیعہ، سنی وغیرہ کے فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے...... اگر ہم اللہ کے بندے ہیں اور خدا اور اسکے رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ صرف ایک چیز پر ہمارا اتفاق و اتحاد ہو سکتا ہے اور وہ خدا کی محبت میں ہے۔

سوال: اس کا ایک logical (منطقی) سوال ہے کہ کیا آپکے ہاں خاص طور پر تسبیح ہی سارے دین کا متبادل نہیں بن گئی مثلاً یہاں پر تقریباً میرے خیال میں شاید نوے فیصد لوگ کم از کم تسبیح کرنے والے ہونگے لیکن ظہر کی نماز کا اس طرح اہتمام نہیں تھا جس طرح مسلمان اپنے اجتماع میں اہتمام کرتے ہیں تو میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا تسبیح پر اتنا زیادہ over stress (زیادہ زور) نہیں ہے کہ وہ سارے دین کا متبادل بن گئی ہے؟

جواب: نہیں! ایسا تو بالکل نہیں ہے بلکہ آپ سے چھپ کر میں نماز پڑھنے گیا تھا مسئلہ یہ ہے کہ convenience (آسانی) پر میں اور آپ یقین رکھتے ہیں اور شریعت کی کوئی بات بہتر سے بہتر سوچ سے بھی cancel (منقطع) نہیں ہوتی۔ ایک قاعدہ ہے، ایک قانون ہے، وہ چیزیں آپ کے ذہنی ترفع سے، کمی بیشی سے خدا کے کسی حکم پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ جیسے حضور ﷺ کی حدیث میں نے quote کی تھی کہ بار بار نصیحت نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ اکتا جائیں تو individually (فرداً فرداً) تو میں ہر فرد و بشر کو یہ کہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ (نماز کی پابندی کے بارے میں) مگر میں اتنا سخت نہیں ہوں کہ میں ایک لٹھ لے کے اُن کے پیچھے پڑ جاؤں۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ لوگ میرا خیال یہ ہے کہ قلبی و ذہنی طور پر سارے ہی نماز پڑھنے والے تھے مگر کچھ situation اور problems (حالات و مسائل) میں ایسے پڑ گئے کہ کچھ لوگوں نے نہیں پڑھی یا کچھ لوگوں نے زیادہ تگ و دو نہیں کی نماز کیلئے۔ اس کیلئے میں اُن کی جگہ معذرت خواہ ہوں۔ وہ اپنی جگہ معذرت خواہ ہیں۔

سوال: محمد اشفاق صاحب نے سوال کیا ہے کہ میرا سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ نفاق حضور رسالت مآب ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھا اور اسکے بعد ختم ہو گیا اور آج کے دور میں کوئی مسلمان

اورکافر ہوسکتا ہےمگر منافق نہیں ہوسکتا تو کیسے پہچان ہوسکتی ہے کہ مسلمان کون ہےاورکافر کون ہے کیونکہ آج کے زمانے میں بہت فرقے اپنے آپ کومسلمان کہلواتے ہیں؟

جواب: دراصل میں نے یہ قولِ رسول ﷺ quote نہیں کیا تھا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ حضرت حذیفہؓ نے کہا ہےتو پھر درجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے نسبت ہےمگر اسکے ساتھ ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ کی بھی ایک حدیث موجود ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تھےتو ہم محفوظ تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے جانے کے بعد ہم اصحاب کو سب سے زیادہ خوف نفاق سے ہےتو میں اُس وقت یہ عرض کر رہا تھا کہ نفاق اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی عقیدے اور belief پر questions (سوالات) پیدا ہونے شروع ہو جائیں اور اُس پر trust (اعتماد) کرنے کی بجائے اُس پر sceptical mind, (متشکک ذہن) اعتراض کریں اور اُسکا جواب نہ ملےتو mostly ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جتنے بھی علمائے مذہب اور دانشور ہیں اگر ان کو ایک question, techincal (فنی سوال) کر دیا جائے تو شاید وہ جواب نہیں دے سکتے مگر وہ بضد ہیں کہ وہ صحیح ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ بضد ہیں کہ وہ صحیح ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ مجھے اس کا جواب نہیں آتا یا ہم سے بہتر عالم کو مانو۔ اب ایک مسئلہ یہ ہوسکتا ہے کہ بہتر عالم بریلوی ہو، بہتر عالم دیوبند کا ہو، بہتر عالم اہلِ حدیث کا ہو مگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ کسی کیفیت علم میں مجھ سے کسی دوسرے شخص کا علم زیادہ ہے، وہ اُسکو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ زوالِ علمیہ جو ہے یہ سب سے بڑی کوفت کا باعث ہے اور اسی کی وجہ سے بہت سارے problems create, (مسائل رونما) ہوتے ہیں۔

سوال: جزا وسزا کا ایک دن معین ہےجس دن اللہ تعالیٰ جنت ودوزخ میں جانے والوں کا فیصلہ فرمائیں گے۔ عذابِ قبر کی جو صورت بیان کی جاتی ہےوہ بھی سزا کی ایک صورت ہےجبکہ یہ سزا اُس یوم الدین سے قبل شروع ہوجاتی ہے۔ براہ کرم میرے ناقص ذہن کی رہنمائی کریں۔

جواب: حضرات! بہت مرتبہ ان سوالوں کا میں نے آپ کو جواب دیا کہ عذابِ قبر اس کیفیت کا نام ہے جو عذاب کے احساس سے ہم محسوس کرتے ہیں۔ جب ایک شخص انکار واقرار کے مرحلے سے گزرے گا تو اُسکے سامنے سے جنت ودوزخ کے عذاب اٹھائے جائیں گے کیونکہ قبر میں پہلی مرتبہ انسان اپنی پوری صحت وسلامتی میں اٹھایا جاتا ہے۔ جب اُس سے سوال کیا جاتا ہے اور وہ confuse (بےچین) نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے سوال وجواب میں فیل یا کامیاب ہوتا ہےتو اس کے مطابق اس pattern (انداز) کو جو اُسکی سزا ہےیا جزا ہے، اُسکو واشگاف طور پر بتا

دیا جاتا ہے کہ یہ تیرا انجام ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ حدیث رسول ﷺ یہ کہتی ہے کہ کافر یہ آرزو کرے گا کہ قیامت کبھی نہ آئے کیونکہ جو عذاب اس وقت ذہنی طور پر اس کو ہے وہ بہت کم ہے اُس عذاب سے جو قیامت کے بعد اُسے ملے گا۔ اسی طرح مومن یہ آرزو کرے گا کہ قیامت جلد آئے اور میں اپنے مقام تک پہنچوں۔ تمام تر احادیث اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ practical عذاب نہیں ہے۔ یہ بالکل اُس طرح ہے کہ جب رات گئے دستک ہو اور کوئی کانسٹیبل آپ کو یاد کرے اور کہے کہ صبح آپ کو تھانے میں بلایا ہے اور صبح تو بڑی مشکل سے آپ پر چڑھے گی اور ہو سکتا ہے کہ آپ وہاں جائیں اور آپ کو تھانیدار صاحب یہ کہیں کہ حضور آپ کا ایک پیغام آیا تھا، ایس پی صاحب کی طرف سے وہ پہنچانا تھا مگر جب تک آپ کو حقیقتِ حال کا علم نہیں ہوگا اُس وقت تک جو آپ پر کیفیت گزرے گی وہی عذاب قبر ہوگا۔

سوال: یہ بڑی ضخیم کتابیں ہیں جن میں بدن پر گرز پڑیں گے، سانپ ہونگے، بچھو ہونگے اور مختلف طرح کے عذاب قبر کے mention (بیان) کیے گئے ہیں پھر کیا اس طرح کی چیزیں قابلِ بھروسہ نہیں ہیں یا نا قابلِ اعتبار ہیں۔

جواب: مثال کے طور پر اگر آپ احساس میں ان کیفیات کو لینا چاہیں تو کچھ احادیث اس بارے میں بھی ہیں۔ یہ جو لوگوں نے لکھی ہیں وہ ساری غلط باتیں نہیں ہیں، مگر جیسے موت کا منظر ہے، میں کم از کم اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق دینے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ لوگوں کو ڈرائیں۔ اسلئے کہ میرا خیال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور اصحاب کے بعد کسی کو یہ پتہ نہیں کہ وہ ڈرائے گئے لوگوں میں ہیں یا بخشے گئے لوگوں میں ہیں اسلیئے بعد میں کسی کا حق نہیں بنتا کہ وہ مخلوق خدا کو ان چیزوں سے ڈرائیں بلکہ امت کا حق بشارت کا ہے کہ حضور گرامی مرتبت ﷺ نے جو اچھی اور بہتر خبریں دی ہیں۔ فرض کیجیے کہ میں ایک شخص کو کہتا ہوں کہ تُو اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں جائے گا اور وہ مجھے جنت کے دروازے پر ہیلو ہیلو کرتا ملے کیونکہ میں دوسری طرف جا رہا ہونگا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی غیر مناسب بات ہوگی کہ میں ایک ایسی چیز سے لوگوں کو ڈراؤں جو میرا مقدر ہے اور اگر دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے بھی وہی باتیں ذکر کی ہیں، جو اللہ نے قرآن میں لکھیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو نہیں ڈرایا، انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو خوف نہیں دلایا بلکہ بے تحاشا بشارتیں دیں جو ہماری کتاب میں موجود ہیں ان میں سے ایک ابھی میں نے آپ کو سنائی۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کرم ہے کہ وہ ہم تک پہنچی۔

سوال: آپ بعد از موت قبر کی جو کیفیت بتاتے ہیں جس طرح سے سوال و جواب کی inquiry (جانچ) کا سلسلہ بتاتے ہیں اور بعض دوسری روایات میں بھی ہم سنتے ہیں۔ کیا بعد از موت ایک state of mind (ذہنی حالت) ہے یا ایک روح کی کیفیت ہے۔ یہ فرمائیں کہ یہ جو ہم تسبیحات کرتے ہیں ان سے اُس صحیح condition (حالت) کو حاصل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں نجات ہوگی اور انسان صحیح جواب دے سکے گا؟

جواب: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: ''اُس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا شخص موجود ہے''۔ اگر ایک آدمی کی تسبیح قیامت ٹال سکتی ہے تو individual کے اثرات پر یہ بہت ساری تکلیفیں بھی ٹال سکتی ہے۔ تو تسبیح الٰہی دراصل اللہ کی دوستی کا اعلان ہے اور دوست دوستوں سے اس بری طرح تو سلوک نہیں کرتے اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ قبر تک وہی آسان پہنچتا ہے جس کو اللہ پر اچھا گمان ہو اور میں تو صرف اپنی بات کہہ سکتا ہوں کہ آج تک مجھے قبر کا خیال اور دھیان صرف اسی لئے نہیں آیا کہ تسبیح الٰہی میں مصروفیت جو ہے وہ مجھے اس قسم کا خوف نہیں دیتی بلکہ اکثر میں شاید اپنے آپ کو بے حس انسان سمجھتا ہوں۔ میں اُس خوف کا احساس کرنا چاہتا ہوں جو عام بندے مجھے موت کا دیتے ہیں۔ But I'm never been able to feel anything about this. میرا خیال ہے کہ یہ تسبیح کا اثر ہے۔ اس لئے کہ تسبیح جو ہے اُس کا نتیجہ اللہ کی دوستی ہے اور اللہ کے دوستوں کو جو آواز اللہ نے دی ہے:

''اَلَا اِنَّ اَولِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوف'' عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُون''

(سن لو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہے نہ غم)

خوف و حزن سے آزاد بندہ ہی موت تک پہنچ سکتا ہے جس کے possessions (ملکیتیں) زیادہ ہیں، belongings (تعلق) زیادہ ہیں، جس کے قبضے میں زمین زیادہ ہے، جس کی دولت و جائیداد زیادہ ہے، وہ ذرا مشکل سے پہنچے گا۔

سوال: fourth dimension (چوتھی جہت) اور فقیروں کے احوال کے بارے میں کچھ بتادیں؟

جواب: صاحب! وہ کیا حافظ شیراز نے کہا تھا کہ

؎ ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہ وہ مرحلہ فکر ہے کہ ہزار نکتے بال سے باریک تر اس منزل پہ ملتے ہیں۔ ہر سر تراشنے والا قلندر تو نہیں بن سکتا)

فقیروں کے احوال تو بہت زیادہ ہیں اور اوّلین کائنات سے چلے آتے ہیں۔ کہیں "افلاطون" ہے کہیں "دیوجانس" ہے، پھر جب آپ دورِ تصوف تک آتے ہیں تو حسن بصریؒ ہیں، ذوالنون مصریؒ ہیں، حبیب عجمی ہیں پھر استادوں کے استاد جنید بغدادیؒ ہیں۔ پھر قطبِ عالم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں پھر میرے استاد و مرشد سید علی بن عثمان ہجویریؒ ہیں تو بات یہ ہے کہ پسند کی نوعیت اپنی اپنی ہے کہ آپ استاد کو کس لیے اختیار کرتے ہیں اور اُسکی کس ادا کو پسند کرتے ہیں۔ میں تو فقیروں کے ایک ہی حال کو جانتا ہوں کہ وہ علم میں سب سے درست اور کیفیت میں سب سے زیادہ موجود ہوتے ہیں۔

سوال: آپ نے کہا کہ حدیث شریف ہے کہ انسان کیلئے جو کچھ لکھ دیا گیا ہے فطری طور پر اُس کا رجحان اُسی طرف ہوگا۔ اس میں تو انسان بے بس نظر آتا ہے پھر گناہ پر اُس سے باز پُرس کیوں ہوگی؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ جو مسئلہ ہے کہ گناہ پر باز پرس کیوں ہو۔ یہ گناہ پر نہیں ہے۔ orders کی compliance پر ہے، گناہ تو ایک عمل ہے مگر جب آپ نے گناہ کیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ آپ نے خدا کی واضح ہدایت پڑھنے سننے کے بعد کیا یا کہیں اضطراب اور غلطی میں ہو گیا۔ جیسے پہلے میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ وہ تمام گناہ جو اللہ اور بندے کے درمیان ہیں اور جو اضطراب ہیں اُن میں بھی ہزاروں نیتیں ہیں اور آپ نہیں جانتے کہ خدا کس کو معاف کرے گا اور کس کو نہیں کرے گا۔ ہر گناہ کی سزا ابھی نہیں ہے مگر بعض نیکیوں کی سزا ضرور موجود ہے۔

سوال: صوفیائے کرام اصلاحِ احوال کیلئے وظائف بتاتے ہیں۔ اس دورِ پُر آشوب میں تو لوگ فرائض بمشکل پڑھتے ہیں پھر اُن پر مزید بوجھ ڈال دینا کیسا ہوگا؟

جواب: میں آپ کو اس دورِ آشوب کی بات سناؤں کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

سوال پڑھنے والے سے بھی پوچھ لیجئے کہ اس دورِ پُر آشوب میں آپ اتنی تسبیح کیسے کر لیتے ہیں؟

اصل میں جو چیز دل کو پسند آ جائے وہ ترک نہیں ہوتی اور تسبیح کو دل کی رغبت ہی ممکن بناتی ہے۔ Lacs of people are doing tasbih. (لاکھوں لوگ اب تسبیح کرنے والے ہیں۔) میں بڑا حیران ہوں مجھے اس زمانے میں جلا نظر آتی ہے۔ مجھے اس زمانے پہ اللہ کے رحم و کرم کا سایہ نظر آتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں لوگ اللہ کی یاد مسلسل کرتے ہیں اور میں یہ محسوس کرتا ہوں، ہو سکتا ہے کہ جیسے پروفیسر صاحب نے کہا کہ "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا) تو میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ نے کچھ لوگوں کو یاد کرنا شروع کر دیا ہے۔ پھر اُنھیں اکسایا کہ "بھائی میاں! میں اکیلا کہاں تک تمہیں یاد کروں گا۔ تھوڑا سا تو تم بھی کر لو۔" پھر ہم نے تھوڑا سا یاد کرنا شروع کیا۔ پھر اُس نے اور زیادہ یاد کرنا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے احباب و دوست ایسے ہیں جو مسلسل تسبیحات میں لگے رہتے ہیں اور حیرت کی بات ہے نہ وہ جنات میں سے ہوتے ہیں، نہ فرشتوں میں سے، وہ normal انسان ہوتے ہیں۔

سوال: جو روحیں عالم برزخ میں موجود ہیں اُن کے ساتھ اِس دنیا کے باشندوں کا کس قسم کا تعلق ہے کیا وہ اِس دنیا کے لوگوں سے communication کر سکتے ہیں اور اگر ہم کوئی عبادت اُن کی طرف سے کریں تو کیا اُس کا ثواب اُنھیں ملے گا؟

جواب: جی ہاں! ہم اُن کیلئے ثواب ضرور بخش سکتے ہیں۔ متعدد احادیث کی رو سے آپ اُن کو ثواب بخش سکتے ہیں، سب سے بڑی حدیث حضرت سعدؓ کی ہے۔ بخاری میں باب صدقات میں ہے۔ حضرت سعدؓ مدینے سے باہر تھے کہ اُن کی والدہ فوت ہو گئیں اور اُن کو دفنا دیا گیا۔ جب سعدؓ واپس آئے تو سیدھے رسول اکرم ﷺ کے پاس گئے اور فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی ماں کیلئے اگر کوئی خیرات کروں تو کیا اُس کا ثواب پہنچے گا"۔ فرمایا: نَعَمْ (ہاں) فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! گواہ رہیے کہ میں نے اپنا فلاں باغ اُن کیلئے صدقہ کر دیا"۔ صدقات میں سے سب سے بہترین صدقہ قرآن اور اللہ کی یاد ہے تو تسبیحات کا بھی یقیناً اُن کو ثواب پہنچتا ہے۔ باقی رہا رابطہ ......تو جیسے بعض جانوروں کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے جیسے حدیث میں آیا کہ مرغ فرشتہ دیکھ لیتا ہے یا کتا شیطان دیکھ لیتا ہے تو ہم میں بھی تھوڑے سارے جانور موجود ہیں۔ آپ کو بتایا تھا کہ genetic strength (جنیاتی طاقت) تو ایک ہی چل رہی ہے۔ تو کسی بھی انسان میں کوئی نہ کوئی hidden perception' (خفیہ ادراک) موجود ہوتی ہے جسے ہم 'perception' special (خصوصی ادراک) کہتے ہیں۔ اس خصوصی ادراک کا حامل شخص ارواح سے تعلق رکھ سکتا ہے اور special vision (خصوصی بصارت) اور special perception سے کوئی نہ کوئی ایسی کیفیت نظر آجاتی ہے۔

سوال: صرف چار رسول، شریعت اور کتاب الٰہی کے ساتھ ہیں۔ اگر بہتر عقل پر نبوت زمانے میں ملتی تو پھر رسالت کی کیا ضرورت تھی؟ کیا نبی اور رسول کیلئے بہتر عقل کا انتخاب نہیں کیا جاتا؟ صرف صاحب کتاب و شریعت کیوں؟

جواب: اصل میں بہتر عقل پر نبوت نہیں ملتی۔ صرف خالی عقل نہیں ہے بلکہ میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اپنے زمانے کا بہترین عاقل ہوتا ہے۔ نبوت کے ساتھ عقل ایک ضروری و اعلیٰ ترین form (حالت) کو پہنچی ہوئی صلاحیت ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک زمانے میں ایک نبی نہیں ہے تو بہترین عقل والے آدمی کو رسول بنا دیا جائے۔ دوسرا سوال کہ کیا نبی اور رسول کیلئے بہترین عقل کا انتخاب نہیں کیا جاتا؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کسی چیز کو ignore نہیں کیا جاتا۔ بہترین بندگی، رسالت، نبوت یہ سب ایک ہی انسان میں مجتمع ہوتی ہیں اور اُسے اس لیے بھی جمع کیا جاتا ہے کہ اُس نے کسی معاشرے کے مختلف النوع افراد کی ذہنی و قلبی تسکین کا باعث ہوا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کے پاس آنے والے دو بندے ذہنی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہوں مگر ایک نبی کے پاس پہنچ کے اُن کے اختلافات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ایک ہمہ جہتی عقل جو ایک پورے معاشرے کے مسائل کی وضاحت بھی رکھتی ہے اور دلیلِ خاص بھی رکھتی ہے، اس بنا پہ نبی اور عقل کا واسطہ لازمی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ ضروری وقت میں ایک eternal sequence of guidance (دائمی رہنمائی) اور information (معلومات) ہے جو اللہ کی طرف سے انہیں وحی کی صورت میں ملتی رہتی ہے۔

صرف چار صاحبِ کتاب و شریعت کیوں؟ میرا خیال یہ ہے کہ کچھ اور کتابیں بھی mention (بیان) ہوئی ہیں مگر جس ماحول میں، جس پس منظر میں قرآن حکیم آیا ہے...... جو لوگ Mesopotamia (میسوپوٹیمیا) یا Arabian peninsula (جزیرہ نما عرب) میں بستے تھے، اُن کے ہاں یہ کتابیں نئی نہ تھیں اور ان کی وضاحت اور reference (حوالے) اُن کیلئے قابلِ فہم تھی، اس لیے ان کا ذکر بحیثیت صاحبِ شریعت کیا گیا۔

سوال: شریعت کے مکمل اطلاق کیلئے جدیدیت کے کس پہلو کی تعلیم آپ ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب: صرف study of the universe (مطالعہ کائنات) کو...... جیسے میں نے کہا:

"اَلَّذِینَ یَذْکُرُونَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُودًا وَّ عَلٰی جُنُوبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُونَ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

(جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اور زمین و آسمانوں کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔)

زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرنا، اسباب کائنات کو ڈھونڈنا...... اُن میں آپ غور کریں تو تمام موجودہ سائنسی اور علمی حقائق موجود ہیں اور کوئی بھی ایسی چیز جدید دور میں علمی حیثیت میں ترک نہیں کی جا سکتی سوائے لادینی، گمراہی اور از خود تعبیر کردہ some socio, political ideas (چند سماجی، سیاسی نظریات) کے جو کسی بھی طریقے سے خدا اور رسول ﷺ سے مطابقت نہیں رکھتے۔ باقی تمام علوم کی وضاحت، اُن کا حصول اور اُن کیلئے جدوجہد کرنا عین اسلام ہے۔

سوال: آپ نے کہا کہ قرآن کو سمجھنے کیلئے فزکس اور sciences کا علم حاصل کریں اور ان کے بغیر قرآن کو صحیح سمجھا نہیں جا سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ خود قرآن میں فرماتا ہے کہ میں نے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: پڑھنے کیلئے، تلاوت کیلئے، غور کیلئے، ورنہ میرے جیسا عجمی، قرآن کی تلاوت نہ کر سکتا۔ ایک لفظ عربی کا یا ایک فقرہ بولنا بھی مجھے نہیں آتا، مگر میں قرآن بڑی آسانی سے پڑھتا ہوں تو قرآن کی تلاوت کرنا، پڑھنا یا اُس میں آسانی، یہ معجزہ، کتاب ہے۔ باقی رہا غور و فکر...... تو اسکے بغیر یہ یقینی بات ہے کہ اس کی آفاقی حیثیت کو آپ نہیں سمجھ سکتے یعنی اگر ایک بچہ قرآن ناظرہ پڑھتا ہے، ایک mature آدمی پڑھتا ہے، ایک فلسفی اور محقق پڑھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اُن کے اثرات مختلف ہوں گے۔

سوال: حدیث ہے کہ حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں اس حدیث پر روشنی ڈالیں۔

جواب: میرا خیال ہے کہ اس سے صحیح تر حدیث اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضورِ گرامی مرتبت ﷺ نسلی، genetics، عاداتی خصائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ایک خاندان ہے، ایک نسب ہے حضور ﷺ صاحبِ علم ہیں، ایک gene کی construction (تعمیر) ہے جو اُن کی بیٹی میں convert (منتقل) ہوا ہے بیٹی سے پھر جیسے حضرت حسنؑ حضور ﷺ سے مشابہ تھے اور پھر سب سے بڑھ کر محبت...... حسنؑ اور حسینؑ کیلئے حضور ﷺ نے فرمایا: جب منبر سے اترے تو

کہا: ''اللہ سچ کہتا ہے کہ اولاد میں فتنہ ہے''۔ اس کی محبت غالب آ جاتی ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ محبت کا ایک جملہ ہے جو کہ ہونا چاہیے۔ حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کو ان بچوں میں اپنے بچے بھی نظر آتے تھے۔ اسی لیے ان کو اپنا بیٹا کہا کرتے تھے اور پھر حضور ﷺ جو اتنے بڑے انسان ہیں کہ ان کو ہر بچے سے محبت ہے تو ان بچوں سے کتنا زیادہ انس ہو گا جو اُن کے اپنے ہیں۔ پھر اُن کو سیدہ فاطمہؓ سے بھی بڑا انس تھا۔ اُس نسبت سے بھی یہ بچے پیارے تھے، تو سب سے بڑھکر جناب علی کرم اللہ وجہہ سے اُن کو بڑا پیار تھا جیسے خیبر کے روز فرمایا کہ آج علم اُسکے ہاتھ میں دونگا جسکو خدا اور رسول ﷺ سے بڑی محبت ہے اور جس سے خدا اور رسول ﷺ کو بڑی محبت ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ بالکل جائز، واضح اور خوبصورت سا بیان ہے جس پر کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: سورۃ حشر میں ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں لیکن اس میں کفار اور مشرک بھی تو شامل ہیں۔

جواب: very tricky question (بہت پیچیدہ سوال ہے) اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایک ایسی exception (استثناء) قرار دیا ہے جو اللہ کی تسبیح نہیں کرتے۔ یہ جو کفار کو ظلم و ستم، زور و جبر، تنبیہہ و فہمائش ہے یہ صرف اسی لئے ہے کہ ان کو وہ exception قرار دیا ہے جو اللہ کی تسبیح نہیں کرتے اور اُن کو سمجھانے کیلئے کہا جا رہا ہے کہ زمین و آسمان میں شجر و حجر، پرند و چرند سب میری تسبیح کر رہے ہیں اور تم کم بختو، واحد ایسے ہو جو نہیں کرتے......

سوال: قرآن حکیم میں ہے کہ پہاڑ بادلوں کی طرح تیر رہے ہیں، دوسرے مقام پر ہے کہ پہاڑ زمین پر میخوں کی طرح نصب ہیں۔ قرآنی آیات میں یہ اختلاف کیوں ہے؟

جواب: بالکل اختلاف نہیں ہے۔ پہاڑ کا زمین پر گڑا ہونا اُسکی مستقل صلاحیت ہے اور زمین پر چلنا علیحدہ بات ہے۔ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ اصل میں زمین کے اندر جو مواد ہے اُسکی density (کثافت) 3.5 ہے اور زمین کے اُوپر جتنی بھی اشیاء ہیں اُن کی density 2.7 ہے اور تمام continents (براعظم) تیر رہے ہیں اور یہ continents اسلیئے تیر رہے ہیں کہ جس چیز پر یہ تیر رہے ہیں وہ ایک بڑا dense material (کثیف مادہ) ہے جو بہت آہستہ حرکت کرتا ہے۔ اگر وہ رقیق مادہ ہوتا تو اُس تیزی سے movement (حرکت) ہوتی کہ ہر چیز اکھڑ جاتی۔ اب پہاڑ کیسے پیدا ہوتے ہیں کہ جب دو continents (زمین کے ٹکڑے) آپس میں ٹکراتے ہیں تو ان کے کنارے جب ملتے ہیں تو اُس وقت جو گرد و غبار اُوپر اٹھتا ہے وہ پہاڑ

ہیں۔ یہ وہ material (مادہ) ہے جو بڑی دور تک اُوپر جاتا ہے، جو بڑے continents کے ٹکراؤ سے اُوپر اٹھتے ہیں وہ پہاڑ بنتے ہیں مگر اگر وہ صرف زمین کے اُوپر ہوں، تو وہ جھٹکے سے اوپر جائیں اور ٹوٹ پھوٹ جائیں تو خدا نے کہا کہ جتنے وہ اُوپر اٹھتے ہیں اتنے ہی زمین کو جاتے ہیں اور وہ زمین میں میخوں کی طرح گڑتے ہیں۔ اگر پہاڑ زمین کے اندر نہ جائیں تو پھر لفظ میخ اسکے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ وہ زمین کے مرکز جسے Mantle of the earth کہتے ہیں، وہاں تک پہنچتے ہیں جو انتہائی گاڑھے chemicals (کیمیائی مادے) لوہا، سیسہ وغیرہ سے بنا ہے۔ یہ پگھلی ہوئی دھاتوں کا center ہے۔ وہ اس میں جا کر گڑتے ہیں۔ یہ تو ہے کیلوں کی طرح گڑے ہونا اور بادلوں کی طرح تیرنا یہ ہے کہ پہاڑوں کی وہ movements (حرکات) ہیں اور یہ راز ہے کہ اگر زمین پر پہاڑ نہ چلتے اور کھڑے ہوتے تو اڑتالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی زمین پر یہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جاتے اور یہ ضرور قیامت کے دن ہوگا۔ پہاڑ بھی زمین کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے چل رہے ہیں۔ جب پہلا خلاباز فضا میں گیا تھا اور اُس نے اُوپر سے پہاڑوں کو دیکھا تو اُسنے یہ جملہ کہا کہ یہ بالکل قرآن کے لفظ کی تعبیر ہے کہ The mountains are running along the earth like multi coloured clouds. (پہاڑ زمین کے ساتھ گوناگوں رنگوں کے بادلوں کی طرح بھاگ رہے ہیں۔) قرآن میں بھی خدا نے کہا کہ "وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابُ" (نمل: ۸۸) (اور وہ چلتے ہیں بادل کی چال) سرمئی بادلوں کی طرح پہاڑ چل رہے ہیں۔ اُن لوگوں نے جب اوپر سے دیکھا تو یہی کہا کہ پہاڑ بالکل اسی طرح، سرمئی بادلوں کی طرح زمین کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے ہیں۔ اس نے قرآن کی اس آیت کی exact translation (حرف بہ حرف ترجمہ) کی اور دوسری movement یہ ہے کہ پہاڑ اندر سے بھی چلتے ہیں۔ ایک حرکت زمین کے ساتھ ہے اور ایک حرکت within themselves (ان کی اپنے ساتھ ہے) جو پانچ میل فی سال ہے اس رفتار سے پہاڑ سرکتے رہتے ہیں اور ابھی آپکی سب سے بڑی چوٹی اب سب سے بڑی نہیں رہی بلکہ اب اسکی جگہ نئی چوٹی بن گئی ہے۔ پہاڑوں کی حرکت سائنسی لحاظ سے ایک بہت بڑی سچائی ہے اور پہاڑوں کا زمین میں کیلوں کی طرح گڑا ہونا یہ بھی انتہائی scientific اصول پر قائم ہے۔

سوال: ''علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے''۔ حدیث ہے جبکہ علم تمام کا تمام مدینہ میں

موجود تھا۔

جواب: جی ہاں! ایک تو یہ محاورتاً ارشاد ہے کہ جہاں علم پاؤ خواہ کتنی دور دراز ہو، اُسکے لیے تگ و دو کرو، اُسے حاصل کرو، جیسے حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے ایک دفعہ کہا کہ میں نے ایک حدیث کے لئے تین ہزار میل کا سفر کیا۔ تو یہ ایک general tendency اور attitude (عام صلاحیت اور رویہ) ہے جسکی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین تک جانا پڑے۔ چین سے مراد دوری ہے کہ صحرائے عرب سے صحرائے گوبی تک کا فاصلہ ہی بڑا تھا اور اُس وقت دور ترین اور دور افتادہ ترین civilization (تہذیب) چین کو سمجھا جاتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث آپ کو بتاتی ہے کہ اصولِ علم تو مدینہ میں موجود تھے مگر اس کے علاوہ بھی کوئی صورتِ علم ہو سکتی ہے جسکی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا اور وہ "کائناتی اصول" ہیں، وہ technology ہے، وہ فنون ہیں وہ مہارتیں ہیں جیسے جنگِ بدر میں جب قیدی اسیر ہوئے اور زرِ فدیہ کا معاملہ آیا تو علم سے محبت رکھنے والے ہمارے رسول ﷺ نے فدیہ یہ قرار دیا کہ جو پڑھے لکھے قیدی ہیں وہ اَن پڑھ مسلمانوں کو پڑھائیں اور وہ کسی بھی قسم کا آرٹ ہو، کسی بھی قسم کا علم ہو اُس کا سیکھنا علم میں ہی آئیگا اگرچہ علم کی تمام غرض و غایت علومِ دینیہ ہے اور اعلیٰ ترین غرض و غایت "خدا کی شناخت" ہے۔

سوال: لائف انشورنس کا اسلام میں کیا concept ہے؟

جواب: پہلے تو آپ کو explain (واضح) کرنا پڑے گا کہ لائف انشورنس ہے کیا؟ اگر آپ لوگوں کی زندگیوں کو تحفظ دینے کیلئے اُن سے کچھ رقم لیتے ہیں اور اُسکے عوضانے میں ان کو ایک زندگی کا تحفظ offer (پیش) کرتے ہیں تو یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے کچھ لوگ اپنی زندگی کے تحفظ کیلئے ایک دن کے کھانے کی بجائے دس دن کا کھانا گھر ڈال لیتے ہوں اور اسلام اور مذہب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو اس طریقے کے خلاف ہو۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ پر کبھی تو فاقہ گذرتا "کبھی حدیث کے مطابق ایک سال کا غلہ ڈال لیا کرتے تھے۔ یہ future (مستقبل) کی فکر ہے اور انسان پیدا ہی future کی فکر سے ہوا۔ اسکے ذہن نے سوچنا ہی تب شروع کیا جب اُس نے مستقبل کی فکر کی اور اُس نے مختلف طور پر planning (منصوبہ بندی) کی، اپنے لیے اور اپنی اولاد کیلئے۔ پرانے تجربات کی بنیاد پر اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے تحفظات ایسے ہوں...... اس کے برعکس توکل کی راہیں ہیں جیسے حضرت عیسیٰؑ جب سفر پر جا رہے

تھے تو یوحنا اُن کے ساتھ تھے اور عیسیٰ نے پوچھا کہ یوحنا یہ تیری بغل میں کیا ہے، فرمایا، نبی اللہ دو روٹیاں ہیں۔ پوچھا کہ یہ دو کس لیے...... فرمایا، نبی اللہ ایک آج کیلئے ایک کل کیلئے حضرت عیسیٰ نے فرمایا: "یوحنا! تم نے توکل میں ہمیں پرندوں سے بھی نیچے گرادیا ہے۔ کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی دو وقت کا کھانا دیکھا ہے"۔ تو توکل میں ایک ترقی یہ ہے کہ آپ اسباب سے بے نیاز ہو جائیں مگر عمومی حالات میں، اعتدالی حالات میں اس قسم کے دعوے تو بے شمار ہیں اور لوگوں کو مصیبت ڈالی جا سکتی ہے۔ life insurance (بیمہ زندگی) کا particular (خاص طور پر) مطلب ہی یہی ہے کہ آپ کی زندگی کے کچھ imbalances (بے اعتدالیاں) اور کچھ خطرات balance (متوازن) ہو جائیں۔ If this is possible you can do it. (اگر ایسا ممکن ہو تو آپ یہ کر سکتے ہیں۔)

سوال: i۔ حضرت امام مہدی کا کردار احادیث کی روشنی میں واضح فرمائیں؟ ii۔ کیا دجّال ایک community ہے۔ ایک شخصیت ہے یا کوئی technology ہے؟

جواب: حضرت امام مہدی کا کردار تو شاید نہیں بیان کیا جا سکتا، یہ اُن کی personal (ذاتی) حیثیت ہے مگر عالمِ اسلام کے کسی نازک وقت پر جو کچھ انہوں نے کرنا ہے یا جو کچھ اُن کی اہمیت ہے، جو کچھ پہلے بتایا جا سکتا ہے وہ میں آپ کو ضرور بتا سکتا ہوں۔ دراصل بہت سی کتب احادیث میں جو تفصیلات ہیں وہ ہمیں صحاح ستہ کی دو صحیحین میں نہیں ملتیں اور بخاری میں صرف ایک حدیث ملتی ہے کہ زمانہ آخر میں مسلمانوں کے گروہ کا سردار ایک نیک آدمی ہوگا۔ پھر کچھ احادیث یہ add (اضافہ) کرتی ہیں کہ وہ آلِ رسول ﷺ میں سے ہونگے۔ کچھ احادیث مزید اہمیت ظاہر کرتی ہیں کہ اُن کا نام "محمد ابن عبداللہ" ہوگا۔ مگر دراصل قطع نظر اسکے کہ امام مہدی کون ہیں۔ حدیث وہی صحیح ہے جو بخاری کی ہے کہ:

"زمانہ آخر میں مسلمانوں کے گروہ کا سردار ایک نیک آدمی ہوگا"۔

کہ جو بجائے اسلام کیلئے لڑیں گے اور وہ بھی اس طرح کہ جب ایک بہت بڑی کشت و خون اور جنگ و جدل میں مسلمان بے سروپا اور بے یارو مددگار پھریں گے تو اُن میں سے کسی کو بھی یہ شبہ نہیں رہ جائے گا کہ ہمارا لیڈر کون ہو سکتا ہے اور کسی نہ کسی شخص پر وہ آسرا و توکل ضرور کریں گے۔

مہدیت کا concept (تصور) اتنا رواں اور اتنا probable (حقیقی) تھا کہ دونوں بڑے طبقات شیعہ و سنی میں گاہے بگاہے مہدی پیدا ہوتے رہے اور مہدیت کے دعوے

ہوتے رہے بلکہ ابھی تک اگر ہم غور کریں تو پہلے مہدی کے claim (دعوے) سے لے کر...... جون پور کے مہدی تک جو انڈیا میں ہوئے کم از کم بائیس اور تئیس لوگ مہدیت کے دعوے دار ہوئے۔ اگر یہ fixity ہوتی جیسے اثنا عشری میں belief ہے کہ امام آخر الزمان امام حسن عسکریؒ (امام مہدی) سر منڈائے غار میں داخل ہوئے اور اسکے بعد وہ غیاب میں چلے گئے اور زمانہ آخر میں اُن کا ظہور ہوگا۔ اسی تصور کی بناء پر بعد میں "بابیہ" اور "بہائیہ" نے مہدیت کا دعویٰ کیا اور امام غائب کے تصور پر اپنے آپ کو نقطۂ حضورِ حق قرار دے کر علی احمد باب نے مہدیت کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ سوڈان کے مہدی نے بھی اپنے آپ کو مہدی کہلوایا۔ "جون پور" کے مہدی نے اپنے آپ کو مہدی کہلوایا۔ کوئی بھی مسلمان، بڑا عالم یا دانشور جب اپنے آپ میں نہیں سماتا تو دو تین دعوے common (عام) ہیں جو وہ کرتا ہے۔ ایک مہدیت کا، دوسرے مجددیت کا اور تیسرے نبوت کا اور حالیہ ہماری یہ خرابی کافی دور تک جا چکی ہے اور لوگ براہ راست ہی خدا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ آپ کا دوسرا سوال ہے کہ کیا دجال ایک community ہے؟ دجال technology (ٹیکنالوجی) ہے۔ دجال community (قومیت) ہے۔ دجال سربراہ یا ایک انفرادی شخصیت بھی ہے اور تمام احادیث اور دوسری روایات جو حضرت دانیالؑ سے لے کر اب تک ہمیں ملتی ہیں وہ اس تصور سے مطابقت رکھتی ہیں مثلاً بائبل میں ہے کہ جبرئیلؑ نے حضرت دانیالؑ کو بتایا کہ دجال جو ہے یہ مملکت زر، بحیرہ بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قوم میں ہیں۔ اگر آپ ہلکا سا جائزہ لیں تو اس وقت تمام یورپی اقوام اور امریکہ پانیوں کے گرد آباد ہیں اور جس انداز میں وہ سوچ رہے ہیں وہ purely (خالصتاً) وہی ہے جو دجال کی سوچ ہے۔ اگر آپ یہ دیکھیں کہ دجال کے گدھے کے کان چالیس ہاتھ لمبے ہیں اور وہ فضاؤں میں بھی اڑتا ہے اور زمین پر بھی چل سکتا ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ aeroplane (ہوائی جہاز) سے بہتر یہ گدھا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر دجال کے بارے میں کہا جائے کہ اُسکو زندگی پر تصرف ہے۔ وہ جہاں چاہے بارش برسائے گا اور جہاں چاہے گا بارش نہیں برسے گی اور جب اُسکا کوئی انکار کرے گا تو وہ اُسے بھوکوں مارے گا۔ وہ روٹیوں کا پہاڑ لے کر چلے گا۔ اگر Role of the super power (بڑی طاقتوں کا کردار) جو اس وقت دنیا میں موجود ہیں آپ check (چیک) کریں تو بعینہٖ یہی ہے۔ اگر اپنا رویہ آپ دیکھیں تو عالم اسلام میں زیادہ تر عورتیں اور بچے اور نوجوان اس کی جنت کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ دجال جس کو کہے گا کہ میں تمہیں جنت دیتا

ہوں وہ دراصل دوزخ ہوگی اور جس کو وہ دوزخ بنائے گا وہ جنت ہوگی۔ اگر آپ اس وقت اپنے نوجوانوں کو اچھی طرح دیکھ لیں تو ایک جملہ زبان زدِ عام ہے اور وہ جملہ یہ ہے کہ "جنت تو یورپ میں ہے۔" میرا خیال یہ ہے کہ یہ فرد بھی ہے community (قوم) بھی ہے اور technology (ٹکنیک) بھی ہے کیونکہ دجال جس طاقت کے ذریعے اپنے آپ کو confirm (ثابت) کر رہا ہے وہ technology ہے۔

سوال: مسلمان عبادت بھی کر رہے ہیں، ذکر بھی کرتے ہیں، تسبیح بھی کرتے ہیں لیکن جو better off (آسودہ) ہیں وہ Europeans (یورپی) ہیں تو آج کے دور میں ایسے چند اعمال کونسے کیے جائیں جن سے ہماری دنیاوی اور اخروی زندگی بہتر ہو سکے؟

جواب: یہ سوال میرا خیال ہے ہر مسلمان کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے۔ عالمِ اسلام پر زوال عالمِ اسلام کی وجہ سے ہے۔ خدا کے مقابل خدا نے کبھی کسی کو غلبہ دیا نہ یہ ہو سکتا ہے مگر میں جب پست ہونے پر مصر ہوں گا تو مجھے کون روک سکتا ہے۔ جب آپکی اقوامِ اسلامیہ خدا کو ترک کرنے کے بعد اپنا خالق و مالک امریکہ کو سمجھیں گے تو پھر آپ انہیں کیسے روک سکتے ہیں؟ کونسا درس دیں گے اُن کو؟ اُن کے مذہب کی عملیت کے باوجود اگر آپ نگاہ ڈالیں تو ہمارے سمیت تمام اقوامِ اسلامیہ کسی نہ کسی مغربی یورپ کو خدا سمجھتی ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق کے طور پر رسوا رکھتا ہے بلکہ جب فتنہ تاتار آیا تو "خواجہ نجم الدین کبریٰ" اُس وقت زندہ تھے تو آپ نے کہا کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ ملائکہ آواز دے رہے تھے کہ اے کافرو! مارو ان منافق مسلمانوں کو......دوسرا سوال یہ کہ موجودہ دور میں کونسے چند ایسے اعمال ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کیلئے دنیاوی اور اخروی زندگی میں کامیابی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے؟ اعمال تو وہی ہیں۔ جو سب کے علم میں ہیں۔ نیت آپ کی اپنی اپنی ہے۔ اگر مذہب کی نیت خدا ہو جائے تو اعمال ایمان بن جاتے ہیں۔ اگر مذہب کی نیت خدا نہ ہو تو اعمال روز کی مشق بن جاتے ہیں اسکے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔

سوال: آپ نے اپنی تقریر میں E.S.P (extra sensory perception) حسی ادراک کا ذکر کیا تھا۔ کوئی ایسی تعلیم کیا قرآنی حوالے سے موجود ہے جس سے کہ انسان اپنی extra sensory perception بڑھا سکتا ہے؟

جواب: قرآن اور اسلام normally (معیاری حالت) کی تبلیغ کرتا ہے۔ ایک normal condition (عام حالت) میں اگر خدا کو آپ مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ایک ایسی فراست عطا کرتا ہے جس میں مبالغہ نہیں ہوتا اور تردید نہیں ہوتی۔ اسکے ساتھ ساتھ آپکو نبوت خالصہ کا چھیالیسواں حصہ عطا کیا جاتا ہے یعنی بشارت خواب عطا کی جاتی ہے۔

”فراستِ مومن سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے“ (حدیث)

میرے خیال میں قرآن ہوش و حواس اور اعتدال میں جو آپ کو پیش کرتا ہے وہ extra sensory perception (غیر معمولی حسی ادراک) سے بہتر ہے۔

سوال: حضور اکرم ﷺ کے کوئی بیٹے نہ تھے تو پھر آلِ رسول ﷺ کہنا کہاں تک جائز ہے؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ اگر آلِ رسول ﷺ پوری اُمت کو قرآن حکیم نے کہا ہے تو بھی زیادہ close (نزدیکی) کو بھی آلِ رسول ﷺ کہا جا سکتا ہے۔

”إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ“ (ال عمران ۳۳)

یہاں حضرت موسیٰ کی پوری قوم کو آلِ عمران کہا گیا ہے۔ اگر اُسکو آلِ عمران کہا جا سکتا ہے تو ہمیں بھی آلِ اسلام اور آلِ رسول ﷺ کہا جا سکتا ہے تو پھر ہم سے زیادہ وہ حقدار ہونگے جو نسبتاً بھی حضور گرامی مرتبت ﷺ کے زیادہ قریب ہونگے اسلئے میرا نہیں خیال کہ اس لفظ کا استعمال غلط ہے۔

سوال: بہت سے دوستوں کا سوال ہے۔ انہیں ایک مسئلہ ہے کسی صاحب سے جو کہ اپنے آپ کو دعوۃً امام مہدی کہتے ہیں اور انہوں نے بہت سی کتابیں بھی اس موضوع پر لکھی ہیں اس بارے میں وہ رہنمائی چاہتے ہیں کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

جواب: بہر حال اگر آپ لوگ تھوڑی سی میری suggestion (تجویز) مانیں تو میں آپ کو ایک صحیح ترین مشورہ دیتا ہوں کہ کسی دن زبردستی ان کو پکڑ کر psychologist (ماہر نفسیات) کے حوالے کر دیں ان کو بجلی کے shock (جھٹکے) لگوائیں اور ان کا psycho analysis (تحلیل نفسی) کرائیں۔ وہ شیزوفرینک ہیں اور پاگل آدمی ہیں اُن کا علاج کروائیں۔

سوال: ایک طرف تو اللہ یہ کہتا ہے کہ میری اجازت کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا اور دوسری طرف سزا و جزا میرے اعمال پر ہے۔ یہ مقدر ہے یا میرا اس میں کوئی role (کردار) ہے؟

جواب: دراصل یہ ایک بڑی طویل بحث کی طرف اشارہ کرتا ہے جو شائید بہت سارے مقامات

پر میں کر چکا ہوں مگر جزا و سزا نیات پر ہیں کیونکہ اعمال نیات سے ہیں اور جیسے بخاریؒ نے حدیث رسول ﷺ کو مرتب کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ بات واضح کی کہ تمام اعمال کی اپنے اپنے انداز میں پرکھ اُن نیات سے ہوگی جو آپ کے تن و باطن میں ہیں کہ: "اِنّـمَا الاَعـمَالُ بِالنِیَّات" اسی طرح اسی وجہ سے ایک آدمی بظاہر ہمیں بڑا بُرا لگتا ہے مگر اللہ اُس پر کوئی نوازش کرتا ہے۔ اسی طرح بہت ساری ایسی برائیاں ہیں جو ہم کسی انسان میں دیکھتے ہیں اور اُس سے نفرت کرتے ہیں اور اُسکو بیان بھی کرتے ہیں مگر ہمیں اُس خوبی کا پتہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے خدا اُسے بخش دیتا ہے اور اُس پر کرم فرماتا ہے اور یہ مشہور حدیث ہے کہ شیطان سب سے زیادہ ایک فاسق فیاض سے ڈرتا ہے، کہ چاہے وہ فاسق بھی ہو، مگر ایک فیاض اور generous آدمی ہو، اپنے کسی بھی موڑ میں کوئی ایسا احسان، ایسا کرم، ایسی نوازش کر جاتا ہے کہ کسی غریب کے دل سے نکلی ہوئی دُعا اُس کی بخشش کا سہارا بن جاتی ہے۔

سوال: شرک کے بارے میں وضاحت طلب ہے کہ اس کی تعریف کیا ہے؟ کیا اب بھی لوگ شرک کرتے ہیں جو کہ عظیم گناہ ہے؟

جواب: شرک تعلیم پر، علم پر ہے، ہوسکتا ہے کہ بہت بڑا شرک کم تعلیم بھی نہ کرے اور اگر وسیع پیمانے میں دیکھیں تو وہ شرک لگے۔ اگر آپ کسی ان پڑھ آدمی سے بھی پوچھیں کہ خدا کا کوئی شریک ہے تو وہ کہے گا کہ نہیں۔ مگر یہی بات جب کسی اور مختلف انداز سے کی جائے تو شاید اسکے جواب سے آپ کو شرک کی بو آئے جیسے ابنِ عباس نے کہا کہ کسی سے گلاس پانی کا مانگنا بھی شرک ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ مجھے پانی کا ایک گلاس پلا دے یہ بھی شرک ہے۔ یہ شرک خفی ہے مگر اس قسم کی بات کہنے والے کو شرک نہیں کہا گیا۔ اصل level (سطح) پر ایک واضح شرک تب مرتب ہوتا ہے جب خدا کو ایک مطلق العنان اور واحد source of power (طاقت کا سرچشمہ) نہ سمجھا جائے اور لوگوں کو اس میں داخل سمجھا جائے۔ اُسکی طاقتوں کو بانٹا جائے اور پھر اُن سے بھی ویسے ہی مدد طلب کی جائے جیسے خدا سے کی جاتی ہے تو ہم اس کو شرک کہیں گے جیسے christians کا یہ عقیدہ کہ father God اور روح القدس...... اور وہ دراصل روح القدس کو اور بیٹے کو اس کی الوہیت میں شریک سمجھتے ہیں اور اسی موقع پر اللہ میاں کہہ رہا ہے کہ اے بنی آدم تُو مجھے گالی دیتا ہے جب تُو یہ کہتا ہے کہ میرا کوئی بیٹا ہے۔ آج کل کے زمانے میں اگر سچ پوچھیں تو شرک خفی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ بعض اوقات اپنی خواہش اتنی طاقتور ہو جاتی ہے کہ اُس میں

جب آپ اللہ کی مرضی کو بھول جاتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے اور نفس خدا کا مخالف اور شریک بننے کی کوشش کرتا ہے تو پیروی نفس بھی شرک کے برابر ہوتی ہے مگر چونکہ ہم زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے اسلئے یہ شرک نہیں کہلاتا۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کسی متقی شخص کو امتحان میں ڈالتے ہیں تو کیا اس کا امتحان میں ڈالنا ضروری ہوتا ہے جبکہ ایسا شخص جو بُرا'' اور غلط کام کرتا ہے اس میں زیادہ خوشحال ہے جبکہ متقی شخص بعض انتہائی تنگدستی کے حالات سے گزرتا ہے اور وہ غلط انسان کا مقدر اپنے سے بہتر سمجھتا ہے؟

جواب: اصحاب کی مجلس لگی ہوئی تھی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ بخار کو مت برا کہو، بخار تمہارے گناہوں کا صدقہ ہے تو ایک شخص نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ بیماری کیا چیز ہے، میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا" تو حضور ﷺ نے کہا: "تم اُٹھ جاؤ میرے پاس سے۔ تم ہم میں سے نہیں ہو۔" تو غلط اور صحیح کی تخصیص اور judgement آپ کے پاس نہیں ہوتی۔ یہ معاملہ وہی جانتا ہے جو اندرونی تمام کیفیتوں کا واقف ہے اور خارجی تمام کیفیتوں کا واقف ہے۔ ہماری ان معاملات میں judgement سطحی اور خارجی ہوتی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی بھی case جو آپکی نظر میں ہوگا وہ ضروری نہیں کہ ویسے ہو جیسے آپ سمجھتے ہیں اور عبادت اور تقویٰ جو کچھ بھی آپ دیکھتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ اسکے پس منظر میں نیات بھی وہی ہوں جو آپ دیکھتے ہیں اور جو برائی اور بدترین کام آپ دیکھتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ ویسے ہی ہوں، کیونکہ اس میں علم کا تناقص ہے اور یہ بات ہر اُس شخص کو پتہ ہوتی ہے جسنے حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعات پڑھے ہیں کہ بعض اوقات Fourth dimentional intentions (چوتھی جہت کی نیت) اور واقعات کی ترتیب کچھ اور ہوتی ہے اور ہم اس سے کچھ اور مراد لیتے ہیں مگر یقیناً جو اچھا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں وہ نہ ہو۔ اس پس منظر میں منصور حلاج کے نعرہ "عین الحق" کی وضاحت کریں۔

جواب: اول تو "وحدت وجود" کا کوئی concept (تصور) منصور حلاج نہیں رکھتا تھا۔ "حسین بن منصور حلاج" کچھ عرصے کیلئے انڈیا آیا تھا اور یہاں اس نے ہندو جوگیوں سے یا ان کے فلسفیوں سے تھوڑی بہت وحدت وجود کے concept پر بحث کی تھی جس میں وہ پختہ کار نہیں تھا اس لئے یہ مثل مشہور ہے کہ وہ وحدت وجود میں "عین الحق" کہتا تھا مگر جو اسکے اپنے ہمعصر مؤرخ

ہیں "ابنِ ندیم" اور "ابنِ نصیر" وہ دونوں اس پر اچھی رائے نہیں دیتے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا فراڈ ہے۔ ابنِ ندیم تو یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنے پردے کے پیچھے تالاب بنایا ہوا تھا اور لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ہاتھ ڈال کر مچھلی نکال کے دکھاتا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو یہ ابھی آسمان کے سمندروں سے اتری ہے مگر جو اس کے اوپر واضح قسم کا case بنتا ہے وہ یہ کہ اس نے اپنے گھر میں خانہ کعبہ کا ایک image بنا رکھا تھا اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ تم اس کا چکر لگالو تو طوافِ کعبہ پورا ہو جائے گا۔ اولیاء اللہ نے اسکی تردید اس لئے نہیں کی کہ انہوں نے اس پر اعتبار نہیں کیا مگر تردید اسلیے نہیں کی کہ اسکی شاعری میں کچھ خوبصورت خیال توحید کے بارے میں موجود تھے مگر اس کو ہمیشہ ہی صوفیاء نے مشکوک قرار دیا۔ پرانے صوفیاء نے...... مگر میرے استادوں نے نہیں......

but i'm very sure the man was absolutely a top opportunist or a schezophrenic who went mad. اگر اُس نے اپنے آپ کو "عین الحق" کہہ دیا تو میرا نہیں خیال کہ ہم اُس پر زیادہ discussion کر سکتے ہیں بہر حال یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ وجود و شہود کے کسی مظاہرے میں تھا۔

سوال: کیا جتنے بھی نبی آئے وہ pre-planned (پہلے سے مرتب) تھے یا ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں نبوت ملی؟

جواب: بڑا ہی اچھا سوال ہے مگر ویسے تو تمام دنیا کی ترتیب پہلے سے مرتب کردہ ہے۔ قیامت تک ہر واقعہ pre-planned ہے بلکہ قیامت کیا اللہ تعالیٰ دنیا و مخلوق کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے سب کچھ لکھ کے فارغ ہو چکا ہے۔ pre-planned تو یہ ہے۔ اگر یہ pre-planned نہ ہو تو پروٹوکول میں فرق پڑ جائے اور معاملاتِ دنیا خراب ہو جائیں اور ہم اور آپ سب تباہ ہو جائیں، اسلئے کہ اللہ ہمارے پیشے ہمارے فکر ہمارا خیال plan کر کے نہ بھیجے، ہماری روٹی plan کر کے نہ بھیجے تو میرا خیال یہ ہے کہ دنیا ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ کیا نبوت ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے ملتی ہے؟ یہ بات بھی نہیں ہے۔ اللہ کی judgement (رائے) میں جو شخص اُسے بہتر نظر آیا، جو باقی لوگوں سے افضل و اعلیٰ سوچ کا اور خُلق کا نظر آیا انہیں نبوت عطا کی گئی۔ یہ پہلے سے ہی اُس کے خیال میں ہو سکتا ہے اور اس کو اسلئے pre-planned بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اسکی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ "یومِ میثاق" میں جب اللہ نے کہا کہ "اَلَستُ بِرَبِّکُم" تو ایک جماعت نے اُسے سب سے پہلے سجدہ کیا اور

یا انبیاء تھے۔

سوال: بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں اور قرآن میں ایسا ہے۔ جبکہ آج کی سائنس بہت سے ایسے عوامل بتا سکتی ہے مثلاً ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ تو کیا سائنس اور قرآن تضاد میں آجاتے ہیں؟

جواب: جی نہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ پورے قرآن، پوری کتاب اللہ بلکہ پچھلی تمام کتابیں بھی مسلسل ایک exception کی نشاندہی کرتی چلی آئی ہیں کہ ایک دور ایک عہد ایسا آئیگا جب ایک community یا ایک فرد دجل و فریب سے اپنی خدائی claim (دعویٰ) کرے گی اور اپنے آپ کو اعلیٰ و برتر سمجھے گی اور خدا کا بطلان کرے گی، اور وہ دجال ہوگی جیسے میں نے پہلے آپ کو حدیث سنائی کہ دجال کو نہ صرف یہ پتہ ہوگا کہ sonography (سونوگرافی) سے کیسے بچے کو جان لیتے ہیں بلکہ دجال genetic strength (جینیاتی طاقت) کے ذریعے ایک اور انسان پیدا کر سکے گا۔ دجال کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ موت کا gene کونسا ہے اور delay والا gene کونسا ہے۔ وہ اس پر بھی تو قابو پالے گا تو یہ تمام conditions (حالتیں) باطل ہو سکتی ہیں مگر اسکی اطلاع پہلے سے دجال کے فتنے میں دے دی گئی ہے۔

سوال: آندھی یا سورج گرہن یا چاند گرہن آجکل کی دنیا میں بڑی common practical (عام مشاہدہ کی) چیز سمجھی جاتی ہیں لیکن اس کیفیت میں رسول کریم ﷺ کا گھبرا جانا کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب: حضور گرامی مرتبت ﷺ چونکہ باخبر تھے اور قرآن حکیم یہ کہہ رہا تھا کہ بعض لوگوں پر اندھیروں کے عذاب بھیجے گئے۔ بعض لوگوں پر صاعقہ کا عذاب بھیجا گیا۔ چیخ و چنگھاڑ کا...... تو چونکہ ایک نبی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوتا ہے If there is one chance out of one thousand وہ اتنا حاکمیت الٰہیہ پر یقین رکھتا ہے کہ اگر ہزار میں سے ایک chance (موقع) بھی خوف کا ہو تو وہ ڈرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ چونکہ رسول کریم ﷺ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے تھے تو کبھی بھی اس بات کو Ignore (نظر انداز) نہیں کرتے تھے کہ اللہ کسی وقت بھی ناراض ہو۔ وہ ایک مکمل ارادہ، حاکمیت رکھتے ہوئے، کسی وقت بھی کسی کو ناگزیر نہ سمجھتے ہوئے اس کو تباہ کر سکتا ہے تو بذاتہٖ یہ عقیدہ ہی خوف ہے۔

سوال: موت کا وقت مقرر ہے جبکہ تاریخ میں بہت سی قومیں (سائنسی ترقی) scientific development کی وجہ سے اپنی average age (اوسط عمر) کو بڑھا چکی ہیں اس

ضمن میں آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: وہ شعر آپ نے نہیں سنا کہ

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

اب ذرا غور کیجئے تو موت دراصل وہ وقفہء حیات ہے جو خدا نے انسان کو اسلئے دیا کہ وہ according to his capacities (اپنی صلاحیتوں کے مطابق) ایک سوال کا جواب دے سکے۔ تو جو صبح میں نے آپ کو lecture (لیکچر) دیا ہے کہ دیکھئے ایک نتیجہ پر پہنچنے کیلئے تو کروڑ سال لگے اور شاید ایک اقرار خداوند کیلئے آپ کو ستر سال کی عمر لگ جائے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لمحہ آپکی زندگی کے سترھویں سال میں آئے اسلئے transition (گذارن) ایک گذرتے ہوئے دور اور عہد پر کبھی بھی final opinion (حتمی رائے) نہیں دی جاسکتی ہاں البتہ اگر آپ نیک ہوگئے ہوں اور خدا سے آپکو واقعی اُنس ہوگیا ہے اور آپکے اعمال میں کوئی کمی نہ رہی تو سمجھیں کہ آپ مرنے والے ہیں کیونکہ اُس کے بعد آپ کی تربیت کی کوئی ضرورت نہیں رہی آپ نے اپنا مسئلہ حل کیا اور چلتے بنے...... آپ کو شاید پتہ نہیں کہ لوگ کہتے تھے: "نیکوں کی عمر کم ہوتی ہے"۔ باقی پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا کیلئے یہ بعید نہیں کہ ایک انسان کی عمر بڑھادے اور صرف یہی نہیں بلکہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تو اس پوری دنیا کی عمر پانچ سو برس بڑھا سکتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو زندگی بڑھانا کسی قومی یا national سطح پر یا اسکے بہتر اعمال کی وجہ سے یا ان کی محنت کی وجہ سے خدا کیلئے کوئی بعید نہیں ہے۔ یورپین کی اوسط عمر اسّی اور آپ کی average عمر چالیس ہے تو یہی میں بار بار stress (زور) کر رہا ہوں کہ اگر ایک قوم باضابطہ اور ایک اچھے طریقے سے، خلق سے، انسانیت سے، مروّت سے، ایمانداری سے حرکت کر رہی ہے تو اللہ اُن کی عمروں میں اضافہ کرسکتا ہے۔ یہ کوئی problem (مسئلہ) نہیں ہے۔

سوال: سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 62 میں صابئین اور یہود و نصاریٰ کو بشارت دی گئی کہ ان کیلئے خوف اور حزن نہیں ہے اور مسلمانوں کیلئے بھی یہی ہے یعنی وہ جنت میں جانے کے حقدار ٹھہریں گے۔ ہمارا یہ تصور ہے کہ صرف مسلمان جائیں گے۔

جواب: جی ہاں! یہ قرآن میں آیت موجود ہے کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِیْنَ هَادُوا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ امَنْ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِم وَلاَ خَوفٌ عَلَيهِم وَلاَهُمْ يَحزَنُون"( ) مگر میرا خیال ہے کہ صائبین کہتے ہیں بدل جانے والوں کو...... جنہوں نے مذہب کو بدل دیا اسی طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے وقتوں میں اپنے اپنے دین کو تسلیم کیا، اپنے پیغمبر کی تصدیق کی تو ان کو ضرور یہ اجر ملے گا مگر اسلام آنے کے بعد جب اللہ نے یہ بالکل clear کر دیا کہ "اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلاَم" تو پھر کسی کا کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا اور یہ آیت بذاتِ خود یہ بتاتی ہے کہ یہ ساری بات ماضی پر جاری ہے کہ جیسے ماضی میں جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے تو خدا اُن کو اجر ضرور دیتا ہے مگر اسلام سے پہلے...... اسلام کے بعد اس قسم کا کوئی وعدہ اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا اسلئے کہ خداوند کریم نے واضح طور پر کہا کہ جو شخص اب میرے پاس دینِ اسلام کے سوا آئے گا "فَلاَ یُقبَلُ مِنهُ" تو میں اُسے قبول نہیں کرونگا اسلئے اسلام کے بعد کوئی صابی، کوئی یہودی، کوئی christian، برأت و عاشقی نہیں پا سکتا۔

سوال: دانش اور جبلت کے توازن کے بہترین درجے پر پہنچا کر اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بہترین تخلیق بنا دیا اور دین کو بھی مکمل فرما دیا یعنی دوسرے الفاظ میں دین کی تکمیل یہ ہے کہ دانش اور جبلت کا بہترین توازن ہو۔ اس حوالے سے غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کی آپ وضاحت فرمائیں۔ آپ اس کو کیا سمجھیں گے اور آپ اسکو کس طریقے سے رد کرتے ہیں؟

جواب: سچ پوچھیں تو میں اُسے بیمار سمجھتا ہوں۔ میں ایک چھوٹی سی عام سی بات بتاؤں! جیسے میں نے ابھی Jonathan Swift کے بارے میں آپ سے کہا تھا کہ اُس کا پیٹ خراب رہتا تھا۔ مرزا صاحب سے مجھے ہمدردی ہے۔ ساری عمر تو انہوں نے بیماری میں کاٹی اور ایک چیز diarrhoea syndrome (دائمی دست) ہوتی ہے کہ جس شخص کو مستقل diarrhoea (دست) رہتا ہو یا اُس شخص کو مستقل piles (بواسیر) رہتی ہوں تو وہ ایک helucinary syndrome کا شکار ہو جاتا ہے جس میں اسکو بڑے عجیب و غریب خواب، بڑی عجیب و غریب باتیں نظر آتی ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ اپنے زمانے میں مرزا صاحب کو کسی نے مناسب طریقے سے medically چیک نہیں کیا اور رہا یہ سوال کہ وہ کتنے قابل تھے یا عالم تھے۔ یہ بعد کی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اُن کی mental (ذہنی) صحت کو کسی صورت بھی establish (قائم) نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ He was a sick man and a sick man after all cannot be counted as a challenger to the Prophet.

سوال: سورۃ ال عمران آیت نمبر 113 میں ہے کہ اہلِ کتاب میں سب کے سب یکساں نہیں ہیں بلکہ اہلِ کتاب سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ خدا کے دین پر اس طرح ثابت قدم ہیں کہ راتوں کو خدا کی آیتیں پڑھتے ہیں اور برابر سجدہ کرتے ہیں۔ خدا اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور یہی لوگ تو نیک بندوں میں سے ہیں اور جو کچھ بھی نیکی کریں گے اُسکی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی۔ خدا پرہیز گاروں سے واقف ہے۔ یہ اہلِ کتاب کون لوگ ہیں؟

جواب: یہ اہلِ کتاب وہ ہیں جنہوں نے یہودی و نصرانی ہو کر شرک نہیں کیا۔ یہودیوں میں وہ لوگ جو حضرت عزیزؑ کو "ابن اللہ" کہتے ہیں وہ ان میں قطعاً شامل نہیں ہیں۔ اصل میں جب کتابیں آئیں جیسے زبور، تورات اور انجیل ہے تو جنہوں نے اپنے انبیاء کے مطابق کتابوں کے پیغام کو سمجھا اور شرک سے پرہیز کیا وہ تو اس آیت کے مستحق ہیں جیسے حواریون عیسیٰؑ ہیں، یوحنا ہیں، متی ہیں، مرقس ہیں، لوقا ہیں اور برنباس ہیں تو وہ لوگ تو یقیناً اس کے حقدار ہیں کہ وہ جنت کے ان مراحل میں سے گزریں اور ان کو انعام ملے مگر وہ لوگ جیسے سینٹ پال، جس کے بارے میں فریڈرک نیٹشے یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بدباطن یہودی تھا جس نے عیسائیت میں داخل ہو کر اُس کی جڑ اکھاڑ دی اور اُس میں ملحدانہ نظریات شامل کر دیئے۔ جیسے concept of Mary (تصورِ مریم) وغیرہ ہے اور بہت سے معتبر عیسائیوں کے اعلیٰ ترین طبقے بھی ان کو یعنی حضرت عیسیٰؑ کو son of God (خدا کا بیٹا) نہیں مانتے بلکہ میرا practical (عملی) تجربہ یہ ہے کہ جب میں امریکہ گیا تو بہت سے امریکیوں سے میری بات ہوئی تھی۔ Whether they consider him a son of God. They said no, we do not consider him a son of God, we just consider him a prophet. (آیا وہ انہیں خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم انہیں خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ ہم انہیں صرف ایک پیغمبر سمجھتے ہیں۔) مگر ایک آدھ گروپ ضرور ایسا ہے جیسے رومن کیتھولک ہیں، (Nastorians) نیسٹورین ہیں کہ جو آگے بڑھتے ہوئے اس قسم کے شرک سے کام لیتے ہیں تو اُنکے لیے یہ آیت کسی طور پر بھی نہیں ہے اور دوسرے یہ آیت اُن لوگوں کیلئے ہے کہ جنہوں نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے حضرت عیسیٰؑ کا توسط اختیار کیا پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے تو اُن کی وجہ سے اللہ کا

قرب تلاش کیا اور ان میں حضرت سلمان فارسیؓ جیسے لوگ بھی ہیں۔

سوال: قرآن مجید میں آتا ہے کہ "جب تیرے مالک نے جتلا دیا کہ وہ ضرور قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو حاکم کرے گا جو ان کو بڑی تکلیفیں دیتے رہیں گے۔(۷:۱۶۷) یہ تمہارے رب نے بتا دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ پر، قیامت کے دن تک کسی ایسے شخص کو مسلط کر دے گا جو انہیں دردناک عذاب دیتا رہے گا جبکہ موجودہ صورتحال اسکے برعکس نظر آ رہی ہے یہود و نصاریٰ بظاہر غالب نظر آ رہے ہیں، اسکی تشریح فرمائیں۔

جواب: دیکھئے عذاب سے مراد یہ نہیں ہے کہ چوبیس گھنٹے اور ہر وقت اُن کی مار پیٹ ہوتی رہے۔ عذاب سے مراد یہ ہے کہ اللہ میاں نے انہی کے بارے میں کہا کہ تم اگر لوٹ جاؤ گے تو میں لوٹ جاؤنگا۔ تم پلٹ آؤ گے تو میں پلٹ آؤنگا تو قوم یہود کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر تین بڑی قیامتوں کے عذاب کا وعدہ دیا اور وہ پوری ہو چکی ہیں اور ایک عذاب آخرین کا وعدہ دیا جو کہ شاید جلد ہی پوری ہونے والی ہے تو دراصل عذاب سے مراد شاید یہ نہیں ہے کہ اس میں چوبیس گھنٹے کا عذاب ہے بلکہ ایک قوم جب سرگردگی، عزت اور بلندی کیلئے جدوجہد کرتی ہے اور جب وہ عین اپنے مقامِ عزت پر پہنچتی ہے تو خدا ان کے گھروں کو برباد کر دیتا ہے، ان کے کنویں اجاڑ دیتا ہے۔ اُنکی عورتوں کو قید کرواتا ہے اور ان کے بچے قتل کرواتا ہے جیسے یہودیوں کے ساتھ ہمیشہ تاریخ میں ہوا۔ ایسا اُن کے ساتھ second world war (دوسری جنگ عظیم) میں ہوا کہ They were controlling the economy of Germany and Europe. جب وہ جرمنی اور یورپ کی معیشت کو کنٹرول کر رہے تھے تو ہٹلر اُن پر اچانک آگ کی طرح آن پڑا اور لاکھوں کروڑوں یہودیوں کو اُس نے تہہ و بالا کر دیا۔ اسی طرح بخت نصر کے زمانے میں ہوا "جسے بخوکدنذر" Cassidians بھی کہتے ہیں۔ بخوکدنذر کے بادشاہوں سے لیکر آج تک یہودیوں پر ہمیشہ یہ کیفیتیں گزرتی رہیں مگر کسی کیفیت کے گزرنے کیلئے بھی تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایک قوم کی حیثیت اختیار کریں۔ یعنی ایک یہودی کو اگر پاکستان میں مار دیا جائے تو اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ خدا نے اُسے عذاب دیا۔ کسی قوم کو عذاب دینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس قوم کو کسی صورت میں اکٹھا اور یکجا کیا جائے اور پھر اس سے نپٹا جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس مرتبہ اللہ نے یروشلم کو اُن کے عذاب کیلئے چنا ہے۔ اُن کو اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ اگر باز نہ آئے تو وہی ہوگا جو پہلے ہوتا رہا ہے۔

سوال: قرآن مجید میں ہے "قَالُوا اَتَجعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَ يَسفِكُ الدِّمَآءَ" جب فرشتوں نے انسان پر اعتراض کیا تھا کہ یہ زمین میں فساد پھیلائیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو فرشتوں کو اس کا علم کیسے تھا کہ انسان فسادی ہے یا فساد کرنے والے ہیں۔ اگر دنیا میں سب کچھ pre-planned (پہلے سے مرتب) ہے اور اللہ تعالیٰ پچاس ہزار سال پہلے سب کچھ لکھ کے فارغ ہو چکے ہیں تو پھر آج کل اللہ میاں کیا کرتے ہیں؟

جواب: اصل میں یہ سوال بڑا اچھا ہے آپکی غلط فہمی یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں صرف ایک ہی دنیا بنا کر اس کی مصیبت جھیل رہے ہیں مگر خداوند کریم اتنا بڑا خلاق عالم ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ میں America گیا تو میں نے وہاں کے senior professor of mathematics (حساب کے بڑے پروفیسر) سے کہا کہ قرآن جو نظریہ دیتا ہے۔ وہ seven universes (سات کائناتوں) کا ہے seven earths (سات زمینوں) کا نہیں ہے۔ seven earths اور seven universe کا ہے۔ And you believe in a single universe and a single earth. (اور تم صرف ایک زمین اور ایک کائنات کا یقین رکھتے ہو) تو وہ مجھے کہنے لگا کہ اب تو mathematics میں، quantum میں، relativity میں، options (گنجائش) اتنے open (واضح) ہو چکے ہیں کہ میں انکار نہیں کرونگا مگر ہمارے پاس ایسے کوئی ثبوت نہیں ہیں کہ universes میں اور بھی big bang (بڑے دھماکے) ہوئے ہیں کہ نہیں ہوئے۔ اس کے بعد میں نیویارک واپس آ گیا تو مجھے ایک بڑا تیز طرار چنگھاڑتا ہوا ٹیلی فون ملا تو اُسنے کہا کہ professor you could be right (پروفیسر! لگتا ہے کہ تم ٹھیک کہتے ہو) میں نے کہا: "کیسے؟" کہنے لگا کہ کل نے ایک نئے big bang کا سراغ لگایا اور ایسے لگتا ہے کہ یہ کسی پرانی کائنات کا دوسرا big bang ہے یا کسی نئی کائنات کے بننے کا big bang ہے خدا کہتا ہے کہ میں ہر روز نئی شان سے طلوع ہوتا ہوں۔

ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن ہم جہانِ جگر دیکھتے رہے

تو خدا کو کسی پل چین نہیں ہے۔ کوئی پل اُسکے آرام کا نہیں ہے۔ "لا تاخذہ سنۃ ولا نوم" اُس کا ہر روز ایک نئی تحقیق کا pattern ہے۔ ایک سوچنے والا مکمل دماغ، علم و حکمت کی متاع

ہے۔ اُسکے بارے میں اس بات سے اندازہ لگائیں کہ میں جو اپنی حماقتوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ایک چھوٹا سا انسان ہوں اور ایک منٹ کیلئے بھی میرا دماغ نہیں سوتا۔ اگر آپ کو پتہ ہو دماغ کی اندرونی کاروائی...... کہ آنکھیں سوتی ہیں مگر دماغ نہیں سوتا۔ یہ constant awakened, (مستقل بیدار) ہے۔ یہی ہمیں اُس خدا کی خبر دیتا ہے جو ایک پل بھی کسی چیز سے غافل نہیں۔ اگر میں نہیں سوتا، میرا دماغ نہیں سوتا تو وہ کیسے سوسکتا ہے۔

سوال: ہر سال شبِ قدر میں کیا ہوتا ہے؟

جواب: قدر پیمائش اور اندازے کو کہتے ہیں اور میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ خدا کو general scheme (عام سکیم) میں سے particular case, (خاص سکیم) جدا کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ general scheme, چل رہی ہوتی ہے اور اسکی judgement ہو رہی ہوتی ہے تو میں جبرئیل یہ بتاتا ہے کہ اس شخص میں ذرا زیادہ quality (اہلیت) ہے اللہ کی فہم و فراست کی تو پھر اللہ کے حکم سے جبرائیل امینؑ اُسے چھوتے ہیں اور وہ exceptional (غیر معمولی) قرار دیا جاتا ہے۔ اُسے باقی community (جماعت) سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اُس کو خصوصیت سے کوئی شرف عطا کیا جاتا ہے اور خدا کی محبت سے اُسے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ یہ exceptional cases (غیر معمولی واقعات) ہیں۔ شبِ قدر تو جماعتوں کو بہت کم نصیب ہوئی۔ بڑی مشکل سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بڑی community کو شبِ قدر نصیب ہوئی ہو بلکہ گاہے بگاہے خال خال کوئی ایک individual (فرد)، اس special choice (خاص چناؤ) کے تحت آجاتا ہے جو record سے باہر بھی ہوسکتا ہے اور پہلے سے record کے اندر بھی ہوسکتا ہے۔

سوال: Numrology یا پامسٹری کے علوم کا کیا مقام ہے اور شرع میں اسکی کیسی اجازت ہے؟

جواب: Numrology، پامسٹری اور astrology وغیرہ یہ ظن و تخمین کے علوم ہیں۔ تمام علوم سے انسان ناخنا یا دیکھ داکھ کے یا مثال سے ایک guess (اندازہ) لگاتا ہے کہ اگر یہ لائن، یہ ہاتھ اس قسم کا ہو تو اسکی nature (فطرت) یہ ہوسکتی ہے۔ ”اسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اور کہا کہ تم لوگ اٹکل پچو سے کام لیتے ہو۔ تم خراص ہو، تم اندازے لگاتے ہو اور تقدیر اس قسم کا اندازہ نہیں ہے اور اللہ اندازے نہیں لگاتا بلکہ ایک definitive plan (حتمی منصوبہ بندی) سے کام کرتا ہے۔ اس کے لئے تو کوئی ممانعت نہیں مگر جب آپ کسی شخص کو یہ کہیں گے کہ تُو اس

لیے بیمار ہے کہ تیرے ہاتھ کی لکیر میں تجھ پر مریخ حکمران ہے یا یہ حکمران ہے تو آپ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں اسلیئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بارش برسے اور کوئی شخص یہ کہے کہ یہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی تو اُس نے کفر کیا اور جس نے یہ کہا کہ یہ خدا کی وجہ سے ہوئی تو وہ ایمان والا ہے۔ اسلئے اگر آپ غور کریں تو astrology میں عموماً یہ لفظ کہا جاتا ہے کہ اس شخص پر فلاں ستارہ حاکم ہے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اقبال نے ٹھیک بات کہی تھی کہ

؎ ستارہ کیا تجھے افلاک کی خبر دے گا
جو خود فراخیِ افلاک میں ہے زارو زبوں

دراصل انسان سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہے۔ انسان اپنے ذہن سے ان چیزوں کو اہمیت دیتا ہے۔ انسان ان لائنوں کو اہمیت دیتا ہے اور ان کے معانی نکالتا ہے۔ یعنی انسان ہی ان کو اہمیت دیتا ہے اور انسان ہی اگر چاہے تو ان کی اہمیت ختم کرسکتا ہے۔

سوال: کچھ لوگ خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ بات کہاں تک ممکن ہے؟

جواب: عزیزِ گرامی! یہ بڑا tricky (پیچیدہ) سا سوال ہے۔ بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ under guilt conscious یا اپنے کسی احساسِ جرم کی خاطر اتنے heavy stress (شدید دباؤ) میں آتے ہیں کہ کسی بزرگ کو دیکھنے کو زیارتِ رسول ﷺ قرار دیتے ہیں مگر جیسے اُدھر حدیثِ رسول ﷺ موجود ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اُس نے گویا مجھے دیکھا اور ایک شیطان میری صورت پر خواب میں نہیں آسکتا۔ مگر مبالغہ اُس وقت ہوتا ہے کہ جب ایک شخص یا کسی بھی فرد کو یہ تصور سا اُٹھا کے لے جائے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے تو یا اسکی اپنی internal mistake (اندرونی غلطی) ہوتی ہے نہ یہ خواب کی ہوتی ہے نہ figure head کی ہوتی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اِس قسم کے کتنے cases ہمیں نظر آتے ہیں جو ذہنی طور پر اُلجھے ہوئے، احساسِ جرم کا شکار، مصیبتوں میں اُلجھے ہوئے لوگ اپنے مسائل سے نجات کیلئے کسی نہ کسی بزرگ کا دیدار ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی اپنی understanding' psychic (نفسیاتی سوچ) ہے کہ میں ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں تو psychology (نفسیات) میں ہم دیکھتے ہیں کہ پانچ یا چھ cases عام ہیں کہ under pressure (دباؤ کا شکار) اور مصیبت زدہ آدمی عموماً یہ دیکھتا ہے کہ میں آج اس مزار میں تھا۔

میں نے بڑی دور ایک مزار دیکھا ایک بزرگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اللہ بھلا کرے گا۔ دراصل یہ defence mechanism (مدافعانہ طریقہ کار) ہے جو انسان کی نفسیات اس کیلئے اختیار کرتی ہے اور اس mechanism کے حصول میں یہ ضروری نہیں کہ ہر بندہ جو یہ کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے تو اُس نے واقعی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ چونکہ خواب کا اپنا mechanism ہوتا ہے۔ understanding ہوتی ہے اور جب تک ایک باریک ترین سمجھ بوجھ کیساتھ اُس خواب کی تفصیل میں نہ جایا جائے اُس آدمی کی psychology (نفسیات) کی تفصیل میں نہ جایا جائے ہم قطعاً یہ یقین نہیں رکھتے کہ اُس نے اللہ کو دیکھا ہے۔ اگر حالات نارمل ہوں، معتدل ہوں اور ایک آدمی کو یہ خواب میں بشارت دی جائے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھے تو اُس پر یقیناً غور کیا جا سکتا ہے مگر ہر دعوے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ کم از کم میری زندگی میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو یہ دعوے کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ ہم نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ ان کے بارے میں میں سوچتا ہوں کہ اُن کی وہ حالت نہیں ہوتی نہ وہ اپنے کردار و اخلاق و ذہن سے اس calibre (اہلیت) کے ہوتے ہیں کہ اُن پر اس دعوے کی تصدیق ہو سکے۔

سوال: صحیح راستے پر چلنے کی طلب کوشش کرنے سے پیدا ہوتی ہے یا اللہ کی دین ہے؟

جواب: سچ پوچھئے تو approach (رسائی) سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک انسان صرف خواہش کرتا ہے کہ پروردگار مجھے ہدایت دے، مجھے اُن لوگوں کا ساتھ دے جن پر اُس نے انعام کیے تو میرا خیال یہ ہے کہ خدا" تا بہ درجی والا نہیں ہے کہ نوبت ''سلام'' تک نہ پہنچے وہ یقیناً اُس فرد کو اپنا راستہ دکھاتا ہے۔ اپنی محبت و خلوص کی راہیں دیتا ہے مگر یہ آپ پر depend کرتا ہے کہ بحیثیت انسان آپ اپنی زندگی میں کس شخص کو، کس شے کو معزز و محترم سمجھتے ہیں۔ اگر اللہ آپ کیلئے matter کرتا ہے۔ اگر اللہ آپ کے شعور میں کوئی حیثیت رکھتا ہے تو آپ یقین جانئے کہ اللہ آپ کو ضرور راہ ہدایت دیتا ہے۔

سوال: کیا تمام پیغمبر جزیرہ عرب پر ہی آئے یا اور علاقوں پر بھی بھیجے گئے؟

جواب: ہر جگہ، دنیا کے ہر مقام پر، جہاں جہاں communities (قومیں) آباد تھیں، جہاں جہاں قومیں مختلف زبانیں بولتی تھیں، اس زندگی کے تمام مظاہر و مقامات پر پیغمبر آئے۔ کسی قوم کو اُس وقت تک تباہ نہیں کیا گیا جب تک اُس پر پیغمبر نہیں آئے۔ "اِلاَّ بِلِسَانِ قَومِہٖ"

(مگر اُس قوم کی زبان میں) جیسے آپ موہنجو دڑو کو عذابِ الٰہی سے تباہ شدہ دیکھتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ موہنجو دڑو پر بھی کوئی prophet گزرے ہوں گے۔ اسی طرح ہڑپہ میں دیکھتے ہیں کہ ایک تہذیب تباہ شدہ ہے تو وہاں بھی کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور ہوں گے جیسے آپ نے دیکھا کہ اٹلی میں Mount Vesuvious اُگلا اور پوری کی پوری ایک civilization (تہذیب) تباہ ہو گئی۔ دنیا کے ہر کونے اور ہر تہذیب میں جہاں جہاں انسانوں کے گروہ آباد تھے اللہ نے انہیں تباہ کرنے سے پہلے پیغام دیا۔ تلقین دی اور اسکے بعد جب اُن کی نافرمانی کو record (ریکارڈ) کیا تو پھر انہیں تباہ کیا۔

سوال: اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مانگو اور میں دیتا ہوں تو پھر ہماری تمام دعائیں اللہ کیوں پوری نہیں کر دیتا؟

جواب: اس کا قرآن نے بڑا سادہ سا جواب دیا ہے "وَعَسَىٰ اَن تَكرَهُوا شَيئاً وَّهُوَ خَيرٌ لَّكُم" کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اس میں تمہارا فائدہ ہوتا ہے۔ تم اللہ سے وہ چیز نہیں مانگتے۔ بعض اوقات میرا فائدہ ہی میرے نقصان میں ہوتا ہے۔ آج صبح کی مثال لے لیجئے everybody was upset, every body was worried ہر آدمی پریشان تھا کہ آج سیشن نہیں ہوگا۔ ہر آدمی آسمان دیکھ رہا تھا۔ I have no worries. I went up there, I told myself. But you think I should be worried. I'm not worried. میں نے کہا کہ اگر آج session نہیں ہوتا تو ایک اچھی بات جو میرے ساتھ ہوگی کہ میں ایک طویل گفتگو سے بچ جاؤں گا اور میرے نزدیک میرا ایک مسئلہ ہے کہ جو کھانا میں نے احباب کیلئے پکایا ہے وہ ضائع نہ جائے۔ تو میری یہ خواہش تھی کہ اگر session نہ ہو اور بارش ہوتی رہے اور ہم زیادہ ٹھنڈا کر کے لوگوں کو کھلائیں گے تو اُن کو بھوک زیادہ لگی ہو گی۔ وہی واقعہ پیش آیا، بھوک اتنی لگی ہوئی تھی کہ ہجوم بھی ہو گیا اور suddenly جبلت غالب آ گئی۔ میرا خیال ہے کہ جبلت پر لیکچر دینے کا یہ اثر ہوا ہے۔ "وَعَسَىٰ اَن تَكرَهُوا شَيئاً وَّهُوَ خَيرٌ لَّكُم" (کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اس میں خیر ہوتی ہے) "وَعَسَىٰ اَن تُحِبُّوا شَيئاً وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُم" (کسی چیز سے تم محبت رکھتے ہو اور اس میں شر ہوتا ہے۔) "وَاللّٰهُ يَعلَمُ وَ اَنتُم لَا تَعلَمُونَ" (اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) زندگی میں سب سے بڑی خوشی کا مقام یہی ہے اور آپ کو اس کی خوشی ہونی چاہئے جیسے آپ ہر مسئلے

کیلئے کسی استاد سے رجوع کر سکتے ہیں۔ انسان کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ کائنات کا سب سے بڑا عالم اُس پر نظر رکھتا ہے۔ "وَاللّٰہُ یَعلَمُ وَ اَنتُم لا تَعلَمُون" کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے تم تو ہمیشہ وہ چیز طلب کرو گے جو وقتی طور پر خوش آئند ہے اور ہمیشہ اُس چیز سے پرہیز کرو گے جس میں ایک وعدہ اور امید افزا بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے کہ آگے چل کے کونسی چیز مفید ہے اور کونسی نہیں ہے اسلئے بہت سارے محبت کرنے والے نوجوانوں کو میں اکثر یہ نصیحت دیتا ہوں کہ اللہ میاں اسکے حق میں نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو کہہ چکا ہے کہ "وَعَسٰی اَن تُحِبُّوا شَیاءً وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُم"۔

سوال: کیا وحی صرف نبی پر نازل ہوتی ہے یا دیگر انسانوں پر بھی جبکہ قرآن تو چیونٹی اور مکھی پر بھی وحی کا ذکر کرتا ہے؟

جواب: وحی کا مطلب ہے، سریع الاثر پیغام رسانی۔ یہ special frequency (خاص فریکوئنسی) کا نام ہے کہ انتہائی برق رفتاری سے message convey (پیغام پہنچانا) کرنا۔ یہ وحی کا مطلب ہے۔ اب اُس message میں لفظ بھی ہو سکتا ہے اور general catagory of message (پیغام کی کوئی عام قسم) بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ اپنی طرف سے تو کسی کو بھی وحی کر سکتا ہے مگر وہ وحی جو فرشتوں سے مخصوص تھی یا جو کتاب سے مخصوص تھی اب دوبارہ زمین پر نہیں ہوتی۔ اب بھی اللہ شاید ہر روز کئی اشیا کو وحی کرتا ہوگا مگر انسانوں کو وحی نہیں ہو سکتی۔ وہ chapter close (باب بند) کر دیا گیا message of God (خدا کے پیغام) کے توسط سے کسی قسم کی وحی کا chapter (باب) ختم کر دیا گیا اور "خاتم النبیین" کی حیثیت اسی لیے ہے اور نبی کا وجود اسی لئے ہے کہ اُسے غیب کی خبر کسی نہ کسی source (ذریعے) سے دی جاتی ہے اور وہ خبر دی جاتی ہے جو اسکے علم اور معلومات میں نہیں ہوتی۔ وحی اُس source of knowledge (علم کے ذریعے) کو کہتے ہیں جو انتہائی خفیہ طریقے سے اور سرعت کے ساتھ کسی کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہ frequency اب اللہ میاں نے withdraw (ختم) کر دی۔ یعنی ایک خاص frequency پر خدا اپنے پیغمبر سے کلام کیا کرتا تھا اور اس frequency کی مثال یہ ہے کہ جیسے چٹانوں پر پتھروں کی زنجیر رگڑنے سے آواز آتی ہے، ایسے آواز آتی تھی اور فرشتوں کے دل دہل جاتے تھے۔ اب اس frequency پر اللہ بات نہیں کرتا۔ اب کوئی اور frequency ہے۔ مثال کے طور پر جب میں کہتا ہوں کہ تسبیح سے ہم dial کرتے رہتے

ہیں۔ And somewhere some may touch that frequency (اور کہیں پر کوئی اُس فریکوئنسی کو چھو لیتا ہے) اور خدا بھی pick up (وصول) کر لیتا ہے۔ He says, hello how are you! my man (وہ کہتا ہے تم کیسے ہو اے میرے بندے!)

سوال: کیا رسولِ پاک ﷺ کا فیض بالکل اسی طرح جیسا صحابہ کرامؓ تک براہِ راست پہنچتا تھا ہم تک پہنچ رہا ہے؟

جواب: سچی بات پوچھیے تو اُن سے زیادہ پہنچ رہا ہے۔ اصحابِ رسول ﷺ کو جو فیض پہنچا تھا اُن سے زیادہ ہمیں پہنچا ہے۔ ہمیں یہ رعایت شامل ہو گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فراق بھی ہمیں پہنچا ہے اور جدائی بھی پہنچتی ہے۔ اپنی محرومی کا یہ احساس بھی پہنچتا ہے کہ اے کاش! ہم بھی مدینے کی کسی نکڑ میں اُس زمانے میں کھڑے ہوتے اور نبی مرسل ﷺ کو گزرتے ہوئے دیکھ پاتے۔ اس لیے میرا خیال ہے میرا یقین ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ پر جو رحمت کی چھاؤں تنی ہوئی تھی اور حضورِ گرامی مرتبت ﷺ نے اس کا اظہار بھی کیا۔ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اصحاب خوفزدہ ہو گئے کہ شاید ہم سے کوئی گستاخی ہوئی۔ پوچھا گیا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم سے کیا گستاخی ہوئی؟" فرمایا: "نہیں، میرے آنسو اُن لوگوں کی یاد میں آ گئے جو میرے بہت بعد آئیں گے۔ جنھوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا۔ جنھوں نے مجھے سنا نہ ہوگا اور وہ میرے بارے میں ذاتی طور پر کچھ نہ جانتے ہوں گے مگر مجھ پہ تمہاری طرح ایمان لائیں گے اور تمہاری طرح مجھ سے محبت رکھیں گے۔" خدا کے فضل و کرم سے اُن کے اُن آنسوؤں کی برکتیں ہم تک پہنچتی ہیں۔ وہ درد جو ہمارے پیغمبر کے دل میں ہمارے لیے پیدا ہوا وہ ہمارے دلوں میں بھی اُن کیلئے پیدا ہوتا ہے۔ آیت تو وہی ہوگی: "فَاذْکُرُونِی اَذْکُرْکُم" اگر اللہ کو یاد کرو تو اللہ جواب دیتا ہے اسی طرح اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو یاد کرو گے تو وہ بھی جواب دیتے رہیں گے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

حدیث رسول ﷺ تحقیق جدید کے تناظر میں

اَعُوذُ بِااللهِ السَّمِیعِ العَلِیم مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ
لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْن ○ وَسَلامٌ عَلَی الْمُرسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ○

خواتین وحضرات! یہ موضوع میرے لیے بہت ضروری تھا، بہت مدتوں سے خواہش تھی کہ بہت سارے لوگوں کے درمیان حدیث کی حیثیت پر بات کروں۔ بہت سارے جدت پرست ذہن حدیث کو غیر ضروری سمجھنا شروع ہو گئے تھے اور حدیث پر غیر ضروری کلام ہو رہا تھا اس لئے ضروری تھا کہ آپ کو بتایا جائے کہ حدیث کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے۔

بسا اوقات مدتوں کتاب پڑھنے سے وہ علم اور معلومات حاصل نہیں ہوتیں جو فوری طور پر بات کہنے سے، بات سمجھ میں آ جاتی ہے مگر اس سے پہلے میں یہ ضرور کہوں گا کہ بہت عرصہ دیر کی وجہ یہ ہوئی کہ مجھے جرأت کلام نہ تھی۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ کے بارے میں گستاخی کا انجام تو سب ہی کو معلوم ہے مگر بسا اوقات ان کی شان میں، ان کی حمایت اور تعریف و توصیف میں بھی کلام کرنے میں انسانی زبان کی ایسی لغزشیں وارد ہوتی ہیں کہ اگرچہ بظاہر چاہے وہ عقیدت کا کتنا بڑا مظاہرہ ہی کیوں نہ ہو انسان کو انجام کی کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب

کچھ لوگ اونچی آواز میں حضور ﷺ سے بات کرتے تھے تو قرآن میں کلام آگیا کہ ایسا نہ ہو کہ اس انداز میں حضور ﷺ کے بارے میں بات کرنے سے تمہارے تمام اعمالِ دین و دنیا غارت کر دیئے جائیں اور ایسا نہ ہو کہ آپ جہنم کے سزاوار ہو جائیں۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُو الاَتَر فَعُوا اَصوَاتَکُم فَوقَ صَوتِ النَّبِیِّ وَلاَ تَجھَرُوالَهٗ بِالقَولِ کَجَھرِ بَعضِکُم لِبَعضٍ اَن تَحبَطَ اَعمَالُکُم وَاَنتُم لاَ تَشعُرُونَ" (۴۹:۲)

اہلِ فہمائش و تنبیہ ایک بڑا پیارا مشہور فارسی کا قول پڑھتے ہیں کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

کہ اللہ کے حضور جو چاہو کہہ لو۔ اسنے آپ کو بنایا ہے وہ آپ کی خرابی اور خوبی کو اتنی اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ اس کو کسی بھی قیمت پر حیران نہیں کر سکتے مگر جب ذکرِ رسول ﷺ ہو تو آپ کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ کوئی ایسی بات اللہ کے رسول ﷺ سے منسوب نہ ہو جس کا آپ کو یقین نہ ہو۔ کوئی ایسی گفتگو اور ایسی حدیث quote نہ کی جائے جس کی آپ کے پاس سند یافتہ شہادت نہ ہو۔ ایک عادت ہمارے ہاں بہت common نظر آتی ہے کہ جس چیز میں بھی ہمیں سہولت میسر ہو ہم بڑی آسانی سے اس کو حدیث کہہ لیتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی نہیں پتہ ہوتا کہ وہ کسی راہ چلتے کی کہاوت ہے یا کلامِ رسول ﷺ ہے۔ آج کے اس درس میں I will only highlight the sayings of Prophet. کہ وہ کیسے مرتب ہوئی ہے، کیسے ریکارڈ ہوئی ہے، اس پر کیسے کیسے امتحانات گزرے ہیں اور کس انداز کی اس کی اہمیتیں ہیں۔ یہ سب انشاءاللہ میں آج کی گفتگو میں آپ کو ضرور بتانے کی کوشش کروں گا۔

یہ جسارتِ کلام اسحار کے وقت اللہ سے مغفرت طلب کرنے والوں کیلئے ہے اور ان کیلئے جن کی زبانیں ذکرِ رسول ﷺ سے ہمیشہ معطر رہتی ہیں...... جن کی پیشانیاں مطلعِ انوار ہیں...... جن کے دل خلوص و وفا سے مہر و محبت سے معطر رہتے ہیں۔ اخلاص سے منور جن کی چشم ہائے نم آلود غمِ مصطفےٰ سے اور محبتِ مصطفےٰ سے جلا پاتی ہیں...... جو قلب و ذہن کی مکمل ہم آہنگی کے ساتھ خدائے بزرگ و برتر کے سایہء لازوال میں زندگی بسر کرتے ہیں، ...... جو ترجیحاتِ حیات میں محبتِ رسول ﷺ کو ہر جذبہ و آرزو سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

صبحِ کائنات ابھی افسردہ جمال تھی۔ جملہ تخلیقات ابھی مقاصدِ تخلیق سے نا آشنا تھے۔ صحرائے حیات ابھی قافلہء حیات کے نقشِ پا سے نا آشنا تھے۔ چشمہ ہائے آب نقشِ سراب تھے

تھے، شبنم وصالِ عارضِ گل کو ترستی تھی۔ نجومِ سیارگاں اپنے محوروں پر پریشان اور سرگرداں تھے۔ خشیتِ الٰہی سے ہر پہاڑ لرزاں لرزاں تھا۔ وجود آگہی کو ترس رہے تھے کہ محورِ کائنات میں ربِّ ذوالجلال کی صدائے کریم گونجی اور فرمایا کہ اے مخلوقات مجھ سے ڈرو نہیں، میں نے تمہیں پیدا کرنے سے پہلے ایک اصول اور ایک قانون اپنی ذات پر لاگو کرلیا ہے: "وَكَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ رَحْمَةً" میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں اپنی تمام مخلوقات اور موجودات پر رحمت کی نظر رکھوں گا، میں انہیں کسی عذاب سے آشنا نہیں کروں گا۔ اگر ان میں خوئے تسلیم و رضا ہوئی تو میرے ہاتھ سے کبھی رنج نہیں پائیں گے مگر شاید کائنات بالا سے اترتی ہوئی اس صدا پر ہمیں اعتبار نہ ہوتا تو ربِّ کریم نے ہمیں رحمتِ مجسم کا ایک وجود بخشا اور کہا کہ اگر تمہیں دور کے اشاروں پر اعتبار نہیں ہے تو میں وہ وجودِ محترم تمہاری تسلی کی خاطر تمہارے درمیان میں رکھ رہا ہوں: "وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" یہ جو میرے رسول میرے محمد ﷺ ہیں یہ نبی خاتم النبیین ہیں۔ ان کو میں نے تمہارے لئے رحمتِ عالم بنا کر بھیجا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ کو پیدا کرنے سے پہلے چالیس برس تک اللہ نے انہیں دو خصوصیات سے آشنا فرمایا۔ یہ دو خصوصیات کس لئے تھیں؟ یہ لوگوں کیلئے نہیں تھیں۔ اگر صداقت اور امانت کے ان کے القابات دیکھے جائیں تو وہ صادق تھے اور امین تھے مگر لوگوں کیلئے نہیں...... ایک بہت بڑی حکمتِ عالیہ کے تحت وہ صادق اور امین کہلوائے گئے۔

اس زمانے میں جب یقین و اعتماد کا ایک بہت بڑا بحران تھا اور قرآن کا نازل ہونا کائنات کا ایک بہت بڑا event (واقعہ) تھا۔ مگر وہ کس کی زبان سے ادا ہوتا؟ کون کہتا کہ یہ قرآن ہے اور اگر وہ نازل بھی ہو جاتا تو لوگ کس پر اعتبار کرتے، کس کی بات مانتے کہ یہ وحیٔ الٰہی ہے؟ صرف اس ایک بات کے لئے چالیس برس تک اللہ نے اپنے نبی کو صادق اور امین کہلوایا۔ صادق اس لئے کہلوایا کہ اس کی زبانِ مبارک سے مذاق میں بھی کبھی غلط بات نہیں نکلی۔ مزاحاً بھی کبھی رسول ﷺ نے ایسی بات نہیں کی۔ ایسا لمحہ حضور ﷺ کی زندگی میں نہیں گزرا، ایسی کوئی دلیل اور بات سرکارِ رسالتمآب ﷺ کی زندگی میں نہیں گزری جس میں کسی قسم کی غلط بیانی کا اشتباہ ہو حتیٰ کہ ابو جہل جیسے سخت ترین دشمن سے جب شریق بن اخنس نے پوچھا کہ محمد ﷺ کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ ہبل اور عزیٰ کی قسم ہے کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں۔ ان کے بدترین دشمنوں سے بھی اللہ نے اس صداقت کا اعتراف کروایا۔ ایک اور بات بھی بڑی ضروری تھی کہ رسول اللہ ﷺ اشیاء اور ذمہ داری کو پوری امانت سے ادا کر سکتے تھے یا نہیں کرتے تھے۔ امین اس

لیے کہلوایا کہ ان سے کبھی کوئی امانت ضائع نہیں ہوئی ۔ جتنا لوگوں کو محمد ﷺ کی امانت پر اعتبار تھا زمانے میں کسی پر بھی نہیں تھا ۔ جب قرآن کو بحیثیت امانت اتارا گیا اور رسول ﷺ کے سینے اور زبان پر اتارا گیا تو اللہ کو یہ پورا پورا یقین تھا اور خدا قرآن میں یہ فرماتا ہے کہ ہم اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں کہ یہ امانت کس جگہ قائم کی جائے گی اور اس نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ سینہ محمد ﷺ جیسا امین زمین و آسمان میں اور کوئی نہیں ہے ۔ جب قرآن اتر رہا تھا اور حضرت زینب کی بات آئی تھی تو ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ قرآن میں کوئی آیت چھپاتے تو وہ آیت ضرور چھپاتے جس میں انکو لے پالک کی طلاق یافتہ سے شادی کا حکم دیا گیا تھا مگر رسول اللہؐ نے ایسی کوئی بات نہیں چھپائی اسی لئے وہ صادق و امین تھے ۔

آج بہت سارے لوگ دعوی دار ہیں کہ حدیث کے بغیر قرآن لاگو ہے مگر حدیث کے بغیر سمجھ آنا تو بہت دور کی بات ہے ایک بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کو کیسے قرآن سمجھا جائے گا ۔ کون کہتا ہے کہ یہ قرآن ہے؟ مجھے کس نے آکر یہ بتایا کہ یہ قرآن ہے؟ ایک شخص محترم کی زبان سے دو لفظ نکلتے ہیں ۔ محمد رسول اللہ کی زبان سے دو لفظ نکلتے ہیں ۔ ایک ان کا اپنا ہے اور ایک قرآن ہے ۔ اس کے علاوہ اس دنیا و کائنات میں اور کون سی reason ہے جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ یہ قرآن ہے ۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایسی reason (وجہ) ہو تو مجھے ضرور بتائیں ۔ کیا کوئی غیر عربی جو عربی نہیں جانتا جس کو قرآن کا علم نہیں ہے جیسے میں اور آپ جن کا عربی سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیا ہم عربی کی فصاحت و بلاغت سے یہ سمجھیں گے کہ یہ قرآن ہے؟ کیا کوئی حبشی اپنی زبان کی معرفت سے یہ سمجھے گا کہ یہ قرآن ہے؟ قرآن کے قیام اور ثبوت کے لئے صرف ایک امین اور صادق کی آواز کافی ہے کہ یہ جو مجھے حکم آرہا ہے یہ اللہ کا ہے اور یہ جو میں بات کہہ رہا ہوں یہ میری اپنی ہے ۔ اس کے علاوہ زمین و آسمان میں قرآن کی صداقت پر ہمارے پاس اور کوئی ثبوت نہیں ہے ، یعنی بغیر قول رسولؐ اور بغیر حدیث رسول ﷺ قرآن کا اثبات ممکن ہی نہیں ہے پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو صرف قرآن کی آیات پڑھنے کے لئے بھیجا......؟ بہت مدتوں کی بات ہے کہ سیدنا ابراھیمؑ نے بیت اللہ کی اساس رکھتے ہوئے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر ایک دعا مانگی: "رَبَّنَا وَابعَث فِيهِم رَسُولاً مِّنهُم ......(۲ : ۱۲۹) (اے اللہ ان میں انہی میں سے ایک نبی بھیج) یہ تو ہوا قرآن کہ اے اللہ ان لوگوں میں انہی جیسا، انہی کی زبان میں انہی کی معاشرت میں سے ایک ایسا نبی بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے ...... "يَتلُوا عَلَيهِم

ایٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتَابَ وَالحِکمَۃَ "(۳:۱۶۴) اور انہیں علم وحکمت کی تعلیم دے، علم یعنی قرآن کی وضاحت بتائے اور حکمت یہ کہ اس کی execution (عمل) بتائے۔ اگر قرآن نے کہا کہ نماز پڑھو تو پیغمبر بتائے گا کہ کس طرح ہوتی ہے نماز؟ کتنے وقت ہوتی ہے؟ کتنے انداز ہوتے ہیں؟ اس کا طرزِ عمل کیا ہے؟ نہ صرف زبان سے بتائے گا، نہ صرف حدیث سے بتائے گا بلکہ کھڑا ہو کر بتائے گا کہ زیادہ ہلچل نہیں کرنی، نماز میں سکون وثبات چاہیے۔ خدا کے حضور کھڑے ہو کر کپڑے نہ بدلتے رہا کرو۔ اس قسم کی فضول حرکتیں مت کرو۔ نماز کے تقدس کو مجروح مت کرو۔ احتیاط والے انداز سے خدا کے حضور اسکی بندگی کا اعتراف کیا کرو۔ ایک آیت "وَاَقِـــــمَ الصَّلٰوۃَ" کے بیس فیصد کے عوض وہ آپ کو اسّی فیصد وضاحت دے رہا ہے اور یہ حدیث ہے۔ وقت اور دوران وقت کے ساتھ ساتھ دیکھنا یہ ہے کہ کیا حدیث کا معیار باقی پرانی کتابوں کی طرح ہے۔ یہ غلط ہے۔ باقی کتابوں کی حفاظت میں اور حدیث میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ زبور، انجیل اور باقی صحائف بخاری اور مسلم کی طرح ہیں۔ لوگ بڑے مذاق سے یہ بات کہتے ہیں کہ چھ لاکھ حدیثیں تھیں جی ...... جس میں سے چار ہزار بخاری نے لیں اور باقی غلط ہیں۔ ان سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر چھ لاکھ حدیثوں پر اتنے سخت اور کڑے معیارات لگے کہ لے دے کر صرف چار ہزار احادیث کو ان محدثین نے clear کیا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ چھ لاکھ احادیث میں بھی کوئی احادیث موجود ہوں ٹھیک اور صاف ستھری ...... مگر محدثین کے کڑے معیارات کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کسی قسم کی بھی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں دی ہے۔ انہوں نے صرف وہ احادیث pick (منتخب) کی ہیں جو ان کے مقرر کردہ معیارات پر پوری اتریں۔ ان کی standardization ان کے معیارات اتنے سخت تھے کہ کوئی مدتوں تک بھی ان معیارات کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج کا کوئی مؤرخ، کوئی سائنس دان، کوئی دانش ور، کوئی کتاب، کوئی تاریخی تذکرہ اگر روایت اور درایت کے ان اصولوں پر پرکھا جائے جس پر بخاری اور مسلم نے حدیث پرکھی ہے تو ایک آدمی بھی صداقت میں clear نہیں ہوتا اور ایک چیز کی authenticity (سند) بھی ثابت نہیں ہوتی۔ وہ معیار سائنسی بھی ہیں اور فکری بھی ہیں۔ ان معیارات کی سختی کا یہ عالم ہے کہ آج کا کوئی ایماندار ترین انسان بھی اس معیار پر پورا نہیں اترتا جس معیار پر وہ احادیث پرکھی گئیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ احادیث دو سو سال بعد جمع ہوئیں ......

خواتین و حضرات! کیا عجیب بات ہے کہ بہترین پیغام کو آگے بہترین انداز میں ڈھالنے کیلئے اللہ نے بہترین انداز اور انسان چنے۔ کلام اللہ کو وضاحت کیلئے، explanation کیلئے اللہ نے بہترین انسان کی صورت میں، قول و فعل اور کردار کی صورت میں متشکل کیا اور انسانوں کو عطا کیا۔ جب تک انسانوں کی یادداشت کام کرتی رہی وہ اقوال اور وہ افعال انسان تک سلامت پہنچے مگر جب دیکھا گیا کہ اہلِ عرب کی فصیح و اعلیٰ ترین campact ذہانت، بے حدو حساب memory اب لڑکھڑا جائے گی اور اب حدیث ذہن سے ذہن کو نہیں پہنچ سکتی تو پھر اللہ نے ان بے شمار معزز اور ہمارے سر کے تاج لوگوں کا انتخاب کیا جنہوں نے زندگیاں حدیث کیلئے مخصوص کر دیں اور قول رسول ﷺ کو زبان سے تحریر تک پہنچایا۔

خطبۃ الوداع کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تم لوگوں نے میرا پیغام سنا؟ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا، جو میرا کام تھا وہ میں نے پورا کر دیا ہے‘‘۔ لوگوں نے کہا: ’’یا رسول اللہ ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں‘‘۔ پھر کہا کہ یہ پیغام جو میں آج دے رہا ہوں جو تم میں حاضر ہوں اس پر شہادت دیں اور ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس وقت حاضر نہیں ہیں۔ خواتین و حضرات! یہ زبان کی ترسیل تھی، یہ تو وہ لوگ تھے جو اس وقت حاضر تھے یعنی حاضر لوگوں نے حاضر لوگوں تک پیغام پہنچایا تھا لیکن پھر ہمارا کیا بنتا؟ ہم کہاں جاتے......؟ ہم بھی تو آخر اسی شاخ سے پیوستہ تھے، اسی شجر کی ٹہنیاں تھے۔ اسی رحمتِ کریم کے طلب گار تھے تو ہم تک کیسے بات پہنچتی۔ اب وہ باتیں یادداشت سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پھر اللہ نے ان لوگوں کو پیدا کیا، ان مخلصین کو پیدا کیا، بے حد و حساب محنت کرنے والوں کو پیدا کیا۔ بخاری و مسلم کو پیدا کیا۔ ابی داؤد اور احمد بن حنبل کو پیدا کیا۔ امام مالک کی مؤطا کی تخلیق کی، امام مالک کو جرأت و استقامت دی۔ اس طرح ان لوگوں نے حدیث کو مرتب کیا اور حدیث کو ہم تک پہنچایا۔ یہ اللہ کے فضل کی نشانی اور ہماری رہبری کی علامت بنی۔

انجیل پر کوئی روایت و درایت نہیں تھی اگرچہ وہ بھی کافی عرصے کے بعد collect ہوئی مگر وہاں پیغمبر کی باتوں کو حواریوں نے سنا۔ حضرت عیسیٰ سے متی نے سنا، مرقس نے سنا، لوقا نے سنا، یوحنا نے سنا، حتیٰ کہ برناباس نے سنا۔ حواریوں نے یہ باتیں سنیں مگر ریکارڈ نہیں کیں، کسی کو بتائیں نہیں۔ بہت عرصے کے بعد through letters خطوط کے ذریعے Antiox (انطاکیہ) کے راہب سینٹ پال نے ان کو اکٹھا کیا۔ مگر اس نے collection میں کسی قسم کی

examination (جانچ پرکھ) نہیں رکھی۔ examination کا ایک چھوٹا سا معیار میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرے پاس ابھی وہ خط موجود ہے جو شاہِ مصر مقوقس کے پرانے مخطوطات میں سے ملا تھا۔ (وہ اصل خط اس وقت میرے پاس موجود ہے اس کی زیارت میں آپ کو کروا دوں گا) حضور ﷺ کا وہ خط جو انہوں نے شاہِ مصر کو لکھا وہ خط صحیح بخاری میں بھی محفوظ ہے۔ اگر آپ نے زیر و زبر کے لحاظ سے حفاظت کے معیار دیکھنے ہوں تو آپ وہ دونوں خطوط دیکھ لیجئے جو اصلی موجود ہیں اور وہ حدیث جو بخاری کی موجود ہے۔ زیر و زبر تک وہی ہے ان میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زبانیں کہاں تک سلامت رہتی ہیں۔ کوئی زبان سلامت نہیں رہتی۔ آپ کے بچپن کی زبان آپ کیلئے بڑے ہونے تک سلامت نہیں رہی۔ دو تین سو سال کے عرصے میں زبانیں کیسے بگڑتی ہیں...... میں یہاں انگریزی پڑھ رہا تھا: come here مانچسٹر میں اترا تو پتہ چلا کہ cume here ہے۔ میں حیران و پریشان بت سا بن گیا۔ میں نے کہا کہ یہ تو سارے کا سارا phoenetics (لہجہ) ہی north میں آ کر بدل گیا ہے۔ اتنی بڑی بڑی dialectical changes (زبان کی تبدیلیاں) آ رہی ہیں کہ پندرہویں صدی کی انگریزی کہاں اور کہاں آج کی انگریزی: Whan that Aprille with shoures soote the droughte of March hath perced to the roote. اگر تین چار سو سال کے وقفے سے زبانوں کا حلیہ اتنا بگڑ جاتا ہے تو بخاری اور مسلم تو پندرہ سو برس سے وہی ہے یا دو سو سال نکال دو تو تیرہ سو برس سے وہی ہے تو اس سے آپ کو کیا سمجھ آتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے اگر اپنی کتاب کو محفوظ رکھنا تھا، اگر قرآن کو محفوظ رکھنا تھا تو خالی قرآن کی حفاظت اس کے کس کام آنی تھی؟ اگر قرآن ہوتا اور رسول ﷺ محفوظ نہ ہوتے، explanations محفوظ نہ ہوتیں تو آپ کے کس کام کی تھیں۔ آپ کو تو آج کچھ سمجھ نہ آتا کہ قرآن کی فلاں آیت کا کیا مطلب ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور بڑے بڑے معززین قرآن کے شارح ہیں، وہ ہمیں کسی ایک آیت کے بارے میں بھی یقین نہیں دلا سکتے۔ جب اللہ کہتا ہے کہ: "وَاعبُد رَبُّکَ حَتیٰ یَاتِیَکَ الیَقِین" (عبادت کیے جا حتیٰ کہ تو یقین تک پہنچے) خواتین و حضرات! میں، آپ اور سارے عالم کے مسلمان بھی اگر اکٹھے ہو جائیں تو یقین کا کیا ترجمہ کریں گے؟ یقین کا کیا ترجمہ ہو سکتا ہے؟ یقین کا ترجمہ یقین ہی ہو سکتا ہے faith ہو سکتا ہے، truth ہو سکتا ہے مگر موت تو نہیں

نا، ہوسکتا۔ کیا عجیب بات ہے کہ جب یہ آیت اتری تو اصحابِ رسول ﷺ متفق علیہ فرماتے تھے کہ ہم تک جو روایتِ اعتبار پہنچی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ "عبادت کئے جا حتیٰ کہ تو موت تک پہنچے"۔ یعنی موت سے پہلے کبھی یقین نہ کرنا 'یقین' ہے۔

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

موت سے پہلے آدمی کیوں یقین رکھے کہ میں صاحبِ نجات ہوں۔ موت سے پہلے آدمی کیوں اپنے تقویٰ پر انحصار کر بیٹھے۔ موت سے پہلے آدمی کیوں یہ خیال کر لے کہ میں ولایتِ عظمیٰ کے منصب پر براجمان ہوں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ آخری سانس ہی شہادت دے سکتی ہے اور اس آیت کو رسول ﷺ compliment (تکمیل) کرتے ہیں کہ ہمیشہ اللہ پر گمان اچھا رکھو خاص طور پر مرتے وقت ...... کہ مرتے وقت کا گمان تمہیں کام آئے گا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ کو جب ابنِ ملجم کا خنجر لگا تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کہا گیا کہ خارجی ہے، خارج از اسلام ہے۔ آپؓ نے کہا:

"ربِّ کعبہ کی قسم میں آج کامیاب ہوا"۔

خواتین و حضرات! یہ حدیث کے بغیر ممکن نہیں کہ ایک چھوٹی سی آیت آپ کے ذہن و دل پر اتنا مربوط اثر رکھے۔ استاد کے بغیر کوئی فارمولا سمجھ نہیں آتا اور جن لوگوں نے حدیث کی عزت نہیں کی اور جن لوگوں نے ان میں نقص ڈھونڈا ان کا بھی آگے ذکر آئے گا۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ حدیث پر ایک کم عقل اور کم فہم ہی معترض ہوسکتا ہے۔ آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ جو standards لگے ہوئے ہیں اس کے تحت آپ یہ ضرور کہیں کہ یہ کم درجہ اور رتبہ کی حدیث ہے مگر جب ایک حدیث خالص ہو کر، مشہور، احاد اور متواتر ہو کر آپ کے سامنے آتی ہے حسن اور صحیح ہو کر آتی ہے تو آپ کو اس کا یقین کرنا پڑتا ہے اور آپ یقین کیوں نہیں کرتے یہ بھی میں آپ کو بعد میں واضح کر دوں گا اور یہ بھی لوگ غلط کہتے ہیں کہ سو دو سو برس بعد حدیث کا وجود آیا بلکہ اب رفتہ رفتہ ہمارے پاس وہ latest (جدید ترین) مخطوطات نکل رہے ہیں خاص طور پر صحیفہ صادقہ نام کی احادیث جو سو فیصد بخاری میں بھی موجود ہیں۔ وہ سو سال کے اندر اندر مرتب ہو چکی تھیں۔ ابھی مزید انکشافات جب نکلیں گے تو میرا خیال ہے کہ ان کی مزید خبر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ ضروری فرمایا تھا اور حکماً فرمایا جیسے پہلے میں نے آپ کو بتایا کہ دعا یا مانگی گئی "......اِذ بَعَثَ فِیھِم رَسُولاً مِّن اَنفُسِھِم......" کہ ان کو وہ باتیں سکھائے جو یہ جانتے نہیں، انہیں علم دے، کتاب دے، کتاب کی وضاحت دے، اندازِ طہارت بتائے، وضو

کے طریقے بتائے۔ انسانی معاشرتی، داخلی زندگی کو ترتیب دے۔ بیوی اور شوہر کے مسائل ان سے بیان کرے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس مغیرہ بن شعبہؓ حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ حکم نامہ فرمائیں کہ دادی کو ایک بٹہ چھ حصہ وراثت میں سے دیا جائے تو انہوں نے کہا کہ ایسا تو کوئی حکم میں نہیں جانتا اس لئے میں یہ حکم نہیں دے سکتا۔ قرآن میں ایسا حکم ہے ہی نہیں تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ نہیں میں اس کیلئے شہادت رکھتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ہمیں بتلایا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہادت لیکر آؤ۔ پھر حضرت محمد بن سلمٰی کی شہادت لائی گئی اور انہوں نے کہا کہ ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ دادی کا 1/6 حصہ ہے اور اسی پر حضرت ابوبکر نے حکم فرمایا۔ اسی حوالے سے بڑے مزے کی بات آپ کو سناتا ہوں۔ حضرت عمرؓ سے بات کرکے تو بندے مصیبت میں پھنس جاتے تھے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے دروازے پر دستک دینے کیلئے گئے۔ کوئی تین دفعہ دستک دی اس کے بعد واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ باہر نکلے اور اسے گریبان سے پکڑ لیا کہ تُو چلا کیوں گیا تھا۔ تین دفعہ دستک دے کر میرا انتظار کیوں نہ کیا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کے گھر جاؤ تین دفعہ دستک دو اور اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے آؤ۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ نہیں میں تمہیں کوڑے ماروں گا، مجھے ثابت کرو کہ یہ بات ہوئی ہے۔ اصحاب جرح وتعدیل کرتے تھے تو حضرت ابوموسیٰ بڑے گھبرائے اس لئے کہ ضرب عمری سے بچنا بڑا مشکل ہوتا تھا۔ مسجد میں آ کر بڑا روئے پیٹے کہ ہے کوئی میری گواہی دینے والا...... آخر مسجد میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہو۔ میں اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی۔ آپ نے کلمہ شکر پڑھا اور انہیں لے کر حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے اور تب یہ بات حدیث اور حکم کا حصہ بنی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی بھی بات سننے سے پہلے شہادت لیا کرتے تھے۔ یہ جرح وتعدیل اس وجہ سے آئی کہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ جب کوئی منافق یا کوئی فاسق ایسی بات کرے کہ جس سے تم میں فتنہ وفساد کا ڈر ہو اور تمہیں بات سمجھ نہ آئے تو قرآن نے کہا کہ پہلے ان لوگوں کو پیش کرو جو سمجھ دار ہیں، جو جاننے والے ہیں اور پھر وہ تمہیں جو وضاحت کریں اس پر عمل کیا کرو ورنہ ایسا نہ ہو کہ تم فتنہ وآگ کے شکار ہو جاؤ۔ پھر اللہ نے دوبارہ فرمایا کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی خبر آئے تو اسے کم از کم دو گواہوں سے confirm کر لیا کرو۔ یہ جرح وتعدیل ہمارے

ایمان اور حدیث کا حصہ ہیں۔ بڑے بڑے تابعین نے جرح وتعدیل کے اصولوں پر critical laws of religion کو ترتیب دیا ہے اور اسی وجہ سے آپ کو آج حدیث نصیب ہے۔

اللہ نے کہا کہ جو تمہیں رسول ﷺ دیں، لے لیا کرو اور جس چیز سے رسول ﷺ منع کریں وہ چھوڑ دیا کرو۔ "وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ......(۵۹:۷)" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک خاتون بڑے غصے میں آئیں اور کہا کہ تم بھنویں منڈوانے کے خلاف فتویٰ دیتے ہو، تم انہیں مردود کہتے ہو۔ میں تو تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ تم کس بنیاد پر یہ فتویٰ دیتے ہو۔ قرآن میں تو یہ نہیں ہے۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ قرآن ہی میں تو ہے۔ یہ جو میں تمہیں فتویٰ دیتا ہوں یہ قرآن ہی میں تو ہے۔ اس نے کہا کہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں نہیں پتہ کہ "وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ......(۵۹:۷)" رسول ﷺ نے کہا ہے کہ یہ مردود ہے اور جب اللہ نے کہہ دیا کہ جو خدا کا رسول دے وہ لے لو اور جس کام کو چھڑائے اسے چھوڑ دو۔ (بھنویں ترشوانا اور چیز ہے میں منڈوانے کی بات کر رہا ہوں یعنی مکمل طور پر صاف کر کے ساخت بدل دینا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ مردود ہے۔ یہ نہیں کہا کہ کفر یا شرک ہے بلکہ یہ کہ اللہ کے نزدیک یہ اچھا فعل نہیں ہے۔ رد کیا ہوا فعل ہے۔)

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (۴:۸۰) (جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔) کمال کی بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو بعد میں کر لیا اور پہلے رسول ﷺ کی اطاعت کو لے آیا۔ order of precedents تبدیل کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ سے تو واسطہ ہی نہیں پڑتا، نہ کسی direct شرع سے واسطہ پڑتا ہے۔ پہلے تو ہم اس بات کو مانتے ہیں جو اللہ کا رسول ﷺ ہمیں عطا کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو رسول ﷺ نے ہمیں بتایا کہ خدا ہے ورنہ ادھر تو چھٹی تھی ساری......اور ہمہ تن ہم اسے خیال اور سراب سمجھتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ خدا ہے تو ہم نے کہا کہ 'خدا ہے'۔ "لا الہ الا اللہ" پھر اس نے کہا کہ وہ ایک ہے۔ ہم نے کہا کہ 'ایک ہے'۔ پھر اس نے کہا کہ قرآن اس کا ہے۔ ہم نے کہا کہ 'قرآن اس کا ہے'۔ پھر کہا کہ میں اس کا رسول ہوں۔ ہم نے مانا کہ 'آپ اس کے رسول ہو'۔ اس نے کہا کہ میری بات ماننا بہت ضروری ہے اس لئے اب اللہ کی باری تھی یہ کہنے کی کہ جو رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے گویا میری اطاعت کی۔ جس نے رسول ﷺ کی

بات مانی اس نے میری بات مانی۔

ایک انگریز کی رائے میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ Andrew Rippen نے بڑی تحقیق کے بعد قرآن کی آیات گنیں تو اس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا۔ اگر آپ آج کے منکرین اور وضاحت کرنے والے لوگوں کو جائیں گے تو بڑا مسئلہ پڑ جائے گا۔ اس نے کہا کہ Only twenty percent of the Quran is about making law. Eighty percent of the Quran is on making character. اسّی فیصد قرآن عبادات سے deal کرتا ہے۔ چھ سو آیات قرآن عبادات سے متعلق ہیں اور بہت کم آیات قانون سے deal کرتی ہیں۔ صرف اسّی قوانین Quranic law (قرآنی قوانین) پر قائم ہیں اور باقی تمام Quranic verses (قرآنی آیات) اخلاقیات کو deal کرتی ہیں۔ ایک مسئلہ یہ درپیش ہے کہ قوانین تو ہزاروں ہیں تو پھر کیا ہوتا ہوگا تو وہ کہتا ہے کہ تمام تر قوانین جو built ہوئے ہیں ان کی بنیاد حدیث رسول ﷺ ہے سوائے چند ایک قوانین کے جن میں وراثت اور چند وہ بڑے crimes (جرائم) ہیں جن کی سزا قطع ید، سنگسار اور رجم وغیرہ ہے۔ اس کے علاوہ تمام قوانین حدیث رسول ﷺ پر مبنی ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد بیس فیصد قرآن کے قوانین پر ہے اور اسّی فیصد حدیث کے قوانین پر ہے۔ اتنی اہم بنیاد کو چند ایک odd (عجیب) احساسِ کمتری کے مارے ہوئے منکرین تنقید برائے تنقید کے اصول سے کیسے رد کر سکتے ہیں؟ اتنے بڑے کائناتی ڈھانچے کو، مذہبی ڈھانچے کو، اخلاقی ڈھانچے کو ایک individual اٹھ کر کیسے مسمار کر سکتا ہے؟ یہ بات مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔ بات یہ ہے کہ اعلیٰ ترین کتاب، اعلیٰ ترین فہم وفراست پروردگار کسی واحد ذہن، نصف یا کم تعلیم یافتہ، مصنوعی یا خودساختہ intellectual کے سپرد نہیں کر سکتا۔ بڑے بڑے لوگ جیسے فارابی، سینا اور رازی وغیرہ گزرے۔ یہ سب intellectual ضرور تھے مگر ان میں سے کوئی محدث تھا نہ فقیہہ تھا، قانون سازی ان کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔ فرض کیجئے ایک شخص آرٹ اور خوبصورتی کا بڑا ہی دلدادہ ہے تو ہوا کرے، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ جتنا چاہے ہوا کرے مگر یہ سمجھ نہیں آتی کہ جملہ انسانوں کیلئے قانون بنانا اس کے سپرد کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ایک individual کو تو آزادی حاصل ہے کہ وہ گھر میں بیٹھا ہے، فرض کرو اگر وہ اجازت مانگے کہ مجھے بت تراشی کی اجازت دو پھر تھوڑے عرصے بعد کہے کہ اگر میں نسبتاً کسی بت کو پوج لوں تو مجھے اجازت دے

دو۔ آرٹسٹوں کا کیا ہے...... ایک خبطِ ذہن ہے ادھر سے اُدھر ہو گیا تو پھر قرآن کیا کرے گا؟ حدیث کیا کرے گی؟ ایک شخص ہے جو کچھ زیادہ ہی نرم ہے، ایک خاتون ہے جو مردوں کے بارے میں زیادہ ہی سخت ہے۔ ہر individual اپنی مرضی میں جائے گا کہ یہ قانون نہیں ہونا چاہیے یا یہ حدیث غلط ہے۔ اوپر سے جب سے یورپ میں مہذبانہ دور آیا تو انہوں نے کچھ عرصے کیلئے capital punishment ختم کر دی۔ ادھر ہمارے مسلمان مفکرین تو فوراً نگلتے ہیں اور اگلتے ہیں تو انہوں نے فوراً یہ قانون اپنے اندر بھی ڈال لیا اور اعلان کرنے لگے کہ اسلامی سزائیں بڑی سخت ہیں اور یہ کہ ہم بھی یورپ والوں کی طرح جرائم پیشہ لوگوں پر کرم کریں گے، ان پر نوازشات کریں گے، ان کو سنواریں گے، یہ کریں گے، وہ کریں گے، مگر یورپ والوں نے قانون بدل کر دوبارہ capital punishment لاگو کر دی اور یہ مفکرین ابھی پہلے دورِ مروت سے گزر رہے تھے۔ خواتین و حضرات! اس مثال سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک individual ایک odd مفکر کے سپرد پورے معاشرے کی فلاح و بہبود کیسے کی جا سکتی ہے۔

ایک اور funny (مزاحیہ) بات سنیے! زیادہ تر حدیث کے level (سطح) پر مذہب کے مخالفین جو یورپ میں گزرے ہیں ان میں ایک movement (تحریک) آئی اس کو enlightenment (ترمیب تہذیب) کی تحریک کہتے ہیں۔ اگر آپ اس تحریک میں شامل لوگوں کے نام دیکھیں تو آپ حیران رہ جائیں۔ اس میں لارڈ ہیوم، برکلے، والٹیئر اور روسو جیسے بڑے بڑے نام ہیں جو یورپی فلاسفی، ادب اور ناول کے کلاسک ہیں اور ہمارے ہاں جناب پرویز مشرف، جناب طارق عزیز ایسی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے فرق......؟ اُدھر یورپی معاشرے کے بہترین و اعلیٰ ترین دانشور enlightenment کی تحریک چلا رہے ہیں اور ہمارے ہاں نازنین چلا رہی ہیں، راجہ بشارت صاحب چلا رہے ہیں، چوہدری پرویز الٰہی تعلیم یافتہ پنجاب پیدا کر رہے ہیں یعنی intellectual capacity (ذہنی وسعت) کا یہ حال ہے کہ ایک بڑی movement اور بڑی تحریک کے چلانے کیلئے جو اسباب چاہیئے ہوتے ہیں وہ نہیں ہیں۔ I count this is a basic problem of Pakistan's politics and administration. The problems were a little bigger than the capacity of those who wanted to solve them. وہ استطاعتِ خیال نہیں تھی، وہ قدرتِ اخلاق نہیں تھی جس سے اتنے بڑے بڑے

مسائل حل ہو سکتے نتیجہ فسق و بحران۔ incompetency and an absolute psychotic society. (نا اہلیت اور ایک مکمل ذہنی بیمار معاشرہ) اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ تلاش کرنا ہم پر لازم تھا کہ قرآن کی رسول اللہ ﷺ نے کیا وضاحت فرمائی ہے اور ہر متلاشی یہ تلاش کرتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے قرآن کو کیسے سمجھا۔ خواتین و حضرات! یہ بتایئے کہ میں یہ کیوں تلاش کرتا ہوں کہ اصحاب نے قرآن کو کیسے سمجھا؟ میں اس لئے تلاش کرتا ہوں کہ ایک فرد نہیں بلکہ ایک پورا معاشرہ خدا رسیدہ ہو گیا تھا، اپنے اللہ کو پا گیا تھا اور خدا ان کو پا گیا تھا۔ ان کے بارے میں کتاب میں لکھا ہوا آ گیا کہ خدا ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ دوبارہ کبھی نہیں ہوا۔ زمین و آسمان میں نہ کوئی ایسی قوم گزری نہ ایسے بندگانِ خلائق گزرے، نہ کوئی ایسا گروہ عظیم گزرا نہ پھر کوئی اصحاب شجرہ گزرے، نہ کوئی اصحاب بدر گزرے اگرچہ یہ مثالیں جزوی طور پر دی جا سکتی ہیں مگر بحیثیت ایک قوم کے کوئی اٹھ کر خدا رسیدہ نہیں ہوا۔ وہ صرف اصحاب ہوئے تو کیا میرا یہ حق نہیں بنتا کہ بحیثیت مسلمان کے میں یہ جاننے کی کوشش کروں کہ آخر ان لوگوں نے قرآن کیسے سمجھا۔ کیا میرا یہ حق نہیں بنتا کہ میں یہ سوچنے کی کوشش کروں کہ آخر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی کیا بات سنی، کیا انداز دیکھا، کیا طرزِ حیات دیکھی، کیا فہم و فراست دیکھی؟ اب میں ابنِ تیمیہ پر تو بھروسہ نہیں کر سکتا۔ میں سنی سنائی باتوں پر اور میاں پرویز پر تو بھروسہ نہیں کر سکتا ...... میں غلام احمد پر بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے تو یہ دیکھنا ہے کہ محمد رسول اللہ کی بات سمجھنے والوں نے آخر کیا سمجھا؟ کس طرح سمجھا کہ وہ مسجودِ ملائک تو نہیں مگر مسجودِ خلائق ہو گئے۔ وہ ہماری تعظیم میں ہماری محبتوں کے مرکز بن گئے۔ آج ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم کسی صحابی کا نام لیں اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہیں یا، رضی اللہ تعالیٰ عنھا، نہ کہیں۔ ہم یہ دعویٰ بار بار شمار کرتے ہیں تو یہ ضروری تھا کہ اُن اقوال کی خدا حفاظت کرتا اور اس انداز کی بھی حفاظت کرتا جس سے پہلے لوگوں نے اپنے رسول ﷺ کی متابعت کی اور ان کی خدمت کی اور اللہ نے ان کو اشرافیہ میں گنا اور ان کی تعلیمات کو آج ہم تک اگر کسی نے حکمت اور انصاف سے پہنچایا ہے تو وہ صرف اور صرف حدیثِ رسول ﷺ ہے اور اس کے بغیر ہم کسی بھی conduct of life (طریقِ زندگی) میں ادھورے رہ جاتے ہیں۔

اگر تمام لوگ ہی عالم ہوتے یا وضاحتوں کے قابل ہوتے تو بڑا مسئلہ بنتا، ہر معاشرے میں دس کروڑ بھی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود یہ تو نہیں دیکھا گیا کہ ہر تعلیم یافتہ اٹھ کر خلاقِ طبیعت کا مالک ہو جائے۔ ان میں سے بھی کوئی کوئی ہی ایسا ہوتا ہے۔ یہ ایک اصول ہے کہ اتنی ساری

پڑھی لکھی مخلوقات میں سے سارے ہی دنیا کو علم و فکر کے اصول نہیں دیتے۔ ذہن ایک مادی وجود ہے اور ذریعہ، فکر و ذریعہ، تعلیم ہے۔ اگر کتابی علم اور شماریات سے فہم کا ہونا لازم ہوتا تو ہمیں میں کروڑ لوگ at a time دنیا کو advice کر رہے ہوتے مگر اللہ نے فہم کو آسان نہیں رکھا۔ کتاب کے علم کو عام کیا اور فہم کتاب کو مخصوص کر دیا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی زائد قرآن ہے۔ ذرا چھپ کر ہمیں بتا دو کہ آپ کو اتنا علم کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: "ربِ کعبہ کی قسم ایک زیر وزبر وہی ہے۔ ایک ایک جملہ وہی ہے، ایک ایک فقرہ وہی، لفظ وہی مگر یہ کہ اللہ نے ہمیں فہم زیادہ عطا کیا ہے"۔ یہ فہم وہ ہے کہ جب دو پیغمبروں میں بھی اختلاف کا حادثہ ہو جائے ......حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ میں بھی جب تھوڑا سا اختلاف پیدا ہو گیا تھا تو اللہ نے حضرت داؤدؑ کی judgement (فیصلہ) پسند نہیں فرمائی اور حضرت سلیمانؑ کی judgement پسند فرمائی اور ایک ہلکا سا comment (رائے) بھی ساتھ دے دیا: "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ" (۷۹:۲۱)(ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا تھا) پڑھائی لکھائی، intellectualism کے علاوہ بھی ایک چیز ہوتی ہے جسے فہم قرآن کہتے ہیں، فہم کتاب کہتے ہیں، فہم ادب کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، اگر فہم و فراست خدا کی دین نہ ہوتے، اگر intution اور الہام علم خدا کا نہ ہوتا تو آپ کو آج تاریخ علم و ادب و سائنس میں لے دے کے چند نام ہی کیوں ملتے ......تاریخ ساز نام تو چند ہیں۔ ڈیڑھ سو سال پہلے آئن سٹائن ہے کہیں وٹگنسٹائن ہے اور یہ صدی رسل کے نام ہے۔ کسی ادیب کے نام ہے۔ ہر میدان میں بس ایک ایک نام ہے۔ بہت تھوڑے سے لوگ ہیں جنہوں نے دنیائے علم و ادب و معرفت اور اخلاق کو سنوارا ہوتا ہے۔ یہ اس فہم کی بات ہے جو بہت سے راویانِ حدیث کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

حدیث کیا ہے......؟ حدیث کا مطلب ہے reporting کہی ہوئی بات...... تذکرہ، روداد......مگر ہمارے ہاں یہ حدیث نہیں کہلاتی۔ اصطلاحِ شریعت میں حدیث 'دہرائی ہوئی بات' ہے۔ لفظ حدیث میں دہرانا نہیں آتا مگر ہماری اصطلاحات میں:

> "حدیث دہرائی ہوئی بات ہے وہ بات جو رسول اللہ ﷺ
> نے کہی اور جب حدیث میں دہرائی جائے تو ہم اسے جاننے
> اور سمجھنے کی کوشش کریں"۔

اب تک کی تمام گفتگو میں مَیں نے حدیث کی ضرورت بیان کی ہے۔

حدیث کے معاملات پر discuss (بحث) کرتے ہوئے حافظے اور وقت کا بڑا بحران پڑ جاتا ہے۔ جب تراجم آتے ہیں تو تراجم میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ایک زبان میں exactly (اصلاً) شاید وہ الفاظ translate (ترجمہ) نہیں ہو سکتے اس لئے تھوڑا سا فرق پڑ جاتا ہے۔ انداز گفتگو میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ عرب اس لہجے میں گفتگو نہیں کرتے کہ جیسے ہم کرتے ہیں۔ وہ تو قسم بھی عجیب اور انوکھی سی کھاتے ہیں کہ رب کعبہ کی قسم ......! ہم تو ایسے قسم نہیں کھاتے۔ ہم تو سیدھی سادی اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے"۔ ہم تو اتنے لفظ ہی نہیں استعمال کرتے۔ ان کا ایک انداز ہے ایک dramatic excellence (تمثیلی رتبہ) ہے ایک معاشرت اور ایک style ہے۔ اس لئے کوئی بھی بندہ جو حدیث پر گفتگو کرے گا اسکے لئے بہت لازم ہے کہ وہ اعراب کے اس طرز معاشرت کا بڑے غور سے مطالعہ کرے، وہ مغازی کا مطالعہ کرے، وہ سبعہ معلقہ کا مطالعہ کرے۔ ان لوگوں کے طرز زندگی کا مطالعہ کرے تا کہ وہ حدیث کے محاوروں کی گڑبڑ کا شکار نہ ہو جائے کہ آج ہمارے بہت سارے جو حدیث کے معترزین نقاد ہیں وہ معمولی سی بات پر سیخ پا ہو جاتے ہیں جو اعراب کے نزدیک بڑی معمولی سی بات ہوتی تھی۔ جب حدیث پر اعتراضات شروع ہوئے تو بعد میں بڑے intellectual گروہ آئے۔ ان میں معتزلہ، قدریہ، جبریہ، اخوان صفہ، حبشی گروہ، اموی، عباسی، اہل بیت کے حمایتی سارے کے سارے اپنے اپنے مقاصد کی احادیث تلاش کرنے لگے۔ ایک دفعہ ایک حدیث کو وضع کرنے والے سے پوچھا گیا کہ تم رسول اللہ پر اتنا جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ تمہیں پتہ بھی ہے کہ اسکا عذاب کتنا ہے، تو اس نے کہا کہ "نہیں ہم تو اللہ کے رسول پر جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم تو ان کیلئے بولتے ہیں۔" امام مسلم بن حجاج کا ارشاد ہے کہ "اہل خیر جھوٹ بڑا بولتے ہیں"۔ اہل خیر سے مراد صوفی، بزرگ، اللہ کے نیک بندے بہت جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ میرا کہنا نہیں ہے، مجھے الزام مت دیجئے گا۔ یہ ایک بہت بڑے محدث حضرت امام مسلم بن حجاج کا قول ہے کہ اہل خیر جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ بہت بڑے جرح وتعدیل کے ماہرین میں سے ہیں۔ بہت بڑے محدث ہیں۔ ماشاءاللہ اعمال اور اخلاق میں ان کی مثال ایک سورج کی سی ہے۔ اتنے بڑے محدث کم پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے اسناد کے بارے میں فرمایا:

"اگر اسناد کا علم نہ ہوتا تو جو جس کی مرضی ہے دین میں شامل

کر لیا"۔

یعنی محدثین نے سند سے سند کو علیحدہ کیا، فرد کو فرد سے علیحدہ کیا، کلام کو کلام سے علیحدہ کیا، لفظ کو لفظ سے جدا کیا، عمر کو عمر سے جدا کیا، خاندان کو خاندان سے جدا کیا، بیٹے کو باپ سے جدا کیا، ایک ایک تخصیص ایسی برتی کہ شیطان کی گمراہی کو بچ نکلنے کا کوئی موقع نہ ملا اور پھر حدیث مرتب کی کیونکہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ:

"اسناد علم کا حصہ نہیں، دین کا حصہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو پھر لوگ جو چاہتے کرتے"۔

جیسے آج ہو رہا ہے۔ آج کیوں ہو رہا ہے اس لئے کہ لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ حدیث کیا ہے کس طرح collect ہوئی ہے۔ اسکے standards کیا ہیں۔ ابن سیرین کی ایک advice آپ کو دیتا چلوں امام ابن سیرین نے فرمایا کہ:

"دین بہت اہم ہے اس کو کمتر چیز نہ سمجھو"۔

یہ بڑی important چیز ہے۔ خوب اچھی طرح دیکھ لیا کرو کہ کس سے لے رہے ہو، اس کو مذاق نہ سمجھنا۔ یہ بہت بڑے ماہرین کی بات ہے۔ ہر راہ چلتے سے دین قبول نہ کیا کرو۔ جن کی شناخت نہ ہو ان سے دین قبول نہ کیا کرو۔ یہ بڑے صاحبانِ علم کی بات ہے۔ راہ چلتے ہوئے دین کو قبول کرنے کا نقصان آج ہمیں یہ ہوا ہے کہ ہم قریباً قریباً ہزار فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ آج جو ہم نے دین کی localize interpretation (مقامی وضاحت) حاصل کی ہے اسکی وجہ سے یہ ہمارے سارے نقصان ہیں۔

حدیث کو بنیادی طور پر روائت کے لحاظ سے چار مختلف انداز میں بانٹا گیا ہے۔ حدیث جب بیان کی جاتی ہے تو اس کو مختلف لوگوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے حدیثِ قدسی ہے۔ حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جو خود خدا سے روائیت کی جائے بقرآن کے علاوہ جب اللہ اپنے رسول ﷺ سے بات کرتا ہے تو اس کو ہم "حدیثِ قدسی" کہتے ہیں۔ حدیثِ قدسی کی مثال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ mention (بیان) کر رہے ہیں کہ خدا نے یہ کہا ہے یہ خدا کی بات ہے۔

جو حدیث رسول اللہ ﷺ تک پہنچے اسے مرفوع کہتے ہیں۔ چلتے چلتے فلاں نے کہا، فلاں نے روائت کی، فلاں نے کہی، تابعین نے روائت کی، اصحاب نے روائت کی اور رسول ﷺ نے فرمایا

اس کو مرفوع کہتے ہیں۔ خواہ متصل ہو، خواہ غیر متصل ہو یعنی سند ملے یا نہ ملے، ٹوٹے یا نہ ٹوٹے۔

اس کے بعد دوسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صحابی تک رہ جائے اسے موقوف کہتے ہیں۔ لفظ موقوف میں وقف ہے اس لئے کہ یہ براہ راست رسول ﷺ تک نہیں پہنچی اس لئے اس کو موقوف کہتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صحابی تک نہیں پہنچی اور رسول ﷺ تک نہیں پہنچی جو صرف تابعین تک پہنچتی ہے۔ اس کو مقطوع کہتے ہیں۔ یہ اصحاب سے اور رسول اللہ ﷺ سے منقطع ہو جاتی ہے مگر تابعین تک بالکل مسلسل اور متواتر ہے۔ ایسی حدیث کو مقطوع کہتے ہیں۔

آپ نے اکثر سنا ہوگا، صحیح حدیث...... جو اٹھتا ہے بولتا ہے صحیح حدیث، صحیح حدیث...... صحیح حدیث اس سند یافتہ حدیث کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ تک، صحابی تک یا تابعی تک پہنچے۔ یعنی وہ حدیث جو مقطوع ہو، جو موقوف ہو، جو مرفوع ہو مگر اس کے راوی سچے، عادل، با اختیار اور دیانت دار ہوں، کوئی علت نہ ہو اور حدیث شاذ نہ ہو۔ (شاذ یہ ہوتا ہے کہ کوئی کم درجے کا عالم بڑے عالم پر زبان درازی کرے، کسی بڑے معتبر، ثقہ آدمی نے بات کی ہے اور بیچ میں سے گزرتا ہوا کوئی کہے کہ نہیں نہیں یہ اس طرح نہیں ہے، میں نے یہ بات اس طرح سنی ہے تو ایسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں۔ اکیلی...... یعنی جب کوئی کمتر درجے کا راوی کسی بڑے درجے کے راوی پر طنز کرتا ہو یا اسکی بات کے خلاف کرتا ہو تو اسے شاذ کہتے ہیں۔) یعنی صحیح حدیث اس کو کہتے ہیں جو براہ راست تابعی تک، صحابی تک اور پھر براہ راست رسول اللہ ﷺ تک پہنچے۔ راوی ثقہ ہو، عادل ہو، با اختیار ہو، اس میں کوئی نقص نہ ہو، کوئی علت نہ ہو اور حدیث شاذ بھی نہ ہو، کسی کمتر درجے کے عالم کی بھی نہ ہو۔

حسن وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہو مگر باقی تمام صحیح حدیث والی شرطیں پوری ہوں۔ محدثین یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی راوی کا حافظہ کمزور ہے تو وہ صحیح کے درجے سے گر جائے گی اور حسن کے مقام تک آ جائے گی۔ اسکا رتبہ کم ہو جائے گا۔ باقی سب شرائط ٹھیک ہیں، حسن قابل قبول ہے، اچھی حدیث ہے مگر محدثین اور جرح والے ایک خامی کو بھی نہیں بخشتے۔

اس کے بعد خفیف حدیث آ جاتی ہے یعنی کمزور۔ خفیف: خفت والا، شرمسار...... شرمسار حدیث والا وہی ہو سکتا ہے جو نہ حسن ہو نہ صحیح ہو، جس میں دونوں صفات نہ پائی جاتی ہوں۔ (مثلاً علم محدود ہے، خفیف حدیث ہے)

موضوع یا جھوٹی حدیث اسکو کہتے ہیں جس کو کوئی کذاب گھڑ کر حضور ﷺ سے نسبت دے دے۔ ایسی حدیثیں بے شمار ہیں مگر اگلوں کو پتہ تھیں، اسی لئے انہوں نے نکال دیں مگر آج کے لوگ یہ طعنہ نہیں دے سکتے۔ آج کے لوگ کیسے کسی خفیف یا موضوع کو نکال لیں گے یہ تو اُن لوگوں کو پتہ ہے جو اُس زمانے کے تھے، اُن کے راوئین کو جانتے تھے کہ خفیف کیا ہے۔

منکر وہ حدیث ہے جس کو فاجر وفاسق، غافل اور ملعون روائت کرے جس پر درائت کے سارے قوانین negative (منفی) چلتے ہیں۔

معلّق اس کو کہتے ہیں جس کی بالائی یا اوپر والی سند نہ ہو۔ باقی نیچے سے سند کے سارے سلسلے چل رہے ہوں اسے معلّق حدیث کہتے ہیں۔

معدّل حدیث اس کو کہتے ہیں جس کے دو یا دو سے زیادہ راوی حذف ہو جائیں۔ جب دو یا دو سے زیادہ راوی نہ ہوں گے تو ظاہر ہے کہ وہ مشکوک ہو جائے گی۔ اس لئے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

مرسل وہ حدیث ہے جسے ارسال کرنے والا سند چھوڑ کر بیان کرے۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

مدلس وہ حدیث ہے کہ جس سے سنی ہے شاگرد اس سے روائت نہیں کرتا اور جسکے سامنے بیان کر رہا ہے انکا نام لے دیتا ہے اس حدیث پر بھی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

اب آگے حدیث کی بروائت قسمیں ہیں کہ کون سی حدیث کس رتبے پر ہے۔ سب سے بڑی حدیث بلحاظ روائت جو ہے اسے متواتر کہتے ہیں جو بے شمار اصحاب نے روائت کی ہو اور مسلسل روائت کی ہو اور ایک ہی متن سے روائت کی ہو تو اسے متواتر کہتے ہیں اور متواتر پر تمام قوانین وہی لگتے ہیں جو میں پیچھے بیان کر آیا ہوں۔ یہ اتنی مرتبہ بیان کی گئی ہوتی ہے کہ اس پر کسی قسم کی غلطی کا شبہ نہیں پڑتا۔

متواتر کے بعد ایک حدیث ہے جسے زیادہ لوگ روائت نہیں کرتے اسے احاد کہتے ہیں۔ احاد کی تین قسمیں ہیں: مشہور، غریب اور عزیز۔

غریب وہ حدیث ہے جو بہت کم کسی نے بیان کی ہوتی ہے، بہت ڈھونڈنے سے کہیں ملتی ہے جیسے غریب ہوتا ہے اور عزیز وہ حدیث ہے جسکی روائت کم ہو۔ غریب وہ ہے جو کم اور اکیلی ہو جیسے "اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیَات" مشہور حدیث ہے مگر روائت صرف حضرت عمر فاروقؓ نے کی ہے۔ اس حدیث پر کوئی گمان نہیں کہ غلط ہے مگر چونکہ ایک بندے کی روائت ہے اسی کی روائت

سے درج ہے اسی لئے غریب ہے مگر مکمل باعتبار حدیث ہے۔ ان احادیث پر جب ہم اصول لگاتے ہیں تو ان کو ہم متقدمین کے لحاظ سے finality (حتمیت) دیتے ہیں جیسے عمرؓ نے کہی اس لئے بات ختم...... اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اصحاب پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے تمام اصحاب عادل تھے، ایماندار تھے اور سچائی والے تھے۔

زیادہ ثقہ: جب کوئی حدیث کسی اور حدیث کی وجہ سے مزید مضبوط ہو جائے تو اس کو زیادہ ثقہ کہتے ہیں۔ یعنی ثقہ معتبر حدیث کو زیادہ اعتبار مل گیا۔

منکر حدیث وہ ہے جس کا واضح انکار کیا جائے۔

مدرج: غیر معتبر روائت کا حدیث میں درج ہو جانا۔ ایسی بات لکھنا جو حدیث کا حصہ نہ ہو: ایک دفعہ ابو ہریرہؓ حدیث درج کروا رہے تھے، جب حدیث رکی تو آپؐ نے کہا کہ "جو راتوں کو تہجد میں اٹھتے ہیں ان کے چہرے دن میں روشن ہوتے ہیں۔" جب حدیث پڑھی گئی تو اس میں یہ لفظ بھی درج ہو گئے حالانکہ یہ حدیث کے الفاظ نہیں تھے۔ ہوا یہ کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے کتابت ختم کروائی تو اس شخص کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ جو راتوں کو زیادہ عبادت کرتے ہیں ان کے چہرے دن میں چمکتے ہیں۔ جب یہ کہا تو اس لکھنے والے نے یہ بات بھی لکھ دی۔ ایسی حدیث کو مدرج حدیث کہتے ہیں کہ جس میں چیزیں درج ہو جاتی ہیں...... (اتفاقاً مجھے اپنے کالج کا زمانہ یاد آ گیا کہ جب لڑکے لڑکیاں نوٹس لکھتے تھے تو اگر میں نے کہا ہوتا کہ please wait تو جب نوٹس لکھے ہوئے میرے پاس آتے تو لکھا ہوتا پلیز wait یا اگر کبھی میں نے کہا کہ چھوڑو یار اس بات کو تو وہ اتنی مخلصانہ کاپی کرتے تھے کہ جب میں نوٹس چیک کرتا تو بیچ میں لکھا ہوتا کہ چھوڑو یار اس بات کو......) اسی طرح حدیث کی روائت میں بعض ایسی چیزیں آ جاتی ہیں کہ جو لوگوں نے کہا ہوتا ہے وہ اسی طرح حدیث کا حصہ بن جاتا ہے۔ ایسی حدیث کو ہم مدرج حدیث کہتے ہیں۔

English standard of criticism is based upon two things: external criticism and internal criticism.

(انگریزی میں تنقید کا معیار دو چیزوں پر بنیاد ہے: بیرونی تنقید اور اندرونی تنقید)

ان کے قوانین (laws) میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ وہ اگر آپ کے ذہن میں رہیں گے تو آگے چلتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ جس معیار پر حدیث collect کی گئی ہے وہ مغربی دنیا کے بہترین ادبی معیار کے مقابلے میں ان سے بہتر ہے یا بدتر ہے...... Internal criticism یہ کہتا ہے کہ جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں اس کا علم اُس وقت کے لوگوں سے ہوتا ہے جو علم وفہم اگلی نسلوں تک پہنچاتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی اور واقعات شہادتوں سے جانے جاتے ہیں جیسے عدالت میں واقعات کی تصدیق شہادتوں سے ہوتی ہے اور جب تصدیق ہو جائے تو معاملہ شک وشبہ سے بالا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مختصراً یہ اصول ہے کہ If the testimony is sufficient and reliable source of un-impeachable, undisputeable knowledge of historical events. (اگر شہادتیں مقرر اور مہیا ہیں تو تاریخی واقعات کا علم بالائے شک وشبہ اور ناقابلِ بحث ہوتا ہے۔) یہ اتنا criticism کا اصول ہے۔ اب تاریخ کا کام کیا ہے۔ تاریخ کا کام ہے شہادتوں کے معیار کو پرکھنا۔ کوئی کتاب جب آپ historically (تاریخی طور پر) پرکھنا چاہتے ہیں، نہ صرف کوئی کتاب بلکہ کوئی چمڑے کا ٹکڑا، کوئی تحریر، کوئی ٹوٹا ہوا برتن، کوئی تصویر، کوئی آثار کوئی شے بھی جب پرکھنا چاہیں تو اصل میں اندرونی ترکیب یہ ہے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی ترسیل یا اس کے ملنے کے دوران یہ کسی شے کی تبدیلی کا شکار تو نہیں ہوئی۔ فرض کیجئے کہ موہنجوداڑو میں ان کو ایک چیز ملی مگر وہ موہنجوداڑو کی تہذیب کی نہیں ہے مثلاً آپ کو ایک لوٹا مل گیا۔ (سیاسی لوٹا نہیں) وہ آپ نے اٹھایا اور اس کی تحقیق کرنے لگے۔ (سیاسی لوٹے میں بھی صفات ہیں۔ یہ ہر زمانے میں ملتا ہے مگر یہاں آپ نے جس لوٹے کو اٹھایا ہے) یہ آپ کو مصر کی تہذیب میں جا کر ملے گا۔ جب مصر کی تہذیب کا لوٹا موہنجوداڑو میں ملتا ہے تو آپ سوچتے ہو کہ ہوا کیا ہے؟ اس کی ترسیل کیسے ہوئی ہے؟ How did it reach here. یہ کس source سے یہاں آیا؟ کیسے آیا ہے اور اس آمدورفت کے دوران خراب تو نہیں ہو گیا؟ جیسے ہبل آیا تھا. ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ کیسے آ گیا؟ کون لے کر آیا؟ اچانک عربوں کے دماغ میں ہبل کیسے آ گیا؟ پتہ چلا کہ یونان سے ''اپالو'' چلا اور ''کریٹ'' آیا کریٹ سے فونیشیا آیا، وہاں سے مصر آیا۔ وہاں کوئی عرب گیا اور ''اپالو'' کو اٹھا کر عرب میں لے آیا۔ فرق یہ ہوا کہ یہاں ''اپالو'' ہبل بن گیا۔ external اور internal criticism میں ایسے حقائق کو پرکھا جاتا ہے۔

اب witnesses (گواہیوں) کو define کروں گا کہ one needs to determine the origin of the source as well as where it was originally found. (اس تاریخی شے کی کسی مقام پر موجودگی کے علاوہ اس کے

اصل جائے مقام کو جاننے کیلئے شواہد چاہیئے ہوتے ہیں۔) یہ criticism کے اصول ہیں کہ اس کا زمانہ کتنا ہے اور شواہد کتنے ہیں۔ مقام اور وقت درست ہوں تو ایک گم شدہ اور گمنام شے اور بات بھی مستند ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کوئی ایک بات کرتا ہے مثلاً خافی خان نے اورنگ زیب عالمگیر کے بارے میں ایک بات کی ------ یا Haven Sang (ہیون سانگ) نے قبل از مسیح کے انڈیا کے بارے میں بات کی تو ہمارے پاس ہندوستان کے بارے میں یہی واحد sources ہیں کیونکہ اس زمان و مکاں کا تعین ہو گیا کہ Haven Sang (ہیون سانگ) اور فاہیان اسی زمانے میں تھے جس میں برصغیر کی تہذیب تھی۔ ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم انکو ماخذ تسلیم کر لیں۔ انڈیا کی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ ''ابوریحان البیرونی'' کی ''کتاب الہند'' ہے۔ ہم دیکھتے یہ ہیں کہ ابوریحان نے claim (دعویٰ) کیا ہے کہ وہ بارہ سال ہندو بن کر ہندوؤں کے ایک temple (مندر) میں رہا ہے اور وہاں وہ (جاسوسی کیلئے نہیں) انکا علم سیکھنے کیلئے گیا۔ واپس آ کر اس نے 'اخبار الہند' میں اس وقت کے ہندوستان کا جو ذکر کیا ہے وہ اس وقت تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ single witness (واحد گواہ) اپنے زمان و مکاں کے حوالے سے درست ہوں تو ایک گمنام اور اکیلی شے بھی قابلِ سند ہو سکتی ہے مگر یہاں character judgement (کردار کا فیصلہ) نہیں ہے We don't judge the history by the character of the people who look at it in different times and places. (ہم تاریخ کو ان لوگوں کے کردار کے حوالے سے نہیں پرکھتے جنہوں نے مختلف جگہوں اور وقتوں میں اسے دیکھا یا لکھا ہوتا ہے۔) زمان و مکاں کے سیاق و سباق میں ہمیں ان کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ابنِ بطوطہ کا کیا character تھا، فاہیان اور ہیون سانگ کے کردار کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم ------ But whatever we know we could say that they were honest observers (لیکن جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کی بنا پر ہم یہ کہنے کے قابل ہوں کہ وہ ایماندار مشاہد تھے۔) اور ہم نے ان کو historian (تاریخ دان) کی سند دے دی ہے۔

اگر حال کا پتہ نہ ہو تو تحریر پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کون ہے، کہاں کا ہے ------ ہو سکتا ہے کہ بعد میں آنے والے نے کوئی بات اس سے منسوب کر دی ہو جس کو ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ سچ ہے۔ گویا ان کا علم اور سچائی جاننا لازم ہوتا ہے۔ زبان کی

آگہی اور اس کی تبدیلیوں سے شناسائی لازم ہے تا کہ بات کو اس کے ماحول کے مطابق جانا جائے، گواہ کی تعلیم، مقام، کردار اور اسکی سیاسی رائے کا جاننا بھی لازم ہے۔ اس کی مثال بھی کل کی تاریخ میں ملتی ہے جیسے عالمگیر کے بارے میں 'خافی خان' نے لکھا کہ یہ ظالم تھا، ہندو کش تھا، ستم گر تھا، تو ہمیں اچھی طرح پتہ ہے کہ خافی خان شیعہ تھا اور اس کی سیاسی حمایت دراصل سکھوں کے ساتھ تھی اور چونکہ سکھوں کے ساتھ اورنگزیب کی سخت مخالفت تھی اس لئے وہ کوئی ہمدردانہ رائے اس کے بارے میں نہیں لکھ سکتا۔ جب ہم اورنگزیب کے کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو اورنگزیب کے بارے میں خافی خان کی بہت ساری opinions (آراء) مشکوک ہو جاتی ہیں۔

اگلی بات ہے گواہ کا عینی شاہد ہونا، ایماندار ہونا، فضول گفتگو کا عادی نہ ہونا۔ کیا پتہ ایک حقیقت میں دو باتیں غلط سنا دے اور تنقید اور شک کا مالک نہ ہونا۔ یہ تمام میں نے آپ سے تنقید کے western standards **(مغربی معیارات) بیان کئے**۔ مختصراً **اب یہ بتاتا ہوں کہ** حدیث میں جرح و تعدیل کی مسلمانوں نے کیا شرائط رکھیں۔ وہ شرائط جرح چار ہیں۔

راوی عادل اور متفحص ہو۔ کسی کے خلاف غلط رائے نہ رکھتا ہو، اس کی involvement کوئی نہ ہو۔

وہ ضبط اور یادداشت میں پورا ہو۔

پرہیزگار ہو۔

اور تبدیلی کے ماحول سے اچھی طرح واقف ہو۔

تعدیل کے اصول یہ ہیں کہ ہر روایت کو اچھی طرح یاد رکھتا ہو۔ اس کو جرح کے reasons (اسباب) معلوم ہوں۔ عالم اسباب کے ہر technical (تکنیکی) نقطے اور technology سے آگاہ ہو اور عدالت و امانت میں متواتر ہو، مشہور ہو۔

مندرجہ ذیل چار چیزوں کے الزام ہر راوی پر لگتے ہیں۔ جب تک وہ ان سے پاک نہیں ہوتے ان کو سند نہیں دی جاتی۔

کذب: اگر ساری زندگی میں ایک جھوٹ بھی راوی میں نکل آیا تو اس کی روایت نہیں لی جائے گی۔

تہمت: اگر اس پر کسی نے غلط تہمت بھی لگائی ہے تو وہ عادل نہیں رہے گا اس کو کسی صورت count نہیں کیا جائے گا۔

بدعت: اگر وہ مشہور ہے کہ دین کے علاوہ فضول باتوں کی تلقین کرتا ہے تو اس کی حدیث میں کسی قسم کی بھی شنوائی نہیں ہوگی۔

فسق: اگر وہ غیر شرعی حرکات میں شامل ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

جہالت: اگر وہ علم میں کم ہے، ناقص ہے تو اس کو راوی نہیں بنایا جائے گا۔

اگر وہ زبانی اغلاط کا مرتکب ہوتا ہے تو بھی اس کی روائت نہیں لی جائے گی۔

اگر اس کی یادداشت خراب ہے تو بھی روائت نہیں لی جائے گی۔

اگر غفلت اور لاپرواہی کا مرتکب ہوتا ہے تو بھی گواہی نہیں لی جائے گی۔

اگر وہم کرتا ہے اور اپنے خیالات میں جنات اور آسیب کا قائل ہے تو بھی گواہی نہیں لی جائے گی۔

اگر ذاتی طور پر مخالفت رکھتا ہے اور معزز و شریف لوگوں کی مخالفت کرتا ہے تو بھی اس کی گواہی نہیں لی جائے گی۔

اب اہم حصے کی طرف آتے ہوئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ checks اور معیارات کیا ہیں جس پر حدیث پرکھی جاتی ہے:

حدیث رکیک نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ایسا خیال نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف ہو۔ یہ ظاہری رکاکت بھی ہے اور معنوی بھی ہے۔ حضور ﷺ کو 'افصح العرب' کہتے ہیں۔ یعنی حضور ﷺ کی زبان میں کوئی رکیک لفظ نہیں آ سکتا۔ اگر آئے گا تو وہ حضور ﷺ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ایسی حدیث ترک کی جاتی ہے۔ اسی طرح معنوی طور پر ایسی بات حضور ﷺ نہیں کر سکتے جو گھٹیا ہو کمزور ہو، عامیانہ ہو جیسے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ "چار کو چار سے شکم سیری نہیں یعنی چار کا پیٹ چار سے نہیں بھرتا۔ زمین کو بارش سے، عورت کو مرد سے، آنکھ کو دیکھنے سے، عالم کو علم سے ......" یہ رکیک ہے، اس قسم کی حدیث حضور ﷺ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے اس حدیث کے اس معنی کو ترک کیا جاتا ہے۔ اس کو موضوع اور غلط سمجھا جاتا ہے۔ حدیث میں اگر مختلف پیشے اختیار کرنے کی برائی ہو تو وہ حدیث نہیں ہو سکتی۔ رسول ﷺ نے تمام پیشوں کو عزت بخشی ہے۔ معمولی سے معمولی کام کو عزت بخشی ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ حضور ﷺ کسی کو اس بات کی تلقین کریں کہ فلاں پیشہ خراب ہے مثلاً "حبشی جب شکم سیر ہوتا ہے تو غلط کام کرتا ہے۔ جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے"، اس قسم کا قول رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محدثین ایسی تمام احادیث کو جس میں اس قسم کی ناقص روائت ہو بیان ہی نہیں ہونے دیتے۔ اگر بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں

ہوں جو حضور ﷺ کی شان سے بعید ہوں تو وہ حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ مثلاً ......''داڑھی کی لمبائی، انگوٹھی کے نقش اور کیت سے آدمی کی عقل کا اندازہ کرو۔'' ایسی فضول بات رسول اللہ ﷺ نہیں کر سکتے۔ محدثین کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب نہیں ہو سکتیں۔ یہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی انگوٹھی نہیں پہنتے تھے، نہ کسی کو پہننے کی اجازت تھی۔ صرف مہر لگانے کیلئے وہ انگوٹھی استعمال کرتے تھے۔ اب بھی بہت سے لوگ آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس انگوٹھی کا کیا اثر ہوگا، اس انگوٹھی کا کیا اثر ہوگا مگر حضور ﷺ سے اسے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ پیشہ ور لوگ اپنے پیشے کی حمایت کیلئے ایسی بہت سی حدیثیں گھڑ لیتے ہیں۔

یہ بات حضور ﷺ کے prejudice میں بیان کی گئی ہے یعنی کہ عزت رسول ﷺ بڑھانے کیلئے مگر فرق یہ ہے کہ رسول ﷺ پر یہ غلط بات کی گئی ہے جیسے ......''اللہ نے کہا کہ اے رسول ﷺ اپنے نعلین نہ اتاریے عرش آپ کے نعلین پہن کر آنے سے شرف حاصل کرے گا۔'' یہ عقیدت و محبت میں ایک بہت اچھی بات ہے۔ سب کی خواہش ہوگی کہ ایسا کہا جائے مگر ایسا کہا نہیں گیا۔ محدثین نے اس باب میں کوئی ایسی حدیث recommend نہیں کی ہے۔

اگر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کی گئی کوئی غلط بات ہو تو اسے راوی قبول نہیں کرتے۔ جیسے اس حدیث کو دیکھئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو انہوں نے political leader (سیاسی رہنما) بنا دیا ہے۔ جیسے ''سب سے ناپسند کلام اللہ کے نزدیک فارسی ہے''۔ اسکے برعکس جو اصل حدیث رسول اللہ ﷺ کی موجود ہے وہ یہ ہے کہ:

''علم اگر اوج ثریا پر بھی ہوگا تو کوئی عجمی اسے
اتار لائے گا۔''

اگر آپ دیکھیں تو بخاری، مسلم اور سارے کے سارے ہی محدثین فارسی النسل ہیں یا ماوراء النہر کے علاقے کے ہیں اور ان پر اگر یہ حدیث چلی جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند کلام فارسی ہے تو پھر ان محدثین کے بارے میں کیا رائے ہوگی۔

اس قسم کی senseless احادیث بھی شامل کی گئی ہیں جیسے ''شیطان کا کلام خوزی (ایک قبیلہ) کا کلام ہے اور دو خوزیوں کا کلام نجاریوں (بڑھئی) کا کلام ہے۔''

حدیث محسوس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو مثلاً (یہ عورتوں کیلئے دلچسپ بات ہے۔) یہ حدیث مسواک کی حمایت میں مشہور ہے کہ ''مسواک سے فصاحت زیادہ ہوتی ہے۔'' مگر جب مسواک نہ

ہوگی تو کیا کرو گے ......؟ تو کیا حدیث غلط نہیں ہو جائے گی مگر یہ حدیث نہیں ہے۔ اسے add کیا گیا ہے۔

”عورت کی برکت یہ ہے کہ پہلے لڑکی جنے۔“ اب جس نے لڑکا جنا ہو وہ تو خواہ مخواہ خوار ہوگئی نا ...... وہ تو بے برکت ہوگئی ...... ایسی احادیث Non-functional (بے عمل) ہیں۔ ان کو خواہ مخواہ رسول اللہ ﷺ کے نام لوگوں نے جاری کر دیا اور محدثین نے ایسی حدیثوں کو موضوع قرار دیا۔ اس طرح چھ لاکھ حدیثیں انہوں نے رد کیں۔

اگر حدیث عقل کے خلاف ہو تو محدثین اسے رد کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی عام بندہ جسے وہ سنائیں گے تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ مثلاً یہ حدیث سنیے گا:

> ”حضرت نوحؑ کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف
> کیا۔ پھر مقام ابراہیمؑ کے پاس آ کر دو رکعت
> نماز پڑھی“۔

یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ بیت اللہ کے قریب آ کر کشتی کے مسافروں نے نماز پڑھی اور چلو یہ بھی مانا جا سکتا ہے کہ وہ کچھ تھوڑا جھک گئی ہوگی تو ایک رکعت ہوگئی مگر یہ کشتی دو رکعتیں کیسے پڑھ گئی ...... یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی ......

حدیث میں شہوات و فساد پایا جائے جیسے یہ کہا گیا کہ ”عورتوں کی شہوت مردوں سے زیادہ ہے۔“ اور جیسے انہوں نے حریرہ کھانے کے ساتھ جنسی کمزوری کا حل نکالا۔ یہ سب حکیموں کی دریافت کردہ ہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو یہ انڈین حکیموں کی دریافت کردہ ہیں۔ ہندوستانی اور قدیم حکما اس قسم کا الزام عورتوں اور مردوں پر دیا کرتے تھے اور جسمانی حکم لگایا کرتے تھے۔ انہوں نے کسی کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے ساری باتیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیں۔ یہ انتہائی غلط، احمقانہ اور جاہلانہ باتیں ہیں۔

حدیث اگر بنیادی طب کے خلاف ہو اور عام سطح پر جو بات محسوس کی جاتی ہے اگر اس کے خلاف ہو تو آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ اس پر اعتراض کرو مثلاً ”بینگن میں ہر بیماری کی شفا ہے“ میرا تو یہ خیال ہے کہ بینگن کا نام ”بے گن“ ہے یعنی اس میں کسی قسم کی کوئی صفت ہی نہیں ہے۔ اب اگر کسی نے بینگن بیچنے ہوں تو وہ کہے کہ تو نے حضور ﷺ سے نہیں سنا کہ بینگن میں ہر بیماری کی شفا ہے تو پھر ذرا گڑبڑ ہو جاتی ہے ...... اسی طرح حدیث ہے کہ ”اے علی! نمک استعمال

کرو اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے"۔ اس میں جزام، برص اور جنون کا نام بھی لیا گیا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اکرم ﷺ کی دعا موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ ان بیماریوں سے بچنے کیلئے اللہ سے مانگ رہے ہیں۔ وہ دعا ہمارے پاس موجود ہے جو مستند ہے جو بہترین انداز اور بہترین لہجہ ہے کہ:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ وَالْجُذَامِ وَسَیِّیءِ الاَسقَامِ"

(اے اللہ مجھے پناہ دے برص، پھلبہری اور دیوانگی سے اور تمام بری بیماریوں سے)

بعض احادیث میں exact ماہ و سال موجود ہیں حالانکہ سورہ روم میں اللہ نے نہیں گنوائے مگر بعض احادیث میں بعض جفریہ اور رملیہ حضرات نے ایسی احادیث نکالیں جن میں پکے پکے دن رکھ دیئے...... جیسے "سن ایک سو ساٹھ میں چار چیزیں اجنبی ہو جائیں گی۔ قرآن ظالم کے پیٹ میں، مصحف ایسے لوگوں کے گھروں میں جو تلاوت نہ کریں گے۔ مسجد قوم کی مجلس میں کہ وہ نماز نہ پڑھیں گے اور صالح آدمی برے لوگوں میں اجنبی ہو جائیں گے"...... اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سو ساٹھ برس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے ادوار آ جائیں مگر وقت کے تعین کے حوالے سے یہ حدیث ناقابل قبول ہے۔ یہ میں آپ کو درایت کے قوانین بتا رہا ہوں۔ یہ قوانین کسی ایک عالم کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ چھبیس جملہ اعلیٰ ترین محدثین نے pick and choose (انتخاب) کے جو قوانین بنائے ہیں وہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

چھوٹے کام پر بھاری ثواب آپ کو ملا لوگ تو بہت سناتے ہیں مگر افسوس ہے کہ غلط سناتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ ہم تو نیکی کے خیال سے کرتے ہیں کہ لوگ ثواب حاصل کریں...... مگر جب ثواب ہی نہیں ہوتا تو نیکی کا ہے کی گنی جائیگی۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ

> "جس نے جمعہ کے دن طلب ثواب کی نیت سے غسل کیا تو اللہ اسکے ہر بال کے بدلے قیامت کے دن نور لکھے گا۔ ہر قطرے کے بدلے جنت میں موتی، یاقوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجوں میں دو سو سال کی مسافت ہوگی"

ویسے تو جمعے کو غسل کر لینا چاہیئے مگر اتنے بڑے 'رپھڑ' (مصیبت) کیلئے نہیں...... اس کیلئے پہلے تو آپ کو ایک اعلیٰ ترین computer پر ثواب calculate (حساب) کرنا چاہیئے اور پھر مزید

ثواب کیلئے ہر جمعے کو تین تین غسل کرنے چاہئیں ......
ایسی حدیث بھی رد کی جائے گی جس میں چھوٹی بات پر بڑی سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ بات معمولی سی ہو، اللہ کے نزدیک چھوٹی سی ہو اور شاید وہ بخش ہی دے مگر اس پر سزا لمبی چوڑی سنا دی جائے مثلاً (غور سے سنئے بڑی خطرناک بات ہے۔) ''جس نے عشاء کی نماز کے بعد شعر کہا تو اس کی اس رات کی کوئی نماز قبول نہیں ہوگی''۔ اب وہ طالب علم کیا کریں گے جو شاعری پڑھتے ہی عشاء کے بعد ہیں، تو یہ ایک ناقص بیان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کبھی یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ حالانکہ احادیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر تک بیٹھتے اور زمانہ جاہلیت کے عرب شعراء کی باتیں کرتے تھے۔ وہ حدیث بھی ناقابل قبول ہے جس میں ذاتی مفادات، گروہی عصبیت، دین اور مسلک کے خلاف باتیں کی جائیں۔

اس سے پہلے کہ اب میں آخری بات ان اعتراضات کے بارے میں کروں جو بخاری اور مسلم پر ہوئے ہیں۔ احادیث کی کچھ وضاحت technically اور knowledgeably (فنی اور علمی) طور پر کرنا چاہوں گا۔ اس سے پہلے میں یہ بتاتا چلوں کہ احادیث پر اعتراضات کرنے والے کون لوگ ہوتے ہیں۔ جو اعتراضات آپ نے سنے ہیں یہ پہلے محدثین روایت اور درایت میں کر چکے ہیں۔ جو کر چکے ہیں اب اس سے زیادہ آپ کے ذہن میں کوئی ایسی چیز نہیں آ سکتی کہ جس کی بنیاد پر آپ ان احادیث کو پرکھ سکیں مگر اس کے باوجود ہم نے یہ دیکھا کہ جن نقادانِ احادیث کو ہم نے پایا ہے ان کی تعلیمات ادھوری اور معیار غیر علمی ہیں۔ نہ وہ کلاسیفائیڈ محدث ہیں، نہ مفکر ہیں، نہ مناسب فہم و فراست رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس جو چند ایک مثالیں موجود ہیں وہ گورنمنٹ کے ملازم، بیوروکریٹ فارغ وقت میں تنقیدی آرٹیکل لکھنے والے، چاہے وہ اسلم جالپوری ہوں، چاہے پرویز ہوں، چاہے پرویز مشرف ہوں چاہے کوئی اور دانشور ہوں، چاہے وہ سوشلسٹ ہوں، ایک بات یقینی ہے کہ وہ کلاسیفائیڈ عالم نہیں ہوتے۔ ان کی اس علم میں تحصیل Zero (صفر) ہے۔ ان کی کوئی classification نہیں ہوتی۔ جب میں احادیث پر کئے گئے ان کے اعتراضات پر آپ کو جواب دوں گا تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ علم میں کتنے ناقص ہیں۔ یہ سیکولر، جدید طرز فکر اور روشن خیال گروہ...... حالانکہ روشن خیالی سے مراد اعلیٰ ترین علمی توجیہات تھیں جبکہ جو ہمیں بتایا گیا اور جس قسم کے ناقص اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ رسول ﷺ کی شان میں کمی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ یہ گورنمنٹوں کے ملازم، یورپ اور

امریکہ کے خدام، غریب اور مساکین فکر، یہ مغلوک الفہم علماء جو ہیں ان کو آپ آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مذہب کے بارے میں defensive اور apologetic ہیں۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ سب سے معافی مانگتے ہیں کہ یار بڑی بدقسمتی ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ پلیز قبول کر لو...... کبھی امریکہ میں ڈاکٹر شبیر صاحب یہی حرکت کر رہے ہوتے ہیں کہ یار فکر نہ کرو میں ساری حدیثیں غلط قرار دے دوں گا۔ آپ بس مجھے گرین کارڈ دے دو۔ واپس نہ جانے دینا۔ یہ مدافعتی، معذرت خواہانہ اور خوشامدانہ مسلک والے لوگ ہیں۔ ایک صاحب صرف ٹی وی پر آنے کیلئے یہ ساری حرکتیں کئے جا رہے ہیں۔ ایک صاحب گورنمنٹ کا ایک آفس لینے کیلئے حدیث کے خلاف اچھل کود فرما رہے ہیں۔ ایک خاتون محترم حدود کے سبق دے رہی ہیں کیونکہ انہوں نے خوش کرنا ہوتا ہے اپنے آپ کو یا اس طرز حکومت کو جو وہ چاہتے ہیں یا اس انداز فکر کو جو بقول ان کے یورپ اور مغرب میں اعلیٰ ترین سوسائٹی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ہمیں تو ابھی تک کوئی ایسا مفکر، مفسر اور دانش ور یورپ میں نظر نہیں آیا جو بخاری اور مسلم سے بہتر رائے کی تنقید کر سکے، جو حدیث میں امام ابن حجر عسقلانیؒ یا امام ابن تیمیہؒ جیسا سکالر ہو۔ ہمیں جملہ جملہ کچھ اچھی کوشش نظر آتی ہے مگر بغیر کسی مکمل آگہی کے۔ کچھ احادیث پر اعتراضات ذاتی اغراض، احساس کمتری ورمنفی احساس برتری کا نتیجہ ہیں۔ "ابھی پندرہ سو برس سے رسول اللہ ﷺ کی تعریف ہو رہی ہے اور میں خوامخواہ jelous (حاسد) ہو جاتا ہوں کہ "یار آخر پندرہ سو برس پہلے ایک دانشور کی ایسی تعریف ہوئی جا رہی ہے۔ ہم تو ان سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ ہارورڈ سے آئے ہیں، کیمبرج سے آئے ہیں، ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ ہم تو اپنی ذہانت میں اعلیٰ معیار کے لوگ ہیں اور وہ محمد عربی ﷺ، وہ بدوؤں کو سبق دینے والے، وہ ہم سے زیادہ معزز ہو گئے" ...... Indirectly they don't believe in the honour of the Prophet. ہوتے یہ مسلمان ہیں، یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اسلام کا انکار کر دیں مگر اندر سے وہ کوشش کر رہے ہوتے ہیں کہ اس یقین، اس اعتماد اور اس محبت کو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لوگوں کو ہے اس کو کمزور کر سکیں۔

بعض اعتراضات بالکل لادین عناصر کی طرف سے ہیں جو حدیث، قرآن اور پیغمبر کو سرے سے نہیں مانتے تو وہ instruments ڈھونڈتے ہیں کہ کس پر اعتراض کریں۔ جب وہ حدیث پر اعتراض کرتے ہیں تو وہ پھر قرآن پر بھی چلا جاتا ہے، اللہ پر بھی چلا جاتا ہے۔ رسول ﷺ پر بھی چلا جاتا ہے۔ یہ ان کی ایک technique ہے۔

کچھ سائنسی منکرین بھی ہیں جن کو سائنس بہت آتی ہے وہ بدقسمتی سے local scientific effects (مقامی سائنسی اثرات) پر تنقید کر رہے ہوتے ہیں۔ انکا خیال یہ ہے کہ پیغمبر کو سائنسی ایجادات کا نہیں پتہ تھا۔ یہ نہیں پتہ تھا، وہ نہیں پتہ تھا۔ جو حدیث وہ کاپی کرتے ہیں وہ اس نوعیت کی کاپی کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں وہ یہ بتا سکیں کہ دیکھو جی! رسول ﷺ کو سائنس کا ہی نہیں پتہ تھا۔ یہ حدیث ہو ہی نہیں سکتی ...... یا حدیث غلط ہے، یا رسول غلط ہے ...... دونوں طرف سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کچھ اعتراضات وقت اور مقام سے پیدا ہوئے۔ ان میں تھوڑی سی justification ہے کہ شروع میں کچھ احادیث ایسی تھیں جو بعد میں آ کر improve (تبدیل یا بہتر) ہوئیں۔ جیسے پہلے خضاب لگانا منع تھا پھر جائز ہوا۔ پہلے عذاب قبر کے بارے میں کہا گیا کہ نہیں ہوتا، بعد میں وضاحت آ گئی تو کہا گیا کہ ہوتا ہے تو یہ احادیث زمان و مکاں کے لحاظ سے ہیں جو بعد میں یا منسوخ ہوئیں یا بہتر ہوئیں یا مزید وضاحت آئی مگر چونکہ محدثین صاحبِ نسخ نہیں تھے وہ کسی چیز کو از خود منسوخ نہیں کر سکتے تھے اس لئے دونوں حدیثیں رہ گئیں جیسے قرآن میں بھی ہے کہ پہلا شراب کا حکم ...... پھر دوسرا شراب کا حکم ...... پھر تیسرا ممانعت کا حکم ...... اس طرح تھوڑی تھوڑی کر کے جو ہدایات آئی ہیں تو اس کی وجہ سے کبھی لگتا ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کے خلاف ہے۔ اصل میں ایسا نہیں ہے۔ یہ احادیث کچھ منسوخ ہوئیں، کچھ بہتر ہوئیں، کسی میں مزید وضاحت آئی اور یہ زمان و مکاں کی وجہ سے آئیں۔ اب ہمارے پاس روایت و درایت کے اصول موجود ہیں آج اس زمانے میں ہم اُس زمانے کے محدث کو چیک نہیں کر سکتے جیسے اگر ہم نے "واٹرلو" کی جنگ پڑھی ہے یا ہم نے واقعہ قادسیہ کی جنگ پڑھی ہے یا (ہوریشو) Hureshu کی جنگ جو ایران کے ساتھ ہوئی وہ پڑھی ہے تو اب ہم اس کی کسی قسم کی تحقیق کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ At most we can only discover a man of that age. ہم اسی وقت کے لوگوں کی معلومات پر بھروسہ کریں گے مگر جب اس وقت کے لوگوں کی معلومات پر بھروسہ کریں گے تو ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ کیا وہ بہتر اور سچے راوی ہیں یا غلط راوی ہیں۔ اس کی حفاظت محدثین نے کی ہے۔ historians (تاریخ دانوں) نے نہیں کی اس لئے زیادہ تر تاریخ گپ شپ پر مبنی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کے محدثین پر اعتراضات کرنے کیلئے ہمارے آج کے دانشور کمترین لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں، راہگزروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں

نے کچھ احادیث پر اعتراضات کئے جو آپ کے ذہن میں بھی ہوں گے ۔ مثلاً Stonning of monkey (بندر کا رجم) یہ بخاری کی حدیث ہے ۔ ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ وہ سفر میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ بندروں کا اجتماع ہے ۔ جس میں بندر ایک بندریا کو سنگسار کر رہے تھے ۔ تو جب یہ 'مسخ' کی آیت آئی کہ ہم نے بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو ان کی نافرمانی کی سزا کے طور پر خسیس بندروں میں تبدیل کر دیا یعنی ان کو مسخ کر دیا تھا...... تو ایک صحابی نے اپنا ایک واقعہ سنایا ۔ اس واقعے کو حدیث نہیں کہا جا سکتا نہ یہ حدیث ہے ۔ اسکا رسول ﷺ سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ فرض کرو کہ آپ میں سے کوئی شخص آئے اور آپ کو کوئی مصدقہ بات بتائے تو اس پر غور وفکر تو ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح رسول ﷺ کی مجلس میں کوئی شخص آیا یہ واقعہ بیان کیا اور یہ بخاری کا حصہ ہو گیا ۔ حضور ﷺ نے ان صحابی سے یہ واقعہ سن کر اس پر کوئی رائے نہیں دی ۔ اب اس حدیث کو غلط کہا جاتا ہے ۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ غلط کیوں کہا جاتا ہے ۔ پوری حدیث یہ ہے کہ ایک صحابی آئے انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ: "یا رسول اللہ ﷺ میں ایک جگہ سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ کچھ بندر ایک بندریا کو سنگسار کر رہے تھے ۔ کیا یہ بنی اسرائیل کی انہیں نسلوں میں سے نہ ہوں جن کو مسخ کر دیا گیا تھا" ۔ یعنی انکا مطلب تھا کہ میں نے ایک بندر کو رجم ہوتے دیکھا ۔ یہ بات رسول ﷺ نے کسی عالم میں نہیں کہی صرف ایک صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے یہ بات کہی ۔ اب آپ بتائیے کہ کیا اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے؟ اعتراض یہ ہے کہ بخاری نے یہ واقعہ کیوں لکھا ۔ مجھے تو سمجھ نہیں آئی کہ جناب پرویز نے اور جناب نذیر صاحب نے اس حدیث پر کیوں اعتراض کیا ۔ پتہ نہیں ایسی کتنی ہی باتیں ہوں گی جو حضور ﷺ سے بیان کی جاتی ہوں گی ۔ اس پر اعتراض کی کوئی وجہ مجھے سمجھ نہیں آئی ۔

جملہ حدیث ہے کہ "بخار کی ایک وجہ جہنم کا شور ہے ۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو" ۔ مصنف کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ بخار تو جہنم سے نہیں ہے ۔ ایک معمولی سی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے بخار کی مثال دی ہے کہ یہ بخار جہنم کی آگ سے ہے جیسے میں نے آپ سے کہا تھا کہ عرب کا محاورہ، انداز بیان اور روزمرہ نہ جاننا بھی اعتراضات کا باعث بنا ۔ اگر غور کیا جائے تو جہنم میں ہر وقت آگ جلتی ہے اور بخار کی کیفیت بھی یہ ہے کہ یہ بدن کے ہر حصے میں ہوتا ہے ۔ ہر حصہ توڑتا جوڑتا ہوا نکل جاتا ہے اور وضاحتاً گرمی محسوس ہوتی ہے تو اس میں خلاف عقل کیا بات تھی ۔ شاید وہ عقاد محاورے اور روزمرہ سے اتنے غافل ہیں کہ وہ جہنم کو اصل جہنم سمجھ رہے ہیں ۔ وہ

اس کو عقل کا یا روزمرہ کا advantage (فائدہ) نہیں دے رہا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جہنم کی آگ سے ہی بخار ہے۔ اگر یہ واقعی جہنم کی آگ ہوتی تو پھر کچھ بھی نہ بچتا۔ یہ بڑی اہم بات ہے جو حضور ﷺ نے کہی کہ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ خواتین و حضرات! جب بخار تیز ہو جائے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ پانی کی پٹیاں ہی رکھتے ہونا! پہلے پانی کی پٹیاں ہی رکھتے تھے۔ آج بھی آپ اس حدیث پر عمل کر رہے ہو مگر موصوف کو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ پانی کی پٹیوں سے بخار کیسے ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ A doctor can better answer this question. ایک ڈاکٹر ہی اس سوال کا صحیح جواب دے سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ہے۔

ایک حدیث ہے کہ "مکھی اگر دودھ میں گر جائے تو اسکا دوسرا پر بھی ڈبو دو کہ اس میں تریاق ہوتا ہے"۔ اس حدیث پر بھی اس نے اعتراض کیا۔ میرا خیال ہے کہ معترض انتہائی جلد باز تھا۔ تھوڑا انتظار کر لیتا تو تحقیق سامنے آ جاتی اور اسے پتہ چل جاتا کہ مکھی کے دوسرے پر میں anti dote (تریاق) موجود ہے۔ میرے خیال میں معترض مکھی سے کراہت بہت کھاتا ہوگا۔ کوئی آسیب ہوگا اس کے ذہن میں جیسے کچھ لوگ مکڑی سے بہت کراہت کھاتے ہیں، کچھ چھپکلی سے کراہت کھاتے ہیں اس لئے ان کی یہ بات تو مانی جا سکتی ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے کراہت بہت آتی ہے مگر اس حدیث میں کوئی خامی نہیں ہے۔ مکھی کے دوسرے پر میں واقعی anti-dote ہوتی ہے۔ and it is most established by the most modern researches بہت سی تحقیقات سے بھی اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سچے تھے اور معترض ذرا کم عقل واقع ہوئے ہیں۔

ایک واقعہ پیش آیا۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ان کو جلدی بیماری تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اونٹوں کا پیشاب پیو۔ انہوں نے پیا اور وہ تندرست ہو گئے۔ نقاد کو یہ بات بڑی بری لگی کہ دیکھو جی! اللہ کا رسول یہ بتا رہا ہے کہ اپنے اونٹوں کا پیشاب پیو۔ اب اگر اس نقاد کی جگہ کوئی عیسائی ہوتا تو کتنا appriciate (قدر) کرتا...... یعنی آج کے اس دور میں technically جبکہ جونکیں استعمال ہو رہی ہیں جو کہ ایلوپیتھی میں ایک مستند طریق علاج ہے۔ اسی طرح اب urine (پیشاب) کو جلد کے علاج کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ تفصیل جانا چاہیں تو ڈاکٹر جلیل آپ کو بتا دیں گے۔ پیشاب کے باقاعدہ analysis (تجزیہ) میں یہ

شناخت موجود ہے۔ اگر دیکھو تو urine میں ہے ہی کیا؟ Certain residues which do help a man when there is no water available. سچ پوچھو تو لوگوں پر کئی مرتبہ یہ نوبت آئی کہ انہوں نے اپنے urine کو پی کر گزارہ کیا ہے اور وہ مرے نہیں صرف یہ کہ اس کی بدبو بہت ناگوار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو بیماری ایسی گندی اور غلیظ تھی جس پر حضور ﷺ نے ان کو ایسا کہا۔ اس کا نتیجہ بھی وہی نکلا کہ وہ ٹھیک ہو گئے۔ جب وہ ٹھیک ہو گئے تو پھر بھلا نقادوں کو کیوں اعتراض ہے......؟ انکو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ شیطان کے (horns) سینگ ہیں۔ موصوف نے اس پر بڑا اعتراض کیا کہ یہ ایک نحیف statement (بیان) ہے۔ جناب! یہ نحیف نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں دو بڑی تہذیبیں سورج کی پرستش میں مبتلا تھیں۔ Egyptians (مصری) اور فراعین مصر خداوند "رع" (Raa) یا Rising Sun god کی پرستش کرتے تھے۔ دوسری طرف زرتشت اور ایرانی آگ اور سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے صبح و شام کی عبادات کے یہی اوقات تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان کے دو رخوں سے نکلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ پہلے ہی سے ان دو حصوں غروب اور طلوع کو شیطان کا حصہ سمجھتے ہیں اس لئے خبردار رہو اور ان دو وقتوں کو تم اپنی عبادت کیلئے ترک کر دو تا کہ تمہاری مشابہت ان سے نہ بنے۔

ایک اور اعتراض ہے کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا، اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت خاوند کو betray نہ کرتی۔ اصولاً یہ ایک بڑا پرانا تاریخی حوالہ ہے کہ حضرت آدم خطا نہ کرتے مگر جب حوا کو شیطان نے بتایا کہ اس میں eternal life (ہمیشہ کی زندگی) ہے اور تمہیں جبراً روکا جا رہا ہے اور تم کسی نہ کسی طریقے سے خاوند کو قائل کر لو...... مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ حوا نے آدم کو exploit کیا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ میں تو سزا یافتہ ہو گئی میں تو چلی اور تم آرام سے رہو جنت میں...... تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے:

ہمہ یاراں دوزخ ہمہ یاراں جنت

میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں تو خیال کیا جاتا ہے کہ آدم سے پہلے حوا eternal life کے شوق میں trap ہوئیں۔ ہمیشہ کی زندگی کے لالچ میں شیطان نے انہیں بہکایا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو

شاید مرد اور عورت میں کبھی کوئی غلط فہمی پیدا ہی نہ ہوتی۔ (اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔) مگر یہ ایسی کوئی بات نہیں جس کو ہم غلط کہہ سکیں۔

ایک اور حدیث پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ Musa slaped the angel of death (موسیٰ نے فرشتہ اجل کے منہ پر تھپڑ دے مارا) انہوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ یہ موسیٰ نے کیا کام کیا؟ خواتین و حضرات! میں یہ imagine (خیال) کرتا ہوں کہ ایک شخص عام لباس میں آئے اور اس صاحب جلال پیغمبر سے کہے کہ اے موسیٰ میں تجھے لینے آیا ہوں تو موسیٰ آگے سے کیا کرے گا؟ تھپڑ ہی مارے گا ...... اگر کوئی مجھے بھی لینے آ جائے اور کہے کہ چلو جی، میں جان لینے آیا ہوں تو میرا آگے سے چارہ ہی کیا ہوگا کہ یا تو بھاگ جاؤں گا یا اسے تھپڑ دے ماروں گا۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ نے بڑا نیچرل کام کیا مگر پرویز صاحب کو یہ بڑا انوکھا کام لگ رہا ہے۔ بعد میں جب موسیٰ کو پتہ چلا تو پھر بڑی مفاہمت اور سلوک پیدا ہو گیا کہ یار مجھے پتہ نہیں تھا۔ I'm sorry اگر تُو چاہے تو مجھے لے جا سکتا ہے۔

ایک اور بڑا دلچسپ اعتراض اس بات پر کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اسّی برس کی عمر میں ختنہ فرمایا بسولا کے ساتھ ...... اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کا رواج نہیں تھا پھر اس کا حکم آیا۔ ویسے حضرت ابراہیمؑ کی عمر بھی تو تین سو برس تھی اور اس میں اسّی برس بچپن ہی ہوا نا! پھر حضرت ابراہیمؑ نے دین کو قائم کیا۔ سنتِ خلیل اللہ قائم ہوئی، دینِ ابراہیمؑ کو چنا گیا، process سے گزرے تب اللہ کا حکم ختنہ کا آیا اور ان کے پاس اس وقت کوئی دوسرا اتھا بھی نہیں اسلئے از خود ختنہ فرمایا تو مصنف کو یہ بات بری لگی ...... میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مصنف کا اپنا ختنہ نہیں ہوا ہوگا ......

اب میں ایک اور بہت اہم بات کرنے جا رہا ہوں کہ آپ بھی کہتے ہو۔ ہر کوئی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو ہوا تھا۔ معترض نے بھی کہا کہ جادو ہوا تھا۔ ایک بہت بڑا استاد جو ساری دنیا کیلئے معزز تھا، جس کی تعلیمات رہتی دنیا تک قائم رہنی تھیں اس سے لوگ بار بار پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ سحر کیا ہے؟ سحر کیسے ہوتا ہے؟ سحر کی تعریف کیا ہے؟ وہ استاد جو امین ہے، وہ استاد جو صادق ہے وہ پھر لوگوں کو کیا بتاتا کہ سحر کیا ہے اور اگر بغیر جانے وہ یہ بتا دیتا تو پھر وہ سچا نہ ہوتا، وہ امین نہ ہوتا۔ اسلئے خواتین و حضرات! اس غلط فہمی کا ازالہ کر لیجئے کہ رسول اللہ ﷺ پر سحر نہیں ہوا بلکہ ان پر سے سحر گزارا گیا۔ ایک بہت بڑے استادِ گرامی پر سے سحر اس لئے گزارا گیا کہ جب تک

آپ ﷺ نے اس کیفیت کو دیکھ نہیں لیا، سمجھ نہیں لیا، انہوں نے لوگوں کو بتایا نہیں کہ سحر کیا ہوتا ہے اور جب یہ مسئلہ طے ہوا تو نہ صرف یہ کہ بتایا گیا کہ سحر کیا ہوتا ہے بلکہ اسکا علاج بھی بتایا اور فرمایا کہ عرش کے پائے سے مجھے دو چمکتی ہوئی سورتیں عطا ہوئی ہیں "والناس اور فلق" اس لئے یہ سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا کہ رسول اللہ ﷺ پر سحر ہوا۔ کوئی ان پر سحر نہیں کرسکتا تھا مگر یہ کہ اللہ کی مرضی سے...... ایک ایسے بڑے استاد کو جو بغیر تجربہ کے اپنا علم convey نہیں کرسکتا تھا یہ لازم تھا کہ حضور ﷺ اس کیفیت سحر سے گزرتے اور جانتے کہ سحر کیا ہوتا ہے۔ پھر لوگوں کو بتاتے کہ سحر کیا ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ سحر ہوا۔ یہ کہنا درست ہے کہ سحر ان کے باطن سے گزارا گیا۔

ایک حدیث پر بے تحاشا اعتراضات کئے گئے، مستند اور پختہ حدیث ہے، میرے اور آپ جیسے لوگوں کیلئے روح کی بخشش کا باعث ہے۔ کرم اور عنایت کا باعث ہے۔ حضور ﷺ کا تحفہ، امت ہے...... اصحاب رسول ﷺ جمع تھے۔ اصحاب نے فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم کبھی گناہ نہیں کریں گے، حضور ﷺ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ کہا کہ تم ایسی بات کرتے ہو تو اللہ تمہیں زمین سے نیست و نابود کردے گا اور ایسے لوگ پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے، توبہ کریں گے اور خدا ان کو بخشنے میں زیادہ خوشی محسوس کرے گا"۔ مصنف کو اس حدیث پر بڑا اعتراض ہے۔ پرویز کو بہت اعتراض ہے، تمام عملیت پسندوں کو بہت اعتراض ہے کہ یہ کیسا ظلم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری امت کو سنا دی کہ تمہاری خطا کی کوئی بخشش موجود ہے...... یہ وہ لوگ ہیں جو اصل میں بنیاد پرست (fundamentalist) لوگ ہیں۔ practicalist (عملیت پسند) یہ سمجھتے ہیں کہ تمام زندگی اعمال پر ہے۔ ایک تو جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں گناہ نہیں کروں گا تو وہ ایک genetic disorder (جین کی بے قاعدگی) کی شکایت کررہا ہے کیونکہ انسان کے تو gene میں خطا ہے۔ اس کے باپ کے gene میں خطا ہے۔ سب سے پہلا کام جو آدم نے کیا وہ خطا کی اور پہلا کام جو اللہ نے کیا وہ اسے بخشش عطا کی اور پہلی دعا بھی ہمارے پاس یہی آئی:

"رَبَّنَا ظَلَمنَا اَنفُسَنَا وَاِن لَّم تَغفِرلَنَا وَتَرحَمنَا لَنَکُونَنَّ مِنَ الخٰسِرِینَ" (۷:۲۳)

اسکے سوا میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ سنگدل لوگ ہیں جو اللہ کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنے بندوں کو بخش دے۔ اجازت یہ لوگ نہیں دیتے، اللہ تو ہمارے لئے بہت کچھ کرتا ہے۔ بڑی مہربان ہستی ہے، بڑا کریم ہے، وہ اور اس کا رسول ﷺ ہر ممکنہ دو چار حدیثیں بخشش کی ہمیں سنا دیتا ہے مگر یہ معترض قائل نہیں ہوتے۔ قرآن میں بھی اللہ کہتا ہے کہ:

"یٰعِبَادِیَ الَّذِینَ اَسرَ فُوا عَلٰی اَنفُسِہِم لَا تَقنَطُوا مِن رَّحمَۃِ اللّٰہِ"(۳۹:۵۳)
باقی سارے گناہ کرنا مگر میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ میں تمام گناہ بخشتا ہوں، ان میں کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ میں غفورالرحیم ہوں۔ وہ بخشش کرتا ہے مگر پرویز نہیں ہونے دیتا۔ وہ نہیں مانتا وہ کہتا ہے ... No کوئی گناہ شاہ نہیں بخشے جانے چاہئیں۔ بہت سارے fundamentalist نہیں مانتے۔ بہت سارے سخت ترین علماء نہیں مانتے۔ وہ بچے کو نہیں بخشتے، بڑے کو نہیں بخشتے۔ یہ ایک گروہ ہے ہمارے اندر کہ جو وہ چاہتے ہیں، جیسا وہ چاہتے ہیں ویسا لوگوں کے اوپر مسلط کر دیتے ہیں۔ یہ اعتدال اور توازن نہیں چاہتے، سختی اور تشدد چاہتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ پیغمبر نہیں ہوتے، مگر زور اس بات پر دیتے ہیں کہ پیغمبر ہماری طرح ہیں ......چلو مان لیا کہ پیغمبر تمہاری طرح ہیں مگر تم تو پیغمبر نہیں ہوا ......

جب حضور ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عذاب قبر ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک ہری شاخ توڑ کر اس پر لگا دی اور کہا کہ جب تک یہ شاخ ہری رہے گی اسکو عذاب نہیں ہوگا۔ مگر موصوف کو بڑا اعتراض ہے کہ یہ تو بڑا غلط ہو گیا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ وہ کتنا شفیق پیغمبر ہے اور اگر ان کے حضور سے کسی کا تھوڑا سا عذاب ٹلتا ہو تو مجھے نہیں سمجھ آتی کہ ان لوگوں کو کیا اعتراض ہے۔ اگر آپ کو کوئی سمجھ آئی ہے تو مجھے بتائیں کہ ان کو کیا اعتراض ہے؟ وہ اس حدیث میں کس چیز کے خلاف ہیں۔ کیا عذاب قبر کے خلاف ہیں؟ تو ان کو پتہ جو نہیں ہے اور اگر اس ہری شاخ کے خلاف ہیں جو لگائی گئی تو They don't think like prophet and they don't give the right to the prophet to act like a prophet. وہ پیغمبر کی طرح سوچتے نہیں ہیں اور وہ پیغمبر کو پیغمبر کی طرح عمل کرنے کا حق نہیں دیتے وہ چاہتے ہیں کہ اگر پیغمبر وہاں سے گزرتے تو کہتے کہ اس کو آگ لگا دو یہ تو پہلے ہی عذاب میں جل رہا ہے۔ اس قسم کے ان کے تصورات ہیں۔

ایک اور حدیث پر بڑا سخت اعتراض ہے جو عورتوں کے بارے میں ہے۔ اصل میں حضور ﷺ سمجھتے تھے کہ عورتیں شاید ڈر اور خوف سے بہتر سمجھیں۔ یہ حدیث بڑی مختصری ہے اور بہت سی عورتیں اس بات کو تسلیم کریں گی۔ فرمایا کہ میں تم میں سے بہت سوں کو جہنم میں دیکھتا ہوں تو عورتیں بیچاری رو پڑیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارا کیا قصور ہے۔ کہا کہ تم غیبت بہت کرتی ہو، خاوند کی ناشکرگزاری بہت کرتی ہو۔ وہ بیچارہ مدتوں آپکی فکر کرتا ہے۔ ایک دن اس سے غلطی ہو جائے

تو تم کہتی ہو کہ تم ساری عمر ہی ایسا کرتے رہے ہو۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کا حل کیا ہے۔ کہا کہ صدقات دیا کرو تو اسی وقت عورتوں نے زیور اتار کر رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہماری طرف سے صدقات ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہاں مرد اور عورتیں دونوں موجود ہیں۔ آپس کے رویوں کا بھی علم ہے اور جو حضور ﷺ نے بات کی اس کا بھی علم ہے۔ جو عورتیں ایسی نہیں اللہ ان پر رحم کرے اور جو ایسی ہیں، اللہ ان پر بھی رحم کرے اور حضور ﷺ نے کوئی غلط point out (نشان دہی) نہیں کیا تھا مگر یہ نہیں کہا کہ صدقات دینے کے بعد بھی وہ غلط رہیں گی۔ دراصل اللہ نے ان کو خیرات وصدقات کی زیادہ تلقین کی ہے۔

اگلی ساری رسول اللہ ﷺ سے عقیدت ومحبت کے بارے میں احادیث ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا پانی گرتا تو صحابہ کرام اٹھا لیتے۔ تھوک نکلتی تو اسے منہ پر مل لیتے مگر اسکو بڑا برا لگتا ہے کہ میرا کیوں نہیں ایسا ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ This is impossible یہ نہیں ہو سکتا، یہ غلط ہے مگر یاد رکھئے کہ پیغمبر deleberately (دانستہ) ایسا نہیں کرتا۔ جن لوگوں کو پیغمبر کا پتہ ہے کہ یہ پیغمبر ہے ان کو پتہ ہے کہ وہ ’ختم المرسلین‘ کے ساتھ ہیں۔ جن کو پتہ ہے کہ ہم اللہ کے آخری رسول کی صحبت میں ہیں وہ بھلا ان کا بال کیسے ضائع ہونے دیں گے۔ ان کے پانی کا ایک قطرہ کیسے ضائع ہونے دیں گے۔ ایک پورا وجود جو برکت اور خیر والا ہے اسکی ہر چیز برکت اور خیر والی ہے وہ کیسے اس چیز کو ضائع ہونے دیں گے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں انہیں احمق سمجھتا مگر وہ اصحاب وقت تھے، صاحب خیر تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ prophet کی اہمیت کیا ہے اور ان کو پتہ تھا کہ اس نبوت عالی مقام کی ہر چیز کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔ غالباً معترض کے علم میں یہ سب نہیں ہے اس لئے وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

بے شمار اور ایسی احادیث ہیں، جو شاید سوال و جواب میں بھی نکلیں میں نے اس سارے لیکچر میں کوئی تعاطی نہیں کی، کوئی لفظ اپنی طرف سے add نہیں کیا اور یہ کوشش کی ہے کہ آپ کو مقامِ حدیث اور حقائق کے بارے میں بتاؤں۔

سوال و جواب

سوال: جونکوں سے علاج کو medically بیان کریں؟

جواب: (ڈاکٹر عبدالجلیل) Leeches (جونکوں) سے علاج ہو رہا ہے۔ leeches باقاعدہ grow (پرورش) کی جاتی ہیں اور بعض جگہوں پر veins (وریدوں) میں جہاں خون accumulate (جم) ہو جاتا ہے وہاں جونکیں لگائی جاتی ہیں اور ان کی مدد سے وہاں سے خون نکال لیا جاتا ہے۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے دانت اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جب یہ ان سے کٹ لگاتی ہیں تو ان کا زخم بڑی جلدی heal (مندمل) ہو جاتا ہے اور بعد میں وہاں cottling (خون جمنے) کو بھی stimulate (متحرک) کرتی ہیں۔ یہ ایک established method ہے۔

میں اس سلسلے میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ طب کے حوالے سے کچھ احادیث ایسی ہیں کہ ان پر جلد بازی کے بجائے صبر سے کام لینا چاہئے۔ آج سے پچاس سال پہلے جب جونکیں out of fashion ہو گئیں اور سائنس نئی نئی جوان ہوئی اور طب اپنی طفولیت میں تھی اور بڑے ناز نخرے میں تھی تو وہ leeches کا مذاق اڑا رہی تھی مگر آج ان کی اہمیت مسلم ہو چکی ہے اور اس سے متعلق حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو سوچنا چاہئے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایسے طریق علاج ہیں جو آج سے تیس سال پہلے بڑے established طریق علاج تھے۔ جیسے prostate کے کچھ طریق علاج good standard سمجھے جاتے تھے مگر آج وہ طریقے sub-standard سمجھے جاتے ہیں اور اس سے بہتر techniques نکل آئی ہیں۔ less invasive techniques نکل آئی ہیں یعنی سائنس ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اگر آقاو رسول ﷺ نے طب کے حوالے سے کوئی بات فرمائی اور ہماری سمجھ میں نہیں آئی تو آپ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ ہم سے 20 سال بعد آنے والے ہمارے استعمال کئے گئے طریق علاج پر تھوڑا سا ضرور مسکرائیں گے تو ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ Maggots بھی طریق علاج میں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ مکھیوں کی ایک development stage ہے۔ انہیں ایسے زخموں پر چھوڑا جاتا ہے جو بھرتے نہیں ہیں۔

سوال: کیا کبیرہ گناہوں کا مرتکب انسان جنت میں جائے گا؟

جواب: جیسے اللہ تعالیٰ ممانعت کی باتیں آگے بڑھاتا ہے اسی طرح صغیرہ اور کبیرہ کو بھی ہولے

ہو لے جا کر کھولتا رہتا ہے مثال کے طور پر خدا نے کہا:

"اِن تَجتَنِبُو اکَبَائِرَ مَا تُنھَو نَ عَنہُ نُکَفِّر عَنکُم سَیِّاٰتِکُم" (۴:۳۱)

اگر تم بڑے گناہوں اور فواحش سے پرہیز کرو تو چھوٹے چھوٹے تو تم سے ہوں گے ہی...... اور ہم انہیں معاف کریں گے۔ اس کے بعد دوبارہ جب موقع آیا اور کسی بڑے گناہ کا ذکر آیا تو خداوند کریم نے ایک طریقِ معافی دکھا دیا۔ جیسے میرا خیال کہتا ہے آپ تصدیق کریں یا نہ کریں کہ حضرت آدمؑ سے جو خطا ہوئی وہ بظاہر چھوٹی تھی مگر اگر ماحول کو دیکھا جائے جس میں وہ موجود تھے تو وہ خطا بہت بڑی تھی ورنہ ہمیں اتنے بڑے کاروبارِ حیات کو سمیٹنے کا خطرہ درپیش نہ ہوتا۔ جیسے اقبال نے کہا:

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اگر اصولاً دیکھا جائے تو شیطان کو بھی زندگی بھر کا عذاب اور سزا اس لئے ملی کہ جب اللہ نے اسے کہا کہ میرے ہوتے ہوئے جب میں نے تجھے حکم سنا دیا تھا تو پھر تجھے کیسے انکار کی مجال ہوئی۔ اگر دوسری طرف سے دیکھا جائے تو حضرت آدمؑ سے بھی خطا اللہ کے سامنے ہوئی۔ That is very difficult to imagine even. (اس بات کو خیال کی گرفت میں لانا بہت مشکل ہے۔) جس کی وجہ سے آج ہم یہاں ہیں یعنی اس خطا کی وجہ سے...... اس کی اگر duration دیکھئے، ٹائم دیکھئے، حکمتِ الٰہی دیکھئے تو محسوس یہ ہوتا ہے کہ سزا ابھی جاری ہے۔ جیسے کچھ christians کا خیال ہے مگر اللہ جب یہ کہتا ہے کہ: "فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِن رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ" (۲:۳۷) (ہم نے القاء کئے آدم کے دل پر توبہ کے کلمات اور ہم بخشنے والے تھے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عذاب کا ایک بہت بڑا venom ختم کر دیا۔ واپسی ensure (یقینی) کر دی، بخشش grant کر دی اور اللہ نے کہا کہ میں نے اسے بخش دیا ہے اور جب زمین پر آنا مقدر ہوا تو اس نے زمین کو سزا کے طور پر نہیں چنا جیسے christians کہتے ہیں، بلکہ اللہ نے کہا: "......مُستَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِین o"......(۲:۳۶) اب تم یہاں ٹھہرو۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ تمہیں ملی ہوئی جنت راس نہیں آئی۔ اب جا کر کماؤ......تو اب اتنی بڑی خطا کے عوض میں جو مشقت ہے وہ ہمیں جنت کمانے کے عوض عطا ہوئی ہے۔ کیونکہ اس سے بڑی خطا ہو نہیں سکتی تھی جس کا نتیجہ Billion years (کروڑوں سالوں) میں اب ہم تک پہنچ رہا ہے اور اس

سے بڑی بخشش بھی نہیں ہوسکتی تھی جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ اللہ نے اسے قدرتی طور پر sum up (مختصراً بیان) کردیا: "قُل يٰعِبَادِىَ الَّذِينَ اَسرَ فُو اعَلٰى اَنفُسِهِم لَا تَقنَطُوا مِن رَّحمَةِ اللهِ" کہہ دو میرے بندوں سے جنہوں نے بڑی زیادتی کی، بڑے ظلم و جبر کئے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ آگے اللہ نے ایک قانون دیا ہے۔ جس میں صغیرہ اور کبیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے وہ کہتا ہے: "اِنَّ اللهَ يَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا" (بے شک تمہارا رب وہ ہے جو تمام گناہ معاف کرتا ہے۔) اس میں خدا نے صغیرہ اور کبیرہ کی کوئی تخصیص نہیں چھوڑی۔ یہی حدیث رسول ﷺ ابوذرؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کرم ﷺ کنویں میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا اللہ اس کے تمام گناہ معاف کردے گا تو ایک صحابی نے پوچھا: "چاہے وہ کبیرہ ہوں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "چاہے وہ کبیرہ ہوں" پھر پوچھا: "چاہے وہ کبیرہ ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا "چاہے وہ کبیرہ ہوں۔" جب تیسری مرتبہ صحابی نے یہی بات پوچھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری ناک خاک آلود ہو، چاہے وہ کبیرہ ہوں۔" یہ حدیث تحفہ رسول ﷺ ہے۔ It's gift of prophet to Ummah. انعام و بخشش ہے۔ جو نہیں لیتا نہ لے...... ہمارے بخیل لیتے تو کچھ نہیں مگر دیتے بھی کچھ نہیں۔ یہ جو علماء بخیل ہیں ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی کی بخشش ہی نہ ہونے دیں۔ ان کا کاروبار ہی گناہ اور ثواب سے چلتا ہے۔ بخشش تو ان کے کام ختم کردیتی ہے مگر اللہ نے ایک چیز پر بخشش نہیں رکھی: جس کی رجعت نہیں ہے، جس کے پاس بخشنے والے کی اتھارٹی نہیں ہے، جسکو خدا کے غفور الرحیم ہونے کا احساس نہیں ہے اسکی کوئی بخشش نہیں ہے۔ جب آپ کی رجعت ہے تو آپ واپس پلٹ سکتے ہو۔ جب آپ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ سُبحٰنَكَ اِنِّى كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ کہہ سکتے ہو تو آپ بخشے جانے کا حق بھی رکھتے ہو۔

سوال: حدیث قدسی اگر کلام خدا ہے تو یہ قرآن پاک میں کیوں نہیں ہے؟

جواب: بڑی موزوں بات ہے۔ مگر قرآن میں ایک آیت ہے کہ ہم نے جو بندوں کو بخشا ہے اس کی ایک ایک آیت کا وزن کیا ہے، گنی ہے اور زمان و مکاں کے حساب سے پرکھی ہے۔ "الٓرٰ o كِتٰبٌ اُحكِمَت اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَت مِن لَّدُن حَكِيمٍ خَبِيرٍ" (حود۱۱:۱) (الر۔ ایسی کتاب ہے جس کی آیات جانچ لی گئی ہیں پھر حکمت والے خدا کی طرف سے کھول کر بیان کی گئی ہیں۔) اس نے قیامت تک جانا ہے اور جو اقوال خدا رسول ﷺ نے quote کئے ہیں یہ personal level (ذاتی نوعیت) کے ہیں اور انفرادی نوعیت کے ہیں۔ یہ پیغمبر سے بات چیت ہے۔ ان کی حیثیت اس law یا قانون کی نہیں ہے جس نے قیامت تک جانا ہے اس لئے حدیث قدسی وہ حدیث ہے کہ جو خدا نے personal level پر بات کی، تمام انسانوں کے level پر وہ بات نہیں ہے بلکہ یہی حدیث دیکھ لیں جو میں نے quote کی ہے کہ خدا جب کسی کو اپنا علم اور آگہی دینا چاہتا ہے تو اس کی نظر اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس حدیث کے مصداق کچھ کم اور بہت مخصوص لوگ ہوں گے اور یہ ایک مخصوص گروہ کیلئے ہے جو بڑے خصائص اور حکمت کے ساتھ خدا کو بڑھنا چاہتا ہے۔ اگر قرآن میں یہ حدیث آجاتی تو یہ عمومی اور تمام جملہ انسانیت کیلئے ہونا چاہئے تھی مگر ایسا ناممکن تھا اس لئے یہ بات قرآن میں نہیں آئی۔ قرآن میں جو آیات آئی ہیں یہ جملہ انسانیت کیلئے ہیں، تمام لوگوں کیلئے ہیں اور خوب پرکھی گئی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے متواتر اور مشہور آیات میں ڈھالا ہے۔ اور حدیث قدسی privacy of talks ہیں۔ اللہ اپنے پیغمبروں سے باتیں کرتا ہے، اپنے بندوں سے باتیں کرتا ہے۔ القاء والہام سے باتیں کرتا ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو خدا کی اپنی ہیں، وہ کبھی کبھی دلوں پر الہام اتارتا ہے۔ اللہ کی طرف سے ہی سارے الہام ہیں جو کتاب کا حصہ نہیں ہیں۔ کتاب کا حصہ ایک جملہ بنے گا: “فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا” (۸:۹۱) باقی باتیں شاید اس کا حصہ نہ بنیں۔ یہ ایک totality کے rule کی کتاب ہے جس میں بعض personal باتیں اللہ نے اپنے پیغمبروں سے کی ہیں اور بہت کی ہیں جو شاید قرآن میں اتنی نہیں ہیں مگر زبور اور تورات کو دیکھیں تو بہت سی ایسی ذاتی نوعیت کی باتیں اس میں موجود ہیں جو دوبارہ بیان نہیں ہوئیں مگر اگر rule (اصول) دیکھیں تو دوبارہ قرآن میں mention (تحریر) ہے جیسے قانونِ قصاص ہے یا جیسے Ten commandments ہیں:

“وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ” (۲:۸۳)

(اور جب لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے کہ نہ تم عبادت کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کیلئے اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر پھر گئے تم مگر بہت تھوڑے تم میں سے اور تم اعراض برتنے والے

(منہ پھیرنے والے ہو) ایسے قوانین تو قرآن میں موجود ہیں مگر جو personal (ذاتی) باتیں ہوئی ہیں وہ موجود نہیں ہیں۔

سوال: حدیث ہے کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔ علم و حکمت کا منبع و مرکز تو مدینہ تھا پھر چین کی طرف اشارہ کیوں ہے؟

جواب: اس حدیث سے بالکل مراد یہ نہیں ہے۔ وحی اور کتاب تو موجود تھی مگر یہ اس لگن اور اس طلب کی طرف اشارہ ہے کہ علم حاصل کرنے والے اوجِ ثریا سے بھی اسے اتار لائیں جیسے میں نے حدیث پڑھی تھی کہ "علم اگر اوجِ ثریا پر بھی ہو تو کوئی نہ کوئی عجمی اسے اتار لائے گا"۔ یعنی اس کیلئے آپ کو چاہے کتنی ہی دور جانا پڑے......اس کی مثال حضرت سلمان فارسیؓ کی زندگی سے ملتی ہے کہ کہاں سے نکلے......معبدِ شمس کے پجاری تھے۔ مدتوں زرتشت کے مذہب میں گزاریں۔ پھر یہودی ہوئے۔ حقیقت کی تلاش میں مدتوں اہلِ یہود میں رہے، پھر عیسائی ہوئے۔ علم اور آگہی کی تلاش میں مدتوں کیساؤں کے راہبوں میں رہے۔ جب وقت آخر آیا، تو پھر اسی شناخت اور اہلیت کی تلاش رہی تو آغوشِ رسول ﷺ تک پہنچے اور سلمان فارسیؓ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علم غرض و غایت اور تلاش میں کوئی تخصیص نہیں رکھتا۔ یہ خدائی علم کی بات نہیں ہے بلکہ بعض اوقات بہت سارے علوم مل کر آگہی کا ایک level (سطح) پیدا کرتے ہیں جیسے کوئی matriculate (میٹرک پاس) جب تک کالج میں نہ جائے اس آگہی کو نہیں پاتا جو کالج کے ایک sector of education (حصہ تعلیم) کی ہوتی ہے۔ ایک گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ کو نہیں سمجھتا۔ کسی وقت تحصیلِ علم کیلئے فاہیان اور چینی سیاح ٹیکسلا کی یونیورسٹیوں کے دورے لگاتے تھے جیسے آج کے ہمارے لوگ ہارورڈ اور کیمبرج کے چکر لگا رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے یہی علمائے مغرب Cardoba (قرطبہ) کے چکر لگایا کرتے تھے۔ بغداد کی یونیورسٹیوں سے علم لیتے تھے اور قسطنطنیہ جایا کرتے تھے۔

سوال: یاد کرو جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں دوں کتاب اور حکمت......پھر آئے تمہارے پاس عظمت والا رسول اس چیز کی تصدیق کرتے ہوئے جو تمہارے پاس ہے تو تم کو ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی تو سب نے عہد کیا کہ ہم اقرار کرتے ہیں تو اللہ نے فرمایا: "گواہ رہو، میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں"۔ یہ میثاق کہاں ہوا؟ میثاق کی نوعیت کیا ہے؟ خصوصی طور پر 'مدد' کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ تفصیلی جواب دیں۔

جواب: یہ بڑی سادہ سی بات ہے۔ جب "اَلَستُ بِرَبِّکُم" کا حکم ہوا تو بہت سارے لوگوں نے بہت آگے بڑھ کر سب سے پہلے عہد کیا۔ مشہور ہے کہ جن لوگوں نے پہل کی وہ انبیاء چنے گئے پھر دوسرے درجے والے آئے، پھر تیسرے درجے والے آئے، پھر اولیاء اللہ تعالیٰ آئے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک آدھا آخری صف میں ہم لوگ بھی ہوں گے۔ (میں کالج میں ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا کرتا تھا) تو ہم back benchers ہی تھے۔ ویسے ٹائم کے لحاظ سے بھی ہم back benchers ہیں: (پچھلی صفوں میں بیٹھنے والے) اُس وقت جب "اَلَستُ بِرَبِّکُم" کا پہلا اقرار ہو گیا تو پھر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار لیا گیا۔ میں غلط بھی ہو سکتا ہوں مگر میرا دل کہتا ہے کہ تمام نبوت صدقۂ رسول ہے۔ قرآن پہلے بھی اترا ہے، قرآن بعد میں بھی اترا اور حضور ﷺ پر آ کر ختم ہوا ہے۔ یہ آیت تصدیق کرتی ہے کہ عہد کے مطابق تمام انبیاء نے ایک ایک آیت قرآن کو تھاما اور رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ قرآن قوموں، ملتوں اور نسلِ انسان پر اترا، پورا قرآن ایک فرد (individual) کے تمام حالات پر بھی پورا اترتا ہے اور پوری نسلِ انسان پر بھی پورا اترتا ہے۔ جب نسلِ انسان پر پورا اتر رہا تھا تو انبیاء کی ضرورت پڑی تھی جیسے جب ہابیل و قابیل کا واقعہ پیش آیا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو قرآن کا ایک قانون اللہ نے انہیں اُدھار دیا کہ جس نے فردِ واحد کو قتل کیا تو گویا اس نے نسلِ انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے گویا نسلِ انسان کو بچایا۔ پھر جب Prince Hamorabi کا زمانہ آیا، حضرت ادریسؑ کا زمانہ آیا تو ایک دوسرا قانون قرآن کتاب سے نکال کر ان کو ادھار دیا گیا کہ اے پیغمبر اس سے میرے رسول کی مدد کرو اور اس پیغام کو اپنے لوگوں میں پھیلا۔

"وَلَکُم فِی القِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الاَلبَابِ لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ------ (۲:۱۷۹)" اور پھر آیتِ قصاص آئی۔ "اَلقَتلُ فِی القَتلِ" یہ آیات The first law giver (قانون بنانے والا پہلا آدمی) Hamorabi کے زمانے میں اتریں مگر بعد میں قرآن میں جمع کر دی گئیں۔

اس میثاق سے مراد یہ ہے کہ پچھلے تمام انبیاء نے قرآن کی ایک ایک اور نصف نصف آیت کو استعمال کرتے ہوئے اپنے معاشروں کو سنوارا۔ جب نوبت maturity کی آئی اور انسان بلوغتِ علم کو پہنچا، بلوغتِ ابلاغ اور فہم کو پہنچا تو پوری کتاب ان کا نصیب ہوئی اور خدا نے کہا "وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی" (۵:۳)

سوال: آپ جو توجیہات دیتے ہیں ان کے اثرات بہت سخت ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو بہت

ہی سخت ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ تسبیح کا اثر کبھی بھی سخت نہیں ہو سکتا۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض لوگ in born (جبلی یا پیدائشی) تصورات لے کر تسبیح پڑھتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی کو یہ نہیں کہا کہ تم concentration (یک سوئی) سے تسبیح پڑھو۔ جو لوگ بھی concentration سے تسبیح پڑھتے ہیں وہ خدا سے کچھ چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں یہ کروں گا، شدت سے کروں گا، محنت کروں گا تو اسکے عوض میں اللہ مجھے کوئی مؤکل دے دے گا، کوئی فرشتہ یا کوئی power دے دیگا۔ مجھ سے کچھ ہو جائے گا۔ یہ "ہو جانے" کی توقع ان کو بیمار کر دیتی ہے۔ سر درد (headaches) لگا دیتی ہے۔ دل دھڑکنا شروع ہو جائے گا۔ تسبیح کرنا کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔ تسبیح زمین و آسمان میں ہو رہی ہے، پہاڑ تسبیح کرتے ہیں، ناچنا نہیں شروع کر دیتے۔ ستارے گرنا نہیں شروع کرتے ورنہ ہمیں بھی ساتھ ہی لے جاتے۔

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ "(۵۹: ۲۲، ۲۳)

(وہ اللہ وہ ذات ہے نہیں کوئی الٰہ مگر وہی جاننے والا ہے غیب کا اور حاضر کا وہ رحمان ہے اور رحیم ہے۔ وہ اللہ وہ ذات ہے نہیں کوئی الٰہ مگر وہی۔ بادشاہ بہت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، زبردست، بازور حکم نافذ کرنے والا، بڑا ہو کر رہنے والا، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں)

یہ سب اللہ کے اچھے نام ہیں زمین و آسمان سب انہی ناموں کی تسبیح کرتے ہیں۔ جب کسی اور چیز کو تسبیح سے فرق نہیں پڑ رہا، کوئی گائے بکری نہیں بن جاتی۔ کوئی بکری تسبیح سے شیر نہیں بن جاتی۔ معمول کے مطابق زندگی جاری رہتی ہے تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس نے آپ میں یہ غیریت اور یہ سر درد پیدا کیا البتہ آپ کی توجہات تسبیح کو غلط interpret (تشریح) کرتی ہیں۔ ہمارا libido (نفسِ اسفل) release ہو کر ہمارے psychological effects پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سر درد ہماری In-built forces of mind (ذہنی خود ساختہ طاقتوں) کی وجہ سے ہے۔ جتنا آپ اسے نرمی سے پڑھو گے تو یہ تسبیح نہ صرف آپ کی ان کیفیات کو لے جائے گی بلکہ آپکو بالکل نیا، fresh اور تازہ دم کر دے گی۔ تسبیح تو کی ہی اسلئے جاتی ہے کہ شدتِ خیال موجود

گویا شدتِ نفسیات کو دور کر کے راہِ اعتدال پر گامزن کرے اور اعتدال میں تو سرور نہیں ہوتا......

سوال: موجودہ حالات میں کیا پاکستان تباہی کی طرف نہیں جا رہا؟

جواب: پاکستان کو کچھ بھی نہیں ہونے کا...... یہ بڑا خوبصورت ملک ہے اور جو جتنا خوبصورت ہوگا ظاہر ہے کہ اس کی بدصورتی اتنی ہی زیادہ نمایاں ہو جائے گی یہاں بہت اچھے لوگ ہیں۔ پوری امتِ مسلمہ میں سے سب سے اچھے لوگ ہیں۔ اللہ سے انس تو سارے ہی مسلمان رکھتے ہیں مگر رسول ﷺ سے محبت اتنی کوئی نہیں رکھتا جتنا پاکستان کے لوگ رکھتے ہیں تو پھر بھلا اس کو کیسے کچھ ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے ہولناک، خلافِ ذہن، خلافِ انسانیت واقعات بعض اوقات اس کی سرسبز چادر کو بدنما کر دیتے ہیں۔ but this all is for a little time. اور ساری دنیا بھی اگر مل کر چاہے، تمام سفاکانِ وقت بھی اگر مل کر چاہیں تو ان کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوگا۔ یہ ملک زمانہ آخر تک رہنے کیلئے ہے۔ یہ بٹے گا نہیں اور تقسیم نہیں ہوگا۔ اس نے جو جنگ لڑنی ہے وہ لڑ کر رہے گا۔ اہلِ ہند کے مسلمان اپنے اخلاص و وفا سے یہ جنگ لڑیں گے اور جب یہ دورِ ابتلا گزر جائے گا تو مخلص، خالص اور خوبصورت مسلمانوں کا وقت آئے گا اور یہ نہیں کہ انسے خطا نہیں ہوگی مگر وہ ایک معتدل معاشرہ، اسلام کی بنیاد رکھیں گے جہاں لوگ خوشی سے قوانین کی پابندی کریں گے اور اللہ کا قول پورا ہوگا کہ ”تم پلٹ جاؤ گے تو ہم پلٹ جائیں گے“۔ ”تم لوٹ آؤ گے تو ہم لوٹ آئیں گے“۔ اور پھر اس ملک نے عزت و ترقی کا خصوصی مقام حاصل کرنا ہے۔ پھر ”دیدہ و دل فرشِ راہ“ اُن امامانِ وقت کا انتظار کرنا ہے اور جیسے ابونعیم بن حماد کی حدیث میں کہا گیا ہے کہ ”اہلِ ہند کے مسلمان پہلے اہلِ کفرِ ہند کو ملیا میٹ اور مسمار کریں گے اور ان کے امراء اور شرفاء کو قید کریں گے پھر شام میں مریمؑ کے بیٹے کا ساتھ دیں گے“۔ یہی اس ملک کا مقدر ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوف ضرور ہے، عجلت ضرور ہے مگر منزل انشاءاللہ مستحکم و شاندار ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے ہم اس نازک دور سے گزرنے کے بعد اپنی منزلِ مراد کو پہنچیں گے۔

سوال: نظر لگنے کی کیا اہمیت ہے؟ نظر کے اثرات کیا انسان کیلئے خطرناک ہوتے ہیں؟

جواب: جیسے آپ سورج کے بارے میں کہتے ہیں کہ کھلی آنکھ سے نہ دیکھو۔ گرہن میں اس کا اثر آپکی بصارت پر پڑتا ہے حالانکہ وہ کتنی دور ہوتا ہے پھر بھی آپ کو بچنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ارتکازی نظر جب انسان کے باطن پر پڑتی ہے تو اس کو بیمار اور کمزور کر دیتی ہے اور اس کی مدافعت سلب ہو جاتی ہے اسلئے حسد اور رقابت کی نظر کا اثر ہونا لازم ہے۔ اس کے پیچھے ایک

physical force ہوتی ہے مگر اس کا علاج بھی آسان ہے۔ رسول گرامی مرتبت نے فرمایا کہ جس کو نظر کا یا آسیب کا اندیشہ ہو وہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

"بِسمِ اللهِ اَللّٰھُمَّ اذھب حَرَّھَا وَبَردَھَا وَوَصَبَھَا"

(اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ تو اس (نظرِ بد) کے گرم سرد کو اور دکھ درد کو دور کر دے)

نظر کبھی ٹھنڈک سے لگتی ہے، کبھی گرمی سے لگتی ہے، کبھی برائی سے لگتی ہے۔ تینوں کیفیتوں کو اس دعا میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر کسی کو بچوں پر ان کی سلامتی کیلئے پڑھنا ہو اور انہیں نظرِ بد سے محفوظ کرنا ہو تو یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔

سوال: میں ایک بیوٹیشن ہوں۔ عورتیں میرے پاس بھنویں بنوانے آتی ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا جبکہ میرا یہ پروفیشن اور مجبوری ہے۔ مجھے اس کے بارے میں بتائیں۔

جواب: بھنویں ٹھیک کروانے اور منڈوانے میں فرق ہے۔ بھنووں کو صاف کر کے pencilling کرنی اور ہے مگر اصل میں فرق یہ ہے کہ بھنووں کو مکمل طور پر صاف کر کے دوبارہ استوار کرنا اور بالوں کی مدد نہ لینے کو مردود سمجھا گیا ہے۔ اگر کوئی بیوٹیشن چند بالوں کو اِدھر اُدھر کر کے ان کی ہیئت برقرار رکھ کر انہیں درستگی دے دے تو اس کے اپنے بال ہیں، اس کا اپنا چہرہ ہے مگر تخصیص اس بات کی ہے کہ مکمل طور پر بھنویں منڈوا کر ان کی جگہ فضول قسم کی پنسلیں نہ لگائی جائیں۔

سوال: قرآن نے خواتین کو شرعی پردے کا حکم دیا ہے اور آپ کی مجلس میں خواتین کیا پردے کی خلاف ورزی نہیں کر رہی ہیں۔ چہرے کے پردے کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

جواب: چہرے کے پردے کا حکم نہیں ہے بلکہ اگر آپ کا احادیث کا مطالعہ ہو تو آپ کو پتہ چلے گا کہ امہات المومنین تک بھی میدانِ جنگ میں جاتی تھیں، مدد کرتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں بلکہ خواتین اور ان مردوں کے درمیان بولے جانے والے ڈائیلاگز بھی درج ہیں جو کہ ان کے خاوند نہیں تھے۔ جنگِ یرموک میں جب تلواریں ٹوٹیں اور خالد پیچھے پلٹے تو ہندہ زوجہ ابو سفیان نے انہیں چیلنج کیا کہ کیسے دلاور ہو کہ تمہاری فوج بھاگ رہی ہے۔ یہ سن کر خالد کی آنکھوں میں خون اترا اور کہنے لگے کہ "او دشمنِ خدا اور رسول ﷺ! پیچھے ہٹ! آج تو میرے ہاتھ سے بچے گا نہیں ......" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باتیں بھی کرتے تھے اور آپس میں لڑائی جھگڑا بھی کرتے تھے۔ پردے کا حکم مسلمان عورت کی پہچان قائم کرنے کیلئے ہے۔ اس میں سر ڈھانپنا اور گریبان ڈھانپنا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو اس سے عورت کا عورت پن ختم نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ پیدا اس لئے ہوا

کہ جب بنو قریظہ کے بازار میں ایک مسلمان خاتون ایک یہودی کی دکان پر گئیں، یہودی نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی جس پر ایک صحابی نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ معاملہ نبی پاک ﷺ کے حضور لایا گیا تو یہودیوں نے ایک اعتراض کیا کہ ہمیں کیسے پتہ چلتا کہ یہ مسلمان ہے۔ اس کے بعد اُمّ المومنین سودہؓ کا واقعہ پیش آیا کہ جب ام المومنین سودہؓ نکلیں تو حضرت عمرؓ جو اچھا نہیں سمجھتے تھے امہات المومنینؓ کا باہر جانا تو آواز دے کر کہا کہ اے سودہ میں نے تمہیں پہچان لیا تو پھر اللہ کے رسول کو حضرت عمرؓ نے مشورہ دینے کی کوشش کی کہ آپ انہیں پردے کا حکم دیں، مگر حضور ﷺ خاموش رہے۔ پھر جب آیات اتریں تو اللہ کی طرف سے پردے کا حکم آیا تا کہ یہ مسلمان عورتوں کی حیثیت سے پہچانی جائیں۔ جب میں امریکہ میں تھا تو کچھ خواتین ڈاکٹروں سے میری ملاقات ہوئی۔ ان میں ایک مسلمان بھی تھی اور اس نے مجھ سے بالکل یہی سوال پوچھا کہ یہاں ہم سب لوگ اچھے ہیں۔ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ شریف لوگ ہیں۔ کسی میں کوئی ایسی برائی نہیں ہے تو ہم اگر پردہ نہ کریں تو کیا حرج ہے تو میں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر میں تمہیں دور سے دیکھوں گا تو تم سب کو شریف عورتیں سمجھوں گا۔ مگر میں تمہیں مسلمان شریف عورت نہیں سمجھ سکتا۔ میں یہ بدگمانی نہیں کروں گا کہ یہ بری عورتیں ہیں۔ میں یہ سمجھوں گا کہ یہ امریکن سوسائٹی کی معزز عورتیں ہیں مگر میں تمہیں مسلمان عورتیں نہیں سمجھوں گا البتہ اگر تم نے حجاب لیا ہوا ہے چاہے جیسے بھی لیا ہے۔ چہرے کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور اگر تمہارے گریبان ڈھانپے ہوئے ہیں تو میں ضرور یہ گمان کروں گا کہ ان میں ایک مسلمان عورت بھی موجود ہے۔ کچھ دنوں بعد امریکہ کے ایک ہوٹل میں ڈاکہ پڑا۔ حبشیوں نے ڈاکہ مارا وہاں بہت سارے لوگ موجود تھے ایک عورت حجاب پہنے کھڑی تھی تو ایک ڈاکو بولا کہ بہن ایک طرف ہو جاؤ تم مسلمان ہو۔ تو بات یہ ہے کہ پردے سے نہ نسوانیت مرتی ہے نہ اس کی نسوانیت کا خیال مرتا ہے نہ وہ مردوں کیلئے کوئی باعثِ تہدید ہے مگر ایک بات ضرور ہے کہ یہ پہچان بن جاتی ہے کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں اور پہچان ہی مقصود ہے۔

سوال: سنت معاشرے میں بالکل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ چند سنتوں کے بارے میں بتا دیجئے تا کہ ہمارے لئے صدقہ جاریہ ہو۔

جواب: ہم میں ظاہرہ سنت کی کمی نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے معاشرے کو دیکھیں تو بیس لاکھ اہلِ تبلیغ بھی نظر آ جائیں گے۔ پچیس چھبیس لاکھ سنتوں بھرے اجتماع میں بھی نظر آ جائیں گے۔ تین سو تیرہ

کی average سے دیکھیں تو ایک آدھ کروڑ مسلمان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہم میں ظاہرہ عبادات کی اب بھی کمی نہیں ہے۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر جو inner accountability ہے میں دیکھتا ہوں کہ وہ زیرو ہے۔ ہمارا یہ ربانی تعلق ہمیں جھوٹ سے نہیں روکتا۔ ہمارا اللہ ہمیں رشوت سے نہیں روکتا۔ ہمارا اللہ خاندانی تعصب سے نہیں روکتا۔ ہمارا اللہ ہمیں کسی برائی سے نہیں روکتا۔ ایسے اللہ کا فائدہ کیا ہے؟ اگر آپ کو زندہ رہنا ہے۔ اگر آپ کو مذہب زندہ رکھنا ہے تو کہیں نہ کہیں خدا کو شریکِ حال کیجئے۔ وہ اتنا دور نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کے ذکر کو حرزِ جان بنائیے۔ امامتِ قلب بنائیے تاکہ کہیں نہ کہیں اس کا احساس آپ کے آس پاس رہے۔ کہیں آپ رک کر کہیں کہ یہ بے ایمانی ہے۔ اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔ کہیں آپ رک کر کہیں کہ میں اپنی بہن کے خلاف اس جائیداد پر قبضہ نہیں کروں گا۔ اس کو اللہ نے یہ حق دیا ہے۔ کہیں آپ یہ کہیں کہ میں اپنے اس دوست کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ یہ خلافِ خدا ہے۔ آپ نے اسلام کو نہیں خیالِ خدا کو زندہ رکھنا ہے۔ اپنے دل میں آپ مردہ خدا نہیں پال سکتے۔ جب تک خدائے زندہ کا خیال آپ کے دل میں نہیں ہوگا۔ خلاقِ عالم کا خیال نہیں ہوگا آپ اس کو جواب دہ نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ اس کو جواب دہ نہیں ہوں گے آپ کے مذہب کی کوئی شے کوئی خالص فطرت حاصل نہیں کر سکتی۔ کوشش کیجئے کہ آپ کا تعلق کسی مفروضہ خدا سے نہ ہو۔ کوشش کیجئے کہ آپ کا خدا زندہ خدا ہو۔ حقیقی خدا ہو۔ وہ مفروضہ نہیں ہے۔ وہ وہم اور آسیب نہیں ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ آپ جن اور آسیب پر زیادہ یقین رکھتے ہو اور خدائے حقیقت پر اعتبار کم ہوتا ہے۔ آپ جادو پر زیادہ یقین رکھتے ہو۔ اللہ کے اس علاج پر یقین نہیں رکھتے کہ جو جادو کے بارے میں ہے۔ آپ کا اعتماد، آپ کا یقین سراب پر زیادہ ہے۔ چشمۂ آبِ حیات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی آپ نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ یہ ایک غلط مذہب ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ یہ غلط رخ ہے۔ جب تک خدا کی طرف دھیان نہیں جائے گا۔ جب تک اللہ آپ کے باطن میں تحرک پیدا نہیں کرے گا جب تک اس کے خیال سے آپ کی کیفیتِ قلب نہیں بدلے گی accountability قائم نہیں ہوگی۔ یہ ایک بڑی عجیب سی بات ہے کہ ابوالحارث المحاسبیؒ کی بہن نے امامِ وقت سے فتویٰ پوچھا کہ کیا میں حکومت کے بنگلے کے لیمپوں کی روشنی میں قرآن پڑھ سکتی ہوں یا نہیں تو انہوں نے پوچھا کہ تُو کون ہے۔ تُو عجیب و غریب عورت ہے۔ میں تیرے فتوے کا جواب اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تو یہ نہیں بتائے گی کہ تو کون ہے۔ تو پھر اس نے

کہا کہ میں ابوالحارث المحاسبی کی بہن ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تجھے ناجائز ہے۔ تو حکومت کے لیمپوں کی روشنی میں قرآن نہیں پڑھ سکتی کہ تو اس شخص کی بہن ہے جس کا قول یہ ہے کہ ہم بات کہنے کے بعد رکتے ہیں اور محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم نے بات ٹھیک کہی ہے یا غلط کہی ہے۔ اللہ کے خیال سے کہی ہے یا نفسی اشکال سے کہی ہے۔ گر اتنا تو ہو۔ غیر معقول سہی ...... بہت حد سہی ...... شاید تقرب اور ہمسائیگی کیلئے محبت کیلئے ہم اس کی یاد کے ذریعے اس کو اپنی زندگی کے معمولات میں شامل کر سکتے ہیں۔ اللہ کیا کہتا ہے؟ غضب سے یا خوف سے نہیں، حسرتِ ناکام کی وجہ سے نہیں، شدتِ اعمال کی وجہ سے نہیں، اللہ کی محبت اس کے وجودِ عالی کی قربت کیلئے، اس کردگارِ عالم کے انس کیلئے ہو: "فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ" مجھے یاد کرو جیسے آباؤاجداد کو یاد کرتے ہو تا کہ مجھے پتہ چلے کہ جیسے تم اپنے پیاروں سے محبت کرتے ہو جیسے تم اپنی belongings سے عشق کرتے ہو۔ مجھ سے بھی ویسے ہی کرتے ہو۔ "اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا" ذرا زیادہ یاد کرو تا کہ مجھے یقین ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کر مجھ سے انس رکھتے ہو۔ خدا آپ سے انس و محبت مانگتا ہے۔ خدا آپ سے خوف نہیں مانگتا۔ خدا چاہتا ہے کہ آپ اسے اپنا دوست سمجھو۔ "وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا" میں ہی تو دوست ہوں تمہارا ...... اے کم عقلو! کم ذہنو! کہاں جاتے ہو اہلِ کفر کی دوستیوں کیلئے ......؟ کہاں جاتے ہو شناسائیوں کے ترفع کے لئے ......؟ میں ہی تو تمہارا دوست ہوں ...... میں ہی تو تمہارا مولیٰ ہوں ...... میں ہی تو تمہارا مددگار ہوں ...... اللہ سے بہتر انسان کا کوئی دوست نہیں ہے کوئی مددگار نہیں ہے۔ کوئی محبت کرنے والا نہیں ہے کوئی protector نہیں ہے۔ اگر آپ اس سے تعلق چھوڑو گے تو دنیا بھر کے امراض کا شکار ہو جاؤ گے۔ بربادی کا شکار ہو جاؤ گے۔ عبادت تصور کی محتاج ہے جب تک اسے creative motive یا دماغ کے order نہیں جاتے وہ روح سے خالی ہے۔ آپ اس motive سے بدن کو احکام جاری کرتے ہیں۔ دماغ ہی motive دیتا ہے کہ نماز اخلاص سے پڑھنی ہے یا نفاق سے پڑھنی ہے۔ brain آپ کو بتاتا ہے کہ آپ کی نیاتِ عمل کیا ہیں اور brain کو emotions کا اخلاص دل دیتا ہے۔ دین و عمل جب مرتب ہو جائیں تو عبادات میں رنگ آ جاتا ہے۔ یہ بڑا خوبصورت رنگ ہوتا ہے۔ "صِبْغَۃَ اللّٰہِ" اللہ کا رنگ "وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً" (۱۳۸:۲) اور اللہ کے رنگ سے کونسا رنگ بہتر ہے اور عبادت کرنے والے تو اسی رنگ کو چاہتے ہیں۔

فطرتِ انسان

اَعُوذُ بِااللهِ السَّمِیعِ العَلِیم مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجعَلْ لِّیْ مِنْ
لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُون ○ وَسَلامُ عَلَی الْمُرسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ○

خواتین وحضرات! کہنے کو تو ہر انسان "والٹیئر" کے مطابق آزاد پیدا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے دانش وروں اور فلاسفروں کا خیال یہ ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے مگر ایسا عملاً نہیں ہوتا، اصلاً نہیں ہوتا۔ ہر انسان جو اپنے وجود میں آیا، اپنے ساتھ کم از کم تین اثرات لاتا ہے۔ ایک اسکے genetic influences (جنسی اثرات) ہیں، دوسرے اسکے immediate parental influences (وارثتی اثرات) ہیں اور تیسرے اسکے acquired influences (اختیار کردہ اثرات) ہیں لیکن آباؤاجداد سے چلتی ہوئی جبلتوں کا وجود ایک نا آگاہ اور خفیہ طاقت کی طرح بدنِ انسان میں سمایا رہتا ہے اور انسان بہت سی عبادت اور تزکیہ کے باوجود ان سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا۔ اہلِ باطن یہ کہتے ہیں کہ باوجود تمام عبادتوں کے آخری چیز جو انسان کے سینے سے نکلتی ہے وہ اُس آبائی جبلت کا وجود ہوتا ہے جو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کے باوجود اس کے آباؤاجداد سے اُسے عطا ہوا ہوتا ہے اور جب وہ آگے بڑھتا ہے، ہوش و خرد اور

توانائی کی طرف آتا ہے۔ جب اسکی عمر آگے بڑھتی ہے تو سب سے پہلی عادات کی صحبت جو اسے ملتی ہے وہ اسکے ماں باپ کی ہوتی ہے، اس کے اردگرد جو بنیادی وجود اور بنیادی عادات ہوتی ہیں وہ immediate parental habits ہوتی ہیں اور کہیں نہ کہیں کوئی بیٹا باپ کی نقل کرتا نظر آتا ہے۔ کہیں نہ کہیں کئی معمولات میں کوئی بیٹی نادانستگی میں اپنی ماں کو اپنے شعور میں رکھ کر behave کر رہی ہوتی ہے۔ جب انسان اس سے آگے بڑھتا ہے، جب وہ تعلیم پاتا ہے basic intelligence (ابتدائی ذہانت) سے جب وہ intellectual level (اعلیٰ ترین ذہنی سطح) پر آ رہا ہوتا ہے، بنیادی ذہانتوں سے علمی وجاہتوں کو بڑھتا ہے تو اس میں ایک خصلت کا اضافہ ہوتا جاتا ہے سیکھنے، پرکھنے، سمجھنے اور سوچنے کی...... پھر وہ اپنی مختلف عادات کو اختیار کرتا ہے، کچھ انداز ترک کرتا ہے، کچھ اختیار کرتا ہے۔ یہ اس کے acquired effects (اختیار کردہ اثرات) ہوتے ہیں۔ آپ خود غور کیجیے کہ حضرت معاویہؓ نے جب دربان مقرر کیے اور لوگوں نے جناب امیر المومنینؓ سے ان کی شکایت کی تو عمرؓ نے اُن کو مدینے میں بلایا، معاویہؓ حاضر ہوئے تو آپؓ کے ہاتھ میں کوڑا تھا، ان کو دو مارے اور کہا (یہ والٹیئر کا قول نہیں تھا بلکہ سب سے پہلے جناب عمرؓ کی زبان سے یہ بات نکلی) "اے معاویہ، اے بد بخت! لوگوں کی ماؤں نے اپنے بچوں کو آزاد جنا تھا۔ تُو نے کب سے انہیں غلام بنا لیا" سب سے پہلے یہ بات حضرت عمرؓ نے کہی مگر اس آزادی اور اس غلامی کا تعلق انسان کی ذہنی تربیت سے نہیں تھا۔ وہ ایک ظاہرہ حالت، ایک ظاہرہ condition کہ جہاں ہر انسان جس کے حقوق برابر ہوں اگر اس کے حقوق چاہے وہ شنوائی کے ہوں، چاہے وہ حکومت کے ہوں جب غصب ہو گئے تو وقت کے امیر المومنین کو اس ظاہرہ حالت پر غصہ آئے گا۔ مگر دراصل اگر دیکھا جائے تو اتنے (طاقتور ترغیبات) powerful motives کی وجہ سے جو انسان کو drive دے رہے ہوتے ہیں، اسکو حرکت دے رہے ہوتے ہیں، اس کو سوچنے پر مجبور کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کو جملہ inferiorities (کمتریاں) دے رہے ہوتے ہیں، اس کو Fake sense of superiority (جعلی احساس برتری) دے رہے ہوتے ہیں یہ کبھی بھی کسی انسان کو آزاد نہیں چھوڑتے اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ہر بچے کو دینِ حنیف پر پیدا کیا۔ اعلیٰ فطرت پر پیدا کیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ چھوٹا بچہ جو اپنے وجود کی آگہی نہیں رکھتا اس میں کونسی ایسی فطرت ہے جو اللہ introduce کر دیتا ہے کہ جس کے بعد ہم یہ دعویٰ کرنے کے قابل ہوتے ہیں کہ انسان کی فطرت واقعی نیک اور اچھی ہے اور

وہ نا قابلِ اصلاح نہیں ہے بلکہ اس کی correction ہو سکتی ہے مگر اس کی اصلاح میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس لفظِ درستگی کو سمجھنا ہوگا کہ اللہ انسان کے ساتھ کیا کرتا ہے اور اس میں کس طرح کی فطرت introduce کرتا ہے، جس کے بعد وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے انسان کو دینِ حنیف پر پیدا کیا ہے۔ میرے ایک بڑے اچھے دوست تھے اور کام میں بڑے مشہور تھے، وہ ڈاکٹر تھے۔ میں ان کو متوجہ کر رہا تھا کہ مریض بے اعتدال ہے اور ڈاکٹر صاحب آپ بھی کچھ بے اعتدالی برت رہے ہو اس لئے توجہ فرماؤ تو انہوں نے چڑ کے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب اعتدال تو صرف اللہ میں ہے، ہم نے تو اِدھر اُدھر ہونا ہی ہے۔ اگرچہ وہ اس چوچڑے پن میں اتنی گہری اور بڑی باوثوق بات کہہ گئے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق میں اللہ نے جس باریک balance سے کام لیا ہے اس کی مثال وہ خود قرآنِ حکیم میں دیتا ہے اور بڑے عجیب انداز میں...... نفسِ انسان کے بارے میں پروردگارِ عالم جو دعویٰ فرماتے ہیں وہ کسی چھوٹی سی مثال کے ذریعے نہیں فرماتے بلکہ کائنات کی تمام تر عظمتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس چھوٹے سے انسان میں جو mechanism (طریق کار) رکھا گیا ہے وہ یقیناً میں نے بڑی ہی delications (نزاکت) کے ساتھ سوچا ہے اور اس میں رکھا ہے:

"وَالشَّمسِ وَضُحٰهَا ٥ وَالقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ٥ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ٥ وَلَّيلِ اِذَا يَغشٰهَا ٥
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ٥ وَالاَرضِ وَمَا طَحٰهَا ٥

(قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے، اور قسم ہے دن کی جب وہ اس کو روشن کرے اور قسم ہے رات کی جب اس کو ڈھانک لے اور آسمان کی قسم اور اس کی جس نے اسے بنایا اور زمین کی قسم اور اس کی جس نے اسے بچھایا......)

خداوند کریم نے واضح طور پر ان تمام بڑی بڑی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا: "**وَنَفسٍ وَّمَا سَوّٰهَا**...... (اور قسم انسان کے نفس کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک کیا)" اگر یہ comparisons دیکھے جائیں جو خدا نے کئے ہیں تو ایک طرف سورج کی تخلیق اور اس کی روشنی، ایک طرف زمین کی تخلیق اور اس کی آبادیاں، اس کو سمیٹنا اور بنانا، ان تمام عجیب و غریب اور بڑی تخلیقات کے ساتھ ایک بڑی چھوٹی سی تخلیق کا ذکر کیا کہ "**وَنَفسٍ وَّمَا سَوّٰهَا**" مگر اس کے ساتھ فرمایا: "**فَاَلهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقوٰهَا**" (پھر اس کی اچھی اور بری دونوں باتیں اس کو بتا

دیں) یعنی اس پر ہم نے الہام کئے فسق و فجور اور الہام کئے اس پر ہم نے تقویٰ اور طہارت کے خیالات۔ اس آیت کا مطلب بڑی وضاحت سے یہ بنتا ہے کہ انسان سوچتا نہیں ہے۔ انسان inherently (ذاتی طور پر) سوچتا نہیں ہے۔ اگر فسق و فجور اور تقویٰ دونوں خیالات اللہ الہام کر رہا ہے اور انسان خود سوچتا نہیں ہے تو پھر انسان کیا کرتا ہے؟ قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ "ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ" (پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور اسے ٹھیک سات آسمان بنایا) جہاں بھی لفظ "سَوّٰهَا" کا اللہ نے استعمال کیا وہاں اس کا لفظی اور معنوی مطلب یہ ہے کہ بڑی ہی باریکیوں میں جا کر اس کو درست کرنا اور اس کو balance کرنا۔ کائنات کی تخلیق میں بے انتہا delicacies (نزاکتیں) ہیں۔ quantum (کوانٹم) relativity (اضافت) اور special relativity (خصوصی اضافت) کچھ حد تک یہ بتاتی ہے کہ یہ کائنات کیسے balance ہوئی ہے۔ سورج اگر ایک لاکھ میل آگے آ جائے تو زندگی برباد ہو جائے اور چاند بجھ جائے...... جتنی delicacies سے اللہ نے کائنات کو balance کیا ہے اتنی ہی نزاکت سے اس نے نفسِ انسان کو متوازن کیا۔ life belt کے بنانے میں، اس زمین کو زندگی اور نمو کی صلاحیت دینے میں خداوندِ کریم نے جس پیچیدہ scientific عمل سے کام لیا ہے اسی scientific عمل سے نفسِ انسان کو بنایا ہے۔

انسانوں کی معلومہ تاریخ میں برف کے زمانے سے آگے، چالیس ہزار سال قبل ہمیں انسان کا پہلا سراغ بحیثیت انسان کے ملتا ہے۔ ویسے تو اسّی کروڑ سال پہلے کے primates میں بھی انسان کا سراغ ملتا ہے۔ مگر اگر ان primates کو جن کو پہلے انسان سے مشابہہ پہلا تخلیقی انسان کہا گیا ہے اگر آپ دیکھ لو تو مجھے یقین ہے کہ خوف و وحشت سے بچے بھی پاگل ہو جائیں اور بڑے بھی...... وہ کم از کم انسان نہیں لگتا مگر خیال یہ ہے کہ وہ primate سے شروع کیا ہوا سفر انسان وہ آج کے ان اچھے چہروں میں سمایا ہوا ہے مگر نظر یہ آتا ہے کہ Homo Erectus (سیدھا کھڑا انسان) ہو یا Homo Habilis (چالاک انسان) ہو انسان کی کوئی صورت اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوئی جب تک کہ Neolithic age سے آگے ہم اس انسان کو دیکھتے ہیں کہ اس نے اچانک سوچنا شروع کر دیا جسے آپ Homo Sapian (سوچتا ہوا انسان) کہتے ہو۔ ایک قدم آگے جا کے اس thinking man نے اور ترقی کی اور Homo sapien - sapien (عقلمند انسان) ہو گیا۔ یعنی اب اس انسان نے مسلسل

سوچنا شروع کردیا۔ یہ کیا حادثہ پیش آیا کہ انسان نے اچانک سوچنا شروع کردیا تو شیخ محی الدین ابن عربی ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد پچاس ہزار سال تک اللہ اس پر نظر کرتا رہا، پھر ناگہاں اس پر تجلی فرمائی اور یہ سوچتا ہوا انسان ہوگیا یعنی اس کے بدن، اسکے جسد کو بنا کر پچاس ہزار سال اللہ اس پر نظر کرتا رہا پھر یا گہاں سوچتا ہوا انسان ہوا۔ Will Durant کہتا ہے کہ ہمیں اس حادثے کا پتہ نہیں جو نسلِ انسان کے ساتھ پیش آیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ انسان بڑے بڑے حادثات سے اس لئے بچ نکلا تھا کہ قد کا چھوٹا تھا، معمولی سا تھا، اسکو بڑی جگہ نہیں چاہئے تھی، کسی جھاڑی کو پکڑ کے کسی چھوٹے سے ٹیلے پر، کسی سوراخ میں گھس کے اس نے بڑے بڑے حادثات زمین سے تو اپنی جان بچائی مگر ابھی یہ اس قابل کہاں تھا کہ خلافتِ ارضی کا مالک ہوتا، نہ ابھی اس قابل تھا کہ سوچنے کے قابل ہوتا۔ پھر ایک حادثہ ہوا۔ اُس حادثے کی خبر نہ سائنسدانوں کو ہے نہ اس حادثے کی خبر کسی باشعور فلاسفر کو ہے۔ وہ صرف اتنا جان پائے کہ کہیں باہر سے ایک بہت بڑا برقی چارج اس انسان پر آن پڑا اور انسانی ذہن کی مقدار بڑھ گئی۔ وہ جو اچھے بھلے ساتھ تھے، اب بندر ہے..... آج بھی چمپنزی گلہ کرتے ہوں گے کہ "اچھا بھلا ساتھ تھا ہمارا، ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اچھلتا کودتا پھرتا تھا، یہ کیا حادثہ ہوا جو انسان اچانک ہم سے جدا ہوگیا۔" کہاں وہ انسان کہ جس کا دماغ 350 کیوبک سینٹی میٹر تھا اور کہاں پیدائشی طور پر ہی 1000 کیوبک سینٹی میٹر کا دماغ..... دونوں میں کس قدر فرق پڑ گیا۔ ابن عربی اور بعض دوسرے فلاسفروں اور سائنس دانوں کے بقول کہیں سے ایک چارج آیا اور کہیں سے ایک شعلہ جوالہ آیا، کہیں سے حکمتِ ربانی کا ایک معجزہ ہوا اور ناگہاں یہ سوچتا ہوا انسان ہوگیا۔ سوچتے ہوئے انسان کو ایک دم تو کوئی چیز نہیں آتی۔ اس کو قرآن تو نہیں دیا گیا۔ ابھی دماغ بند تھا، local تھا، پھر خداوند کریم نے ایک ایک آیت دینی شروع کر دی۔ یہ صدقۂ رسول ﷺ ہے۔ میں تو پچھلی تمام نبوتوں کو صدقۂ رسول ﷺ کہتا ہوں کہ قرآن تو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہی حق بنتا تھا، کتاب انہی کو دینی چاہیے تھی مگر اس سے پہلے بھی انسان بستا تھا، اس سے پہلے انسانوں کی نجات کیلئے بھی قرآنی آیات ایک ایک کر کے دی گئیں۔ کچھ لوگوں کو رسالت بھی عطا کر دی گئی۔ نبوتیں بھی عطا کر دی گئیں، کچھ انسانوں کی باعثِ نجات بھی یہی آیات بن گئیں حتیٰ کہ جو پہلی آیت تھی حضرت آدمؑ کو قرآن میں سے ہی نکال کے دی گئی کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا اس نے نسلِ انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے گویا نسلِ انسان کو بچالیا۔

اگر انسان اُسی جبلت پر چلتا جس پر Homo Habilis تھا، اسی فطرت پر چلتا جس پر Homo Erectus تھا اور اسی طرزِ عمل پر چلتا جس پر باقی سارے جانور چل رہے تھے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ نسل extinct (ناپید) ہو گئی ہوتی، نسلِ انسان زمین سے صاف ہو گئی ہوتی مگر ایک طرف ایک بہت بڑا الہیاتی ڈرامہ آسمانوں پر منعقد ہو رہا تھا کہ اچانک اس جانور نما انسان کو جو بظاہر کسی بھی اچھی فطرت کا مالک نہ تھا، بظاہر لگتا تھا کہ فتنہ وفساد کا گھر تھا، لگتا تھا کہ قتل و غارت پر آمادہ، کلہاڑہ سر پر رکھے ہوئے گھوم رہا ہے، ہاتھیوں کا شکار ہو رہا ہے، جانوروں کو قتل کر رہا ہے، جس میں کوئی شعوری گرفت نہیں، جس کا کوئی گھر نہیں تھا، کوئی مقام نہیں تھا، غاروں میں رہنے والا یہ انسان جو قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اس کو اتنا بڑا اعزاز بخش دیا جاتا ۔ اگرچہ وہ مالک و کریم وہ پروردگار جو بڑی اچھی طرح جاننے والا ہے کہ کوئی کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ اس کو بھی ایک problem درپیش تھا۔ بے شمار مخلوقات، آسمانی و زمینی تخلیقات کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھا۔ اسکو پتا تھا کہ حکماً میری تابعداری ہو رہی ہے، تمام اطاعت حکماً ہو رہی ہے...... اس نے زمین و آسمان سے کہا کہ تجھ پر میں نے یہ کام ڈال دیا، آتے ہو کہ نہیں آتے ہو، بڑا جابرانہ سا حکم تھا۔ ان کی کیا مجال تھی بھلا......سب نے کہا: "اے پروردگارِ عالم! ہم اپنی خوشی سے تیری اطاعت کر رہے ہیں۔" ملائکہ میں کیا sense تھی؟ سوائے اس کے کہ جو اس نے feed کر دیا اتنی بے شمار مخلوق کو جو طرزِ زندگی پروردگارِ عالم دے رہے تھے اس میں کوئی گنجائش اختیار نہیں تھی اور جب کوئی گنجائشِ اختیار ہی نہیں تھی تو پھر تعریفِ پروردگار کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا کی بڑھ کر ساغرِ جم سے

تب اس نے ایک فیصلہ کیا کہ میں ان تمام مخلوقات میں سے ایک مخلوق کو artificial intelligence (مصنوعی ذہانت) دوں گا۔ ان کو اختیارِ ذات اور نفس دونوں دوں گا۔ ان کو اچھا، برا، برابر کر کے دوں گا اور ایک choice دوں گا: "فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا" ان کے اوپر میں فسق و فجور بھی الہام کروں گا جیسے دل میں دو لائنیں چلتی ہیں اسی طرح دماغ میں بھی ترسیلِ پیغامات کی دو لائنیں چلتی ہیں۔ ایک اچھے خیال کی اور دوسری برے خیال کی...... یہ جو thesis میں آپ کو دے رہا ہوں ابھی تک science اس کی ابتدا تک نہیں پہنچی۔ یہ Quranic concept ہے۔ وہ لوگ جو شدید انائے ذہن کے مالک ہیں وہ یہ بات ماننے سے بالکل قاصر

ہو گئے کہ انسان نہیں سوچتا۔ عمومی خیال اور تصور یہ ہے کہ انسان سوچتا ہے مگر قرآن کی متعدد آیات یہ بتاتی ہیں کہ Mind is a collector of opinions اس پر مسلسل دو سلسلے ہر وقت چلتے ہیں۔ ایک خدا کی طرف سے اور ایک دنیا کی طرف سے۔ ایک خیر کے اور دوسرے شر کے۔ اس میں انسان کو کوئی قابو نہیں ہے کہ وہ کون سی سوچ سوچے، کون سی سوچ نہ سوچے۔ سینکڑوں بلکہ لاکھوں لوگ اگر ایک مرتبہ اپنے خیالات کا جائزہ لے لیں تو ان کو محسوس ہوگا کہ ہم اکثر وبات سوچتے ہیں جو سوچنا ہی نہیں چاہتے...... کیوں؟ اس لئے کہ ہم متقی ہیں، پرہیزگار ہیں، ہم شوقِ عبادت رکھتے ہیں، ہم خدا کے رنگ میں رنگ جانا چاہتے ہیں مگر ہم پر تو غیاتِ نفس گزر رہے ہیں، ہم پر بدترین شہوات گزر رہی ہیں۔ آخر ایک وہ بیچارہ شخص جو زندگی گزار کے، عبادات کے شعور سے اپنے انجام کے قریب جا رہا ہے وہ کیسے یہ سوچ سکتا ہے؟ ساری عمر گزارنے کے باوجود بھی ذہنی morbidities اس پر حملہ آور ہو رہی ہیں اور وہ سوچتا ہے کہ میں نے کیا ایسا کام کیا ہے؟ میں کیوں ایسا سوچ رہا ہوں؟ تو خواتین و حضرات عمر اور وقت کے ساتھ ہوتا وہی ہے جو پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے: "وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ" تم نہیں سوچ سکتے ہو، تمہارے پاس ایسی کوئی کیفیت نہیں ہے یہ تمہارا دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے۔ میں نے تمہیں تمام intelligence اس لئے دی ہے کہ بنیادی طور پر تم ایک فطری فیصلہ کرو۔ اس نے سورۃ دہر میں ارشاد فرمایا: "ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا" You were nothing, not mentionable existence. تم کیا بنے ہو، تم کیا چاہتے ہو، تم کس انداز سے اپنی عزت کے رخ موڑتے ہو؟ خواتین و حضرات! جب کوئی ہمارے ساتھ پلا ہوا اور اچانک وہ بڑا دعویٰ کر بیٹھے تو آپ ضرور یہ remark دیتے ہیں کہ میں اسے بڑی اچھی طرح جانتا ہوں، میرے ساتھ ہی گلی محلے میں کھیلا ہوا ہے۔ How does he claim to be so different and so big? یہی بات وہ کہہ رہا ہے جو بہت بہتر جاننے والا ہے۔ ہم تو شاید جیلسی سے کہتے ہوں مگر اللہ حقیقتِ حال سے مطلع ہو کے یہ کہتا ہے "فَلَا تُزَکُّوْا اَنفُسَکُمْ" مت اپنے آپ کو پاکباز کہو، تم کہاں کے پاکباز ہو؟ یہ کیا دعویٰ، پاکبازی ہے؟ کیا تم نے اپنے اوپر حیران کن پردے سمیٹے ہوئے ہیں؟ لبادوں میں سمٹے ہوئے ہو، بڑی بڑی ولایتِ عالیہ کے دعوے کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ ہم روزہ اتصال رکھے پھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم خدا کے حضور حاضر ہوتے ہیں کعبہ میں۔ کوئی کہتا ہے کہ نماز کی کیا ضرورت

ہے؟ ہم تو جب چاہیں وجود سے نکل کے کعبہ میں نماز پڑھ کے واپس آ جاتے ہیں۔ خدا کہتا ہے: "فَلَا تُزَکُّوا اَنفُسَکُم" (مت اپنے آپ کو پاکباز کہو) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے عبادات نہیں گنوائیں، جب اس نے کہا کہ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں تو اس نے کہا کہ میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا تھا۔ اس نے ایک biological creative end کی نشاندہی کی اور کہا کہ میں تمہیں اُس دن سے جانتا ہوں جب سے میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا تھا اور میں تمہیں اس وقت سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہیں بطنِ مادر میں رکھا تھا۔ اللہ پاک تو ہمیں یہ احساس دینا چاہتے ہیں کہ تم وہ وقت کیوں بھول گئے جب تم کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھے۔ کوئی کائی تھے۔ کہیں ایک ایسے جرثومہ، حیات کی صورت میں تھے جس میں کوئی multiplication (بڑھاؤ) نہیں تھی۔ اجزاءِ حیات ہی نہیں تھا۔ تم کیسے دعویٰ کرتے ہو پاکبازی کا...... ذرا دیکھو تو کہ تمہاری زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی۔ بادل برسے، آسمانوں سے گھٹائیں اتریں، زمینوں نے پانی کھولے۔ تمام زمین کیچڑ بن گئی، پھر زمین سوکھی، کیچڑ کالا ہوا، غلیظ اور بدبودار، پھر اس پر پپڑی جمی اور یہ شیشے کی طرح کھنکتا ہوا گارا ہو گیا۔ پھر اس کے نیچے زندگی کا ایک cell پیدا ہوا۔ یہ biological origin ہوا، زندگی کا ایک cell پیدا ہوا۔ پھر اس cell کی dimensions change ہوئیں، آگے بڑھتے ہوئے یہ کبھی Amoeba ہوا، اور کبھی paramecia پھر مزید آگے بڑھتے ہوئے بالآخر ایک وجود نے نسلِ انسان کا رتبہ پایا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے اسے نطفہ مخلوط میں بدل دیا: "اِنَّا خَلَقنَا الانسَانَ مِن نُطفَۃٍ اَمشَاجٍ" اسے دہرا کیا، double cell میں تبدیل کر دیا یعنی پہلے single cellular تھا پھر double cellular کر دیا۔ مگر کیا ابھی اس قابل تھا کہ یہ اپنے آپ کو انسان کہے، آدم کہے، اشرف المخلوقات کہے، دعویٰ، بزرگی اور عزت فرمائے؟ بالکل نہیں------ not at all پھر ہم نے چاہا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے پھر اس کو انتہائی ترقی یافتہ نظامِ سماعت و بصارت دیئے۔ پہلے حیات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی گئی۔ "نَبتَلِیہِ فَجَعَلنٰہُ سَمِیعًا ' بَصِیراً" سماعت بخشی، پھر بصارت بخشی، وجود مکمل ہو گیا۔ مگر ابھی تک بھی یہ اس قابل نہیں تھا کہ ہم اسے کوئی فطرتی ہنر عطا کرتے۔ یعنی یہ انسان اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر کوئی آزمائش کا cadre مقرر کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ شرع کے مطابق بارہ یا تیرہ سال کے بچے پر آزمائش کا کوئی cadre نہیں ہے کیونکہ ابھی

sensibilities پوری نہیں ہیں۔ judgement balance نہیں ہے۔ خیال ٹھیک نہیں ہے emotional existence (جذباتی وجود) ہے، کوئی logic (عقل و شعور) نہیں ہے۔ کوئی پڑھائی لکھائی نہیں ہے، ہندوؤں کے مطابق تو ابھی وہ برہم چری آشرم سے ہی نہیں نکلا۔ ہندوؤں نے اپنی زندگی کو کم از کم چار آشرم میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ''برہم چری آشرم'' (پچیس برس) سیکھنے پڑھنے کا زمانہ ہے۔ آگے بڑھ کے ''گرہست آشرم'' شادی، بیوی بچوں کا زمانہ ہے۔ اس سے آگے ''گھرب آشرم'' عزتیں ڈھونڈنے کا زمانہ ہے اور جب یہ زمانے گزر گئے تو پھر آخری زمانہ آ گیا، اب یہ ''رشی منی آشرم'' ہے۔ سوچنے کا، وجدان کا، الہیات اور ترک دنیا کا وقت آ گیا۔ بھلا پچھتر سال کی عمر میں کس انسان میں اتنی ہمت رہتی ہے کہ اب خدا کا سوچے "Sans taste, Sans eyes, Sans every thing. آنکھوں میں موتیا اتر آیا، زبان میں لکنت آ گئی، فالج ہو گیا، اب موصوف چلے ہیں خدا کی طرف، کیا خدا کو حقیر سمجھا ہے؟ کیا خدا کی کم وقعتی ہے کہ زندگی کا بہترین وقت دنیا کو دیا ہے اس عالم اسفال کو دیا ہے۔ اس چیز کو دیا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جب تبوک کے سفر کو جا رہے تھے تو ایک مردہ بکری کو دیکھا جس سے عفونت اٹھ رہی تھی۔) ''غور کرو تو دنیا ایسی حقیر ہے۔ اگر دنیا کی وقعت اس سے بھی کمتر نہ ہوتی تو خدا تمہیں بہت دیتا۔'' مگر اللہ کے نزدیک تو دنیا کی وقعت اس سے بھی کمتر ہے۔ عفونت سے بھی کمتر ......

خواتین و حضرات! پورے جوش و جذبے سے ہم نے اس دنیا کو تلاش کیا ہے، پچاس پچپن نوکریاں کیں، وجاہتیں طلب کیں، انداز بیان اختیار کئے، غرور و تمکنت کے اسباب اکٹھے کئے، جب وجود سلامت نہ رہا تو ہم نے خدا سے مذاق کیا، کائنات کی سب سے بڑی سچائی، سب سے بڑی فطری حقیقت کو اس وقت آئے جب نہ دماغ کام کرتا تھا، نہ ہاتھ کام کرتے تھے۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ unnatural act اور کیا ہو سکتا ہے کہ بہترین صلاحیتوں کا وقت بدترین اشیاء کو دے دیا اور بہترین چیز کیلئے بدترین وقت چنا۔ اللہ کہتا ہے کہ اے عجلت پسند انسان تم اپنی بہترین چیزوں سے ایسے چمٹے ہوئے ہو کہ تمہیں ان سے عشق ہے ان کا کھو جانا تمہارے لئے آسیب ہے۔ تم possessive ہو گئے ہو تو کم از کم مجھے درمیانی چیز تو دو نا، میری insult تو نہ کرو۔ مجھ سے مذاق تو نہ کرو۔ مگر وہ پروردگار عالم اپنی ربوبیت میں شاید یہ عہد کر چکا ہے اور آپ نے دیکھا کہ سب سے پہلی صفت جو قرآن میں mention ہوتی

ہے وہ ربوبیت کی ہے، یہ وہ واحد صفت ہے جس میں خدا تعالیٰ نے کسی قسم کی کوئی condition نہیں رکھی "نہ ماننے کی" "نہ" "نہ ماننے کی" "نہ گستاخی ،خیال کی، نہ انکارِ ذات کی، جو مرضی کرتے رہو۔ یہ وہ واحد صفت ہے جو ہر condition (شرط) سے آزاد ہے اور جملہ کائنات کو اس کے اثرات پہنچتے ہیں چاہے آپ اللہ کو مانو چاہے نہ مانو۔ اب دوبارہ اسی بات کی طرف آتے ہیں کہ وہ انسانی وجود جب تیار ہو گیا تو ابھی تک اس میں عقل و شعور کی کمی تھی۔ اب خدا نے یہ سوچا کہ یہ جنگلی اور وحشی انسان اب اس قابل ہو گیا ہے کہ میں اس پر کچھ ذمہ داری ڈالوں، میں نے اب اس کو artificial intellignce دے دی اور مقصد صرف ایک بتایا: "اِنَّـا هَـدَيۡنٰـهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَـاكِـرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا" میں نے تمہیں عقل و شعور بخش دیا، رستہ دے دیا نشاندہی کردی، وہ ذہن دے دیا جو رستے کو detect کرسکتا تھا کیا بڑا استاد ہے کیا عظیم المرتبت استاد ہے کہ کوئی سختی نہیں کی ،کوئی گناہ نہیں۔ چاہو تو مانو، چاہو تو نہ مانو۔ اس کو اعتبار ہے کہ فطرتِ انسان میں تسلیم ہے۔ اُسکو انسان پر پورا پورا اعتبار ہے کیونکہ انسان کی اس صفت کا اظہار فرشتوں کے سامنے اس وقت ہو گیا تھا جب دونوں کے درمیان ایک علمی مقابلہ درپیش ہوا تھا۔ کائنات میں سب سے پہلا بڑا استاذ "اللہ" ہے جہاں اُس نے شاگردوں کو شاگردی کی نعمت عطا کی ہے وہاں اس نے استادوں کو طریقِ استاد بھی سکھایا ہے۔ جب اس نے انسانوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ "وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً" کہ میں اس انسان کو نائب السلطنت مقرر کررہا ہوں مگر فرشتے تو اسّی کروڑ سال سے انسان کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے کہ یہ تو جھگڑالو، فسادی قتل و غارت کرنے والا انسان ہے، یہ اللہ میاں کیا فرما رہے ہیں کہ میں اس کو خلافت دوں گا، اس لئے انہوں نے بڑا جائز اعتراض کیا، بلکہ اعتراض تو نہیں وضاحت طلب کی کہ ہم بڑے حیران ہیں، ہم اس بات کو سمجھ نہیں سکتے: "قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ" کہ ایک طرف ہم ہیں جنہیں عبادت کے سوا کوئی اور شعور ہی نہیں، کوئی اور عادت ہی نہیں اور ایک طرف "یہ" ہے جو سراسر فتنہ و فساد کا گھر ہے قتل و غارت میں پڑا ہوا ہے بھائی بھائی کو مار رہا ہے اور تو اسے خلافتِ ارضی دے رہا ہے۔ اللہ نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے تم نے یہ سوال پوچھ کر گستاخی نہیں کی، تم اس بات میں شک کرسکتے ہو۔ تم نے بڑا جائز اور اچھا سوال پوچھا ہے۔ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○" اب اللہ نے آدم اور فرشتوں کو کچھ اسماء دے دیئے اور

انہیں کہا کہ تم دونوں جاؤ میں نے تمہیں ایک انفرادیت بخشی ہے۔ اب تم دونوں کے دعویٔ علمی کے امتحان کا وقت ہے۔ اللہ نے کچھ اسماء کی تختی دونوں کو دے دی اور ساتھ ایک لمبا وقت بھی دے دیا۔ یہ نہیں کہ صبح دی اور شام کو لے لی، language کی development میں بیس ہزار سال گزر گئے۔ ایک لمبا وقفہ، حالات گزرا جس کے بعد دونوں کو واپس بلایا اور پوچھا What did you do with your brain? میں نے تمہیں جو صلاحیت بخشی تھی اس سے تم نے کیا فائدہ اٹھایا......؟ اب ذرا فرشتوں کا اعتراض سنیے، اس سے ان کی حقیقت کتنی واضح ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا: "قَالُوا سُبحٰنَکَ لَا عِلمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمتَنَا اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیم" ہم تو وہ چیزیں ہیں کہ تیرے دیے ہوئے data کے سوا ہمارے ذہن میں کوئی تصور آ ہی نہیں سکتا، ہم تو computers ہیں، ہمیں تو جو تُو نے بتایا اس کے سوا نہ ہماری کوئی association ہے نہ ہماری کوئی progeny، نہ ہماری posterity ہے، ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ میاں ہمیں تو تُو نے جو feed کیا بس اتنا ہی علم ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ اب اللہ نے آدمؑ سے پوچھا: اے آدم! تُو نے کیا کیا اُن کے ساتھ......اللہ جانتا تھا کہ آدم نے کیا کیا مگر اس کا یہ پوچھنا اک تجاہلِ عارفانہ ہے، ناز پروردگی ہے، ایک تخلیقی عمل پر ناز ہے۔ اپنی مہارتِ علمیہ کا ناز ہے۔ بھلا اس کو نہیں پتا تھا کہ آدم نے کیا کیا؟ آدم سے پوچھنے کی دیر تھی اس نے تو فر فر سنانا شروع کر دیا۔ لسٹیں لگا دیں، لفظ سے لفظ بنایا، فقرہ بنایا، وضاحتیں کیں، اس نے ہر چیز کے نام رکھ دیے تھے، اتنی strong صلاحیتِ ذہن کا اُس نے مظاہرہ کیا کہ تمام مخلوقاتِ عالم دنگ رہ گئیں۔ ملائکہ حیران رہ گئے کہ اس جاہلِ مطلق، فسادی اور شر پسند نے یہ کیا کمال کر دیا۔ تب اللہ نے فرمایا کہ دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اور یہ کہ میں زمین و آسمان کے سب غیب پر مطلع ہوں۔ تمہارا اعتراض جائز تھا لیکن میں بھی تو اپنی تخلیق کے تمام calibre سے آگاہ ہوں۔ فرشتوں پر فضیلتِ آدم ثابت ہو جانے کے بعد پروردگار نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اٹھو اور اس بھائی کی بزرگی اور شرف کو تسلیم کرو۔ اسے سجدہ کرو اور یہ سجدہ، تعظیمی جو فرشتوں نے انسان کو کیا صرف اس صلاحیتِ علمیہ کی وجہ سے پیش آیا۔ اس کی وہ بنیادی فطرت جو اسے فرشتوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی curiosity (تجسس) ہے کہ یہ اعتراض کرے گا۔ جاننے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ جاننے کی کوشش کرے گا تو پھر وہ ترقی کرے گا، شواہد طلب کرے گا، فطرتِ پروردگار پر جائے گا، غور و فکر سے خدا کو پہچانے

گا "اِنَّا ھَدَینٰہُ السَّبِیلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا" اور جیسے اللہ علم والا ہے اور جیسے خدا علم کو عزت وبزرگی کا واحد ذریعہ قرار دیتا ہے، جیسے اللہ فرماتے ہیں کہ میں انسانوں کی ترقی اور عزت کے مدارج ان کی بنیادی عبادات پر نہیں رکھتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان عبادات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم ان عبادات کو نظر انداز نہیں کر سکتے، مگر درجاتِ انسان basics پر نہیں ہو سکتے۔ درجاتِ انسان اُس تفکر پر ہیں، اُس intelligence پر جو اللہ نے انسانوں کو عطا کی کہ پڑھنے لکھنے، غور وفکر اور شعور کو استعمال کرنے کا واحد انجام اللہ ہے۔ اگر آپ کو اس غور وفکر کے باوجود اللہ نصیب نہیں ہو رہا تو واپس پلٹ کے آیئے کہ آپ کی approach کہاں خراب ہو گئی ہے کہاں غلطی ہو گئی ہے کہیں آپ کا اخلاص تو کم نہیں ہو گیا۔ کہیں آپ خدا کے بہانے دنیا ہی کی کسی (عالمِ اسفال کی) چیز کو تو نہیں پسند کر رہے ہو۔ آپ کو اس پر غور کرنا پڑے گا ورنہ انسان کا انجام خدا کو جانا ہے۔ یہی وہ بنیادی فطرت ہے جو سینۂ انسان میں اللہ نے رکھی ہے اور یہ جبلت نہیں ہے یہ نفسِ انسانی کی خصلت نہیں ہے بلکہ یہ وہ nature ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ تجسس لے کے اٹھتا ہے، وہ اپنا choice لے کے اٹھتا ہے، ہماری طرح نہیں ہے کہ آباؤ اجداد کے دین پر ہم برسوں سے قائم ہیں، ہم نے کبھی ذاتی غور وفکر نہیں کیا اپنے دین کے اوپر، کبھی سوچا نہیں ہے ہمارے چناؤ schools پر ہوتے ہیں۔ اللہ کیلئے نہیں ہوتے۔

آدم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک دین کی شریعتیں بدلتی رہیں۔ کسی کو کوئی چیز حلال، کسی کو کوئی حرام رہی۔ وقت اور ضروریات کے مطابق چیزیں بدلتی رہیں تا آنکہ کتابِ حکیم پر آ کر شرع کو قیام ملا مگر اگر آپ پچھلے زمانے سے چلتے آئیں تو شرع بدلتی رہی حتیٰ کہ خدا نے وہ چیزیں جو بنو اسرائیل پر حرام تھیں آپ کو حلال کیں، وہ سختیاں اور وہ rigidities جو باقی قوموں کیلئے تھیں وہ آپ سے اٹھالی گئیں، آپ کو اس نے اُمتِ عصر declare کر دیا اور بہت ساری نرمی کر دی۔ "طٰہٰ ۝ مَآ اَنزَلنَا عَلَیکَ القُراٰنَ لِتَشقٰی" اور دنیا کا سہل ترین نظام قرآن کی صورت میں آپ کو دیا۔ مرضی ہے تو آپ اختیار کرو، مرضی ہے تو نہ کرو، Allah is not concerned. اللہ کو کثرت اور قلت پر کوئی اعتراض نہیں۔ حدیث رسول ﷺ ہے پوچھا گیا: "یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہو گی؟" فرمایا: "جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا"

اللہ کا بنایا ہوا آزمائش کا یہ کیمپ تھوڑے عرصے کیلئے لگا ہے۔ ابدیت کا حامل یہ انسان ازلی نہیں ہے مگر تمام باتوں کے باوجود اگر آپ غور کرو تو انسان کا یہ سفر اس کی ابدیت کی خواہش کی وجہ سے شروع ہوا ہے۔ ابدیت تک زندہ رہنے کی خواہش نے اسے اس مصیبت میں ڈالا ہے۔ شیطان کا بہکاوا صرف یہی تھا کہ جب تو یہ پھل کھائے گا تو ابدی طور پر زندہ رہے گا جیسے ملائکہ ابدی ہیں اور انسان نے یہ risk لیا۔ چاہے جہنم، چاہے جنت۔ ایک بات غور کرکے بتایئے کہ اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ ابدالآباد تک زندہ رہیں گے مگر اس کیلئے آپ کو تھوڑی سی جہنم بھی برداشت کرنی پڑے گی تو آپ پھر بھی ابدی زندگی کو ہی چنو گے۔ اتنا بڑا احسان اللہ نے کیا ہے۔ کسی بُرے پر بھی کتنا بڑا احسان کیا ہے اور کسی نیک پر بھی کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ تمام تر مشقتوں کے باوجود ان کو اتنی طویل ابدیت کی زندگی عطا کردی ہے کہ انہیں یقین ہے کہ ہم چاہے کسی بھی قسم کے عذاب سے گزریں ہم مریں گے نہیں۔ کبھی اگر اس پہلو سے دیکھئے تو یہی ایک عجیب کام اللہ نے کیا ہوا ہے کہ ایک ابدیت کا وعدہ ہر حال میں اس نے انسان کو دے دیا ہے تو اتنے بڑے کرم کا حامل پروردگار آپ کو اتنی بڑی opening اتنی بڑی thinking براہ راست دے رہا ہے اور اس نے بڑی وضاحت سے کہا کہ انسان کو نفسِ انسان میں جو اعتدال میں نے بخشا ہے اور جو باقی کائنات میں بھی ہے، یہ اعتدال کبھی بھی shift نہیں ہو سکتا مگر اس اعتدال پر ہمیں ان تین چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو میں نے آپ سے ابتدا میں عرض کی تھیں کہ genetic built up ہمارے اندر ہے parental built up ہمارے اندر ہے، ہمارا acquired built up ہمارے اندر ہے۔ ہمیں جنگ خدا کے اس اعتدال سے نہیں کرنی ہوتی اس نے تو ہر چیز کو بڑی باریکی سے نفتی نفتی کر کے چھوڑ دیا ہے اور آپ کو advantage بھی دے دیا ہے۔ آپ کو اتنا بڑا advantage دے دیا کہ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر رستے سے آپ پلٹ سکتے ہیں۔ یہ advantage (فائدہ) ہے توبہ کا۔ درِ توبہ سکرات کے طاری ہونے تک کھلا رہتا ہے۔ ایک شخص نزع کے عالم سے کچھ عرصہ قبل توبہ کر لے تو نجات پا جاتا ہے۔ ایک شخص دل میں سوچ سکتا ہے کہ اللہ میاں نے ہم سے اتنے سارے ماتھے رگڑوائے، اتنی عبادات کروائیں، اتنی مشقت اٹھوائی اور اسے بغیر کسی ایسی سختی کے بخش دیا۔ کیوں......؟ ایک بنیاد پرست مذہبی ایسا سوچ سکتا ہے مگر ایک فطری مذہبی انسان نہیں۔ ان دونوں کی سوچ میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ ایک کمرہ امتحان میں دو طالب علم داخل ہوتے ہیں۔ ایک طالب علم آدھے گھنٹے میں اپنا پرچہ حل کر لیتا

ہے اور اپنی سیٹ سے اُٹھ جاتا ہے اور دوسرا آخری دس منٹ تک کاغذ مانگ رہا ہوتا ہے۔ ذہین اور عقل مند انسان کو choice کی سمجھ آ جاتی ہے۔ اصولاً امتحان کا دورانیہ تو سارے پرچے کیلئے ہوتا ہے۔ ایک آدمی اُس کو دیے گئے وقت سے بہت پہلے حل کر لے یا last minute تک لے جائے۔ کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایک کو رعائیت دی گئی ہے اور دوسرے کو نہیں دی گئی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو شدید مذہبی رجحانات fundamentalist attitude رکھتے ہیں انہیں ہم religious pragmatist بھی کہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ بے حد دباؤ میں رہتے ہیں۔ خدا کیلئے جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کیلئے نماز مشقت نہیں ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ Love labour is sweet. یعنی محبت میں کوئی مشقت نہیں۔ جو لوگ دعویٰ محبتِ خدائے عزوجل رکھتے ہیں کیا وہ اپنے محبوب کی خاطر اتنا معمولی سا کام بھی نہیں کریں گے۔ کسی محبوب کی طرف سے اگر فرمائش آ جائے کہ ہمیں تو فلاں خوشبو چاہیے تو کیا آپ آدھی رات کو اُٹھ کر ما کیٹوں کے دروازے نہ توڑتے پھرو گے کیونکہ فرمائش تو بہر حال پوری کرنی ہوتی ہے۔ مگر آپ کا حال یہ ہے کہ ایک طرف دعویٰ محبتِ پروردگار ہے اور دوسری طرف پانچ وقت کا اٹھنا (نماز کیلئے) آپ سے نہیں ہو سکتا۔ "محبت" ہی آپ کو نماز کی لذت دیتی ہے اور یہ جو اللہ نے فرمایا: "صِبغَۃَ اللہِ وَمَن اَحسَنَ مِنَ اللہِ صِبغَۃً وَنَحنُ لَہٗ عٰبِدُونَ" اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہے اور عبادت کرنے والے اُسی رنگ سے رنگے جاتے ہیں۔ اس لیے محبت اللہ کی فطرت ہے، رحمت اللہ کی فطرت ہے، مغفرت اللہ کی فطرت ہے اور یہی انسان کی فطرت ہونی چاہیے۔ "فِطرَتَ اللہِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ علیھا" (روم: ۳۰) (جو اللہ کی فطرت ہے وہی فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا)

تصوف کے متعلق لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ یہ تو اللہ کے رنگ میں رنگا جانا ہے اور خدا کو پا لینا ہے مگر practical بلکہ pragmatist لوگوں کو بھلا کب سمجھ آتی ہے۔ ایک الٰہیات کے طالب علم کو باطن میں جو قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اُس قرب کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس کے باطن پر نگاہ ڈال سکے۔ ظاہر ہے وہ لوگ جو شہوات سے اُوپر اُٹھ کر دنیا سے آگے گزرتے ہیں اور بلوغتِ ذہن، عملِ پیہم اور تجسسِ فکر کے ساتھ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کی کھوج کر رہے ہوتے ہیں وہ بڑے عالی ہمت اور عالی سرشت ہوتے ہیں اور ایک وہ لوگ ہیں جن کیلئے امیر المومنین جناب حضرت عمرؓ کو اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کے الفاظ شامل کرنے

پڑے۔ ظاہر ہے یہ الفاظ لوگوں کیلئے add کیے گئے ہیں جو جاگ تو رہے ہوتے ہیں مگر کسلمندی اور سستی اُٹھنے نہیں دیتی۔ یہ الفاظ ان مسلمانوں کیلئے تو نہیں ہو سکتے جو سوئے ہوئے ہوں کیونکہ سوئے لوگ تو کچھ بھی نہیں سنتے۔ یہ اُن سست الوجود مسلمانوں کیلئے تھا جو جاگ تو جاتے ہیں مگر اُٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے عمل تک نہیں آتے۔ اعمال تب ہی خوبصورت ہوتے ہیں جب وہ فطری ہوں۔ رسول اللہ ﷺ ہر انداز میں سب سے زیادہ خوبصورت اور معتدل ہیں۔ حضور ﷺ کے خوبصورت اور natural انداز کے حوالے سے ایک بات ذہن میں آ رہی ہے وہ میں آپ سے share کرنا چاہوں گا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول گرامی مرتبت ﷺ رات کو جاگتے تو ٹٹولتے ہوئے ہاتھ پانی کی مشک تک لے جاتے، پھر اس کا بند کھولتے اور اُس میں سے تھوڑا سا پانی لیکر آنکھوں پر ملتے۔ جب پوری طرح بیدار ہو جاتے تو اُٹھ کر وضو فرماتے۔ دیکھئے یہ کتنا natural انداز ہے۔ صبح ذہن کے جاگنے کے باوجود بند پپوٹے نہیں کھلتے، اگر ان پپوٹوں پر گیلے ہاتھ پھیر لیے جائیں تو تازہ دم ہوتے ہیں، کھل جاتے ہیں اور عمل کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بند پپوٹوں کا کھولنا ایک بہت ہی صبر آزما کام ہے۔ یہ بند پپوٹے ہماری صبح کی نماز کھا جاتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ہم انہیں سنتوں کو اپنائیں اور ان کا احیاء کریں۔

بات تصوف کی ہو رہی تھی کہ تصوف کیا ہے اور صوفی کون ہے۔ قرآن مجید میں کچھ دوسرے لوگوں کا بھی تذکرہ ہے۔ خدا نے فرمایا: ”میرے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں وہ آدھی راتوں کو بھی میری خاطر نہیں سوتے بلکہ میری ہی فکر و تدبر میں رہتے ہیں۔“ کتنا فرق ہے دونوں میں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کہاں وہ جو سستی اور لذت وجود کی وجہ سے صبح بھی مشکل سے اُٹھتے ہیں اور کہاں وہ جو ذوق و محبت کی خاطر نیند کو تیاگ دیتے ہیں۔ اگر آپ کو نہیں پتا کہ صوفی کون ہے تو آپ بڑی آسانی سے اُسے جان سکتے ہیں۔ صوفی تھوڑا بڑھ جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں عام و خاص سب پر، مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو ان سے بڑھ کر نیند کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ دن رات، صبح و شام اور ہر لحہ کی یاد کرتے ہیں۔ خشیت الٰہی ان کے پہلوؤں کو بچھونے سے دور رکھتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں آپ ولی، مومن یا صوفی کہہ سکتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ خدا ان لوگوں کو اس کے بدلے میں کیا دیتا ہے۔ کیا خدا ان کو دوستی کی کوئی علامت بھی عطا کرتا ہے کہ نہیں؟ کیا ولی کی علامت ”طے فی الارض“ ہے یا کوئی کرامات اور فوق الفطرت

مظاہرات؟ اللہ تعالیٰ نے تو پورے قرآن مجید میں ولی کی ایسی کوئی definition نہیں دی۔ خدا نے ولی کی بڑی مختلف تعریف کی ہے۔ خدا کے نزدیک زمین پر دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ 'اولیائے طاغوت' اور 'اولیائے رحمٰن'۔ درمیان میں تیسری کوئی قسم نہیں۔ اللہ پر ایمان لانے والے سارے ہی اللہ کے ولی ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ آپ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ جنیدؒ اور معین الدین اجمیریؒ ہی کے درجے کے ولی ہوں۔ کس نے کہا کہ آپ اتنے بڑے بڑے آئیڈیل set کر لیں۔ آپ انتہاؤں سے دیکھتے ہو۔ آخر ان اولیاء رحمٰن نے بھی تو کہیں سے شروع کیا ہوگا مگر کیا ہم ان کے ساتھ ابتداء میں بھی شامل نہیں ہو سکتے۔ ابتداء تو محبتِ خداوند ہے، آرزوئے پروردگار ہے۔ ان بزرگوں نے بھی ابتداء میں آرزوئے پروردگار کی ہوگی۔ یہ فطرتِ انسان ہے کہ غور وفکر کے بعد انسان اپنے بنانے والے لکو، اپنے مہربان خدا کو ڈھونڈتا ہے۔ بچہ اگر ماں ہی کو ڈھونڈتا ہے تو سو (100) ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والے پروردگار کو بھی تو ڈھونڈنا فطرتِ انسان ہے۔ کون سا ایسا شخص ہے جس کو خدا نے اپنی دوستی سے محروم ٹھہرایا ہے۔ یہ تو ہم نے بانٹ رکھا ہے۔ وہی ہندو براہموں کی طرح کہ برہمن صرف غور وفکر کریگا۔ کھشتری جنگ وجدل کرے گا۔ ویش تجارت وزمینداری کریگا اور شودر اوپر کی تینوں جاتیوں کی چاکری کریگا۔ ہم نے بھی بدقسمتی سے خود کو ویش اور شودر میں تقسیم کر رکھا ہے ورنہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جسے ولایتِ پروردگار کا حق حاصل نہ ہو۔ اُس نے تو ولائت کی بڑی سادہ سی تعریف دی ہے۔ "اَلاَ اِنَّ اَولِیَـــآءَ اللہِ لَا خَــوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ" (خبردار میرے دوست خوف وحزن سے دور ہوں گے)۔ اور یہ دور تو ہے ہی fears اور frustrations کا۔ And this century can rightly be called the century of fears and frustration. اللہ تعالیٰ عجیب وعدہ فرما رہے ہیں کہ میرے دوستوں کو خوف ہوگا اور نہ حزن وملال، یا چانکیت اللہ کی فطرت میں نہیں ہے اور نہ یہ انسان کی فطرت ہے۔ جلدبازی اللہ کی فطرت نہیں ہے۔ جلدباز انسان کو سوچا ہوگا۔ اُسے متحمل مزاج ہونا ہوگا۔ ولایت کوئی ایسی شے نہیں کہ ایک دن میں سر کر لی جائے۔ ایک دن میں تو کوئی معین الدین چشتی نہیں بنتا۔ سب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو دیکھتے ہیں۔ اُس عبدالقادر کو نہیں دیکھتے جو 50 سال بغداد کے جنگلوں اور بیابانوں میں نفس کے ساتھ مصروفِ جدوجہد رہے۔ کوئی بھی جنیدؒ کی تحصیل علم نہیں دیکھتا۔ سب ہی شیخ جنیدؒ کو دیکھتے ہیں لیکن ابتداء تو ایک ہی ہے، ایک فطری natural خواہش۔ اس خواہش اور آرزو میں کیا حائل ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ خواہش اور

آرزو کے راستے میں ہزاروں گناہ آئیں گے۔ ہزاروں رکاوٹیں آئیں گی مگر اللہ کا وعدہ تو وہی ہے۔ شیطان نے خدا کے سامنے ایک دعویٰ کیا تھا کہ میں اسے (یعنی انسان کو) ہر حال میں بھٹکاؤں گا۔ خدا کی بات تو نہیں بدلتی۔ اُس نے جو rules اور patterns بنائے ہیں وہ تو نہیں بدلتے۔ علم کیلئے صبر ضروری ہے کیونکہ صبر تو آتا ہی علم سے ہے۔ خدا نے فرمایا: اے انسان تجھے عجلت اور جلد بازی چھوڑنی پڑے گی کیونکہ میری طلب تو خیر بہت ہی بڑی بات ہے مگر کسی بھی چیز کا حصول عجلت کا کام نہیں۔ تجھے میری فطرت پر چلنا پڑے گا۔ تجھے اپنی جبلتیں خارج کرنی ہوں گی۔ جانوروں کے ساتھ 80 کروڑ سال میں جو تو نے جانورانہ خصائص لے لیے ہیں اُن کو چھوڑنا ہوگا۔ تجھے میرے قوانین کی پابندی کرنا ہوگی۔ تجھے غیظ وغضب، حسد و کینہ، بغض وعناد، خود پرستی و مادہ پرستی، فخر و تکبر اور غلبہ و حرص کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر تو مجھے چاہتا ہے اور میری محبت چاہتا ہے تو میرے لیے ایسا کر۔ جب کوئی خدا کیلئے خدا سے محبت کرتا ہے تو خدا بھی جواب میں اُسے ایک انعام کا وعدہ کرتا ہے اور وہ انعام ہے: "لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُون" امن کا اور اپنی معرفت کا۔

خدا صرف محبت ہی سے مل سکتا ہے۔ وہ کبھی خوف سے نہیں ملتا۔ خوف ہمیشہ negative morality پیدا کرتا ہے۔ آیئے اب اسی بات کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کون ہے جو خدا کا خوف سہار سکتا ہے۔ ایک طرف وہ بڑائی، عظمت اور کبریائی ہے کہ آپ تصور ہی نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی اس hugeness کا تصور نہیں کر سکتا۔ ایک انسان کی خدا کے سامنے کوئی average (اوسط) نہیں بنتی۔ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ ایک اور 10,00000 کی نسبت بھی ہو تو ہم کہیں کہ بھئی کوئی نسبت تو ہے اور 10,000000000 بھی ہو تو ہم کہیں کہ چلو کسی نہ کسی level پر ہم تصورِ خدا کو resist کر رہے ہیں۔ جب نسبت ہی کوئی نہیں۔ ہماری زمین کی اس کائنات میں کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہماری کہکشاں کی بھی کائنات سے کوئی نسبت نہیں۔ ایسی ہزاروں کہکشائیں روز evolve بھی ہو رہی ہوتی ہیں اور فنا کے گھاٹ بھی اتر رہی ہوتی ہیں۔ زمین کی اس وسعتِ کائنات میں حیثیت ہی کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "زمین کی کائنات میں مثال یہ ہے کہ جیسے وسیع و عریض جنگل میں ایک چھلا (ring)"۔ جیمز جینز (James James) (ایک عظیم ماہر فلکیات) نے کہا کہ زمین کی مثال اس کائنات میں ایسی ہے جیسے ریگزار (صحرا) میں ریت کا ایک ذرہ یا شاید اُس سے بھی کم۔

جب زمین کا یہ عالم ہے تو بندے کی ہستی کیا ہوگی۔ جدید سائنسز نے جب زمین کی حیثیت بتائی تو انسان کی انا کو بڑی ٹھیس پہنچی کیونکہ وہ خود کو کوئی بڑی شے سمجھ رہا تھا۔ جدید فلکیات نے اور نظریہ ارتقا نے انسانی زعمِ عظمت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ انسان اپنی ہستی اور وجود کے لحاظ سے اس قدر کمتر ہے کہ وہ خدا کا خوف سہار ہی نہیں سکتا۔ ہاں البتہ خوف کی بجائے ہمیں لفظ خشیت استعمال کرنا چاہیے۔ خشیت کا مطلب ڈر، خوف (fear) نہیں ہے۔ خشیت وہ خوف ہے جو آپ کو کسی بہت اچھے دوست کی جدائی کا ہوتا ہے کہ کہیں خفا نہ ہو جائے۔ خشیت وہ غم ہے، وہ خوف ہے جو آپ کو اُس وقت لاحق ہوتا ہے جو آپ کی کسی کم عقل ذہنیت کی وجہ سے آپ کو کسی محبوب سے جدا کر دیتا ہے۔ خشیت ایک قسم کا ڈر ہے، دوری کا احساس ہے، اہلِ فراق کی مجبوری ہے، خشیت وہ چیز نہیں ہے جو مسجد کے مُلا پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ نہیں ہے۔ یہ خوف نہیں ہے، کوئی بھی انسان اللہ کا خوف نہیں سہہ سکتا۔ ہم عام زندگی میں ایک SHO کا خوف نہیں برداشت کر سکتے۔ اگر وجودِ خداوند کا بوجھ آن پڑے تو کون سہہ پائے گا۔ وہ جو صحرا کا تجربہ رکھتے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ وسعتِ صحرا انسان کے اندر ایک عجیب سی حسرت اور گھر سے دوری کا شدید احساس (great nostalgia) پیدا کر دیتا ہے اور خصوصاً تب جب کوئی راہ منزل اور نشان نہ ہو۔ جہاں سراغِ حقیقت نہ ہو۔ دور دور تک کے نشان معدوم ہوں۔ کسی نخلستان کا اتا پتا نہ ہو۔ ایسی حالت میں انسان کا غم، اُس کی بے چارگی اور اداسی اُسے خدا کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ کوئی صالح نہیں دیتی۔ خدا نہ ہوتا تو بھی سینہ انسان میں کسی ایسے ہمدرد اور مہربان کا تصور ضرور ابھرتا جو اسے اس بے چارگی، Nostalgia میں سے نکال کر کسی منزل تک پہنچا دیتا ہے اور خشیت اسی غم کے آنسوؤں کا نام ہے۔ اللہ تو کبھی نہیں چاہتا کہ لوگ اس سے ڈریں اور خوف کھائیں۔ اس نے کب کہا کہ مجھ سے ڈرو اور خوف کھاؤ۔ وہ تو اس کے بالکل برعکس کہہ رہا ہے۔ وہ تو کہتا ہے: "اُتْلُ مَآ اُوحِیَ اِلَیکَ مِنَ الکِتَابِ، وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ - اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الفَحشَآءِ وَالمُنکَرِ" کتاب کی تلاوت کرو، نماز قائم کرو کہ عبادات ظاہر برائیوں سے روک دیں گی مگر دیکھو: "وَلَذِکرُ اللّٰہِ اَکبَر" ہمارا ذکر تو بہت بڑی بات ہے۔ یہ تو Personal Relation ہے ذاتی تعلق ہے۔ یاد تو ایک خفیہ تعلق ہے۔ یہ ذات کا ذات سے تعلق ہے۔ ہر ذکر کرنے والے فرد (Individual) کا انفرادی تعلق ہے۔ یہ انفرادی تعلق دوستی، محبت اور اخلاص کا تعلق ہے۔ خوف سے تو یہ استوار نہیں ہوتا۔ محبت اور اخلاص ہی اس کا Building Block ہے۔ مگر بھی

کچھ بات اور بھی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے عالِم یعنی عالم ربانی اور حقیقی دانشور (Intellectual) وہ نہیں ہیں جو صبح و شام عبادات کرتے ہیں بلکہ وہ لیٹے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل مجھے یاد کرتے ہیں اور صرف یاد ہی نہیں کرتے بلکہ زمین و آسمان کی کی تخلیق پر غور بھی کرتے ہیں۔ وہ کوسمولوجی پر بھی سوچتے ہیں اور Micro biology پر بھی۔ وہ مچھر کی خلقت پر غور کرتے ہیں اور حقیقتِ عظمیٰ بھی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ (مچھر بھی تو اپنی خلقت میں ایک زبردست Technology رکھتا ہے۔ اس لیے خدا کہتا ہے کہ میں مچھر یا اس سے بھی آگے کسی چیز کی مثال دے سکتا ہوں کیونکہ ہر چیز ایک شاہکار ہے) جب بھی کسی کے پاس تجسس، اخلاص اور روشنی ہوگی تو اسے خدا بے حد قریب لگے گا۔ اس سے عجیب طرح کا انس ہونے لگتا ہے کہ وہ عقلِ عظیم، وہ دانشِ کل کیا کرتا ہے۔ خدا سے جذباتی محبت نہیں ہوتی بلکہ خدا سے اعلیٰ ترین عقلی سطح پر ہی محبت ہو سکتی ہے۔ عقل ہی سے خدا کو پہچانا جا سکتا ہے اور عقل ہی وہ اعلیٰ ترین تخلیق ہے جس سے خدا کو محبت ہے۔ خدا اپنی تخلیقات میں سے عقل کو سب سے زیادہ پسند فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خدا نے عقل کو تخلیق کیا تو فرمایا! "چل کر دکھا۔" اللہ تعالیٰ نے اس کے رنگ، ڈھنگ دیکھے، ناز و انداز دیکھے تو خوش ہوئے۔ فرمایا کہ میں نے کیا خوبصورت چیز تخلیق کی ہے لیکن اب یہ عقل دیں گے۔

"انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال" ہم نے یہ تمام امانت زمین و آسمان اور پہاڑوں کو پیش کی۔ سب مخلوقات سے کہا کہ کیا تم میری یہ حسین امانت اٹھاتے ہو۔ سب ڈر گئے مگر انسان آگے بڑھا اور کہا یہ تو بڑی بزرگی کی بات ہے۔ میں عقل سنبھال لوں گا۔ میں اس دانشوری کو سنبھال لوں گا مگر اللہ تعالیٰ نے ساتھ ایک بات اور بھی فرمائی۔ What a stupid man ,he under estimated the job and over estimated himself. یہ "اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلاً" اس نے اپنے کام کو معمولی سمجھا اور اپنے آپ کو بہت بڑا۔ اس نے تقاضائے عقل نہیں دیکھا۔ تقاضائے عقل ہے خدا شناسی، معرفتِ پروردگار اور خود شناسی۔ انسان کی نظر جوازِ عقل پر نہیں گئی، خلافت ارضی پر گئی۔ یعنی "خلافتِ ارضی بھی مل رہی ہے اور سیادتِ ملائکہ بھی ساتھ حاصل ہو رہی ہے، میرے کیا کہنے، زمین میری، آسمان میرا، جنت میری......" خود سوچئے کیا اللہ نے غلط کہا: "اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلاً" 6 ارب انسانوں میں 5 ارب تو ویسے ہی فارغ ہیں۔ جو باقی بچے ہیں ان میں سے زیادہ تر روشن خیال ہو گئے ہیں۔ لے دے کے جو تھوڑے بچے ہیں وہ اس امانت میں کچھ آگے بڑھیں

گے۔ چند لوگوں کو چھوڑ کر دیکھیں تو سب ہی نے خدا کو ماننے کا وہ حق ادا نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ اس لیے تو خداوند نے فرمایا کہ مجھے کوئی پرایا نہ سمجھو۔ مجھے ماں باپ سے زیادہ عزیز رکھو کیونکہ یہ تو وقتی ہستیاں ہیں۔ میں ہی تو ہوں جو تمہیں اربوں سالوں سے آگے لے کر آیا ہوں اور اب بارب سال آگے لے کر جاؤں گا۔ مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ یہ تو Transit camp ہے عارضی مستقر ہے۔ تمہیں پیدا کرنا تھا۔ مجبوری تھی اس لیے ماں باپ دیئے اور مجبوری یہ تھی کہ انسان کا بچہ پیدائش پر بہت کمزور اور ناتواں ہوتا ہے۔ دیگر بہت سے جانوروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بچے پیدائش کے چند لمحوں بعد چلنا پھرنا شروع ہو جاتے ہیں مگر انسان کا بچہ ایسا نہیں ہے۔ اسے کافی عرصہ تک دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ماں میں شدید ممتا اور باپ میں پدری محبت رکھ دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کون اتنی مشقت اٹھاتا اور اتنی لمبی ذمہ داری کو نبھاتا۔ باپ میں یہ خواہش کہ میں اپنے بیٹے کے نام سے جانا جاؤں اور اس میں میرا Physical Outfit نمایاں ہو۔ قرآن مجید میں ہے کہ زمانہ قدیم کے لوگ اپنے بیٹوں پر ناز کرتے تھے اور بیٹیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنی ہی اولاد میں ایک جنس کو اپنے لیے Insult اور دوسری جنس کو تفاخر سمجھتے تھے تو خدا نے ماں باپ دونوں میں جدا جدا قسم کے تفاخرات پیدا کیے اور دونوں اولاد کو اپنی اپنی وجہ سے پیار کرتے ہیں اور ان کے لیے بےتحاشہ غم اٹھاتے ہیں۔ اب یورپ کی ماؤں میں ممتا کم ہو گئی ہے۔ ان میں وہ Mother hood نہیں رہی جو کہ ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ وہاں شرح پیدائش مسلسل کم ہو رہی ہے۔

حکومتیں ایک ایک بچہ کی پیدائش پر وظائف دے رہی ہیں مگر پھر بھی وہاں کی آبادی بڑھنے کی بجائے کم ہو رہی ہے۔ عورتیں ماں بننے سے گریز کر رہی ہیں۔ مرد اپنی ذمہ داری اٹھانے سے کترا رہے ہیں پوری سوسائٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ بچے ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت سے محروم ہو کر Criminals بن رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کو خود محبت نہیں ملی، ماں کی گود نہیں ملی وہ کسی سے کیا محبت کریگا۔ So the entire community of the west is becoming unnatural because. ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان موجود عمرانی معاہدہ جو صدیوں قبل طے پایا تھا وہ صرف بچے کے لیے تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ عورت گھر میں رہ کر بچے سنبھالے اور اگر ایسا نہ کرے گی تو نسلِ انسان معدوم ہو جائیگی۔ باہر بھاگ دوڑ میں تو بچے مارے جاتے ہیں۔ مرد باہر کے کام سنبھالے گا اور اس کی خوراک اور دوسری

Protections کے اسباب مہیا کرے گا۔ اب جو عورت اس 40 ہزار سال قدیم عمرانی معاہدہ سے انحراف کرے گی تو یہ Unnatural ہوگا اور مرد اس معاہدہ سے روگردانی کرے گا تو یہ بھی Unnatural ہی ہوگا۔ تو Ultimately اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک تفاخر بخشا۔ خدا نے فرمایا: کہ مجھے یاد کرنا اور محبت سے یاد کرنا۔ خوف اور وحشت سے نہ یاد کرنا۔ بلکہ مجھے ایسے یاد کرنا جیسے ماں باپ کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بڑھ کر محبت سے خلوص سے، غلو سے اور فخر سے کہ اس کے علاوہ میرا کوئی رب اور مولا نہیں۔ وہ میرا مالک ہے میرا کریم ہے۔ میں اس پر فخر کرتا ہوں۔ میں اس پر ناز کرتا ہوں۔ مجھے اس کی بندگی پر ناز ہے۔ مجھے اپنے خدا کی خدائی پر ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ یاد کرنا، ماں باپ اور آباؤ اجداد سے بڑھ کر تا کہ میں قائل ہو جاؤں کہ میں بہر حال ان رشتوں سے تجھے مقدم ہوں۔ میں بہر حال تمام ترجیحات سے بالا ترجیح ہوں اور تمام محبتوں سے بڑی محبت ہوں۔ ہر ایک سے میرے لیے محبت رکھ۔ پھر میں تجھے ساری محبتیں لوٹا دوں گا۔ ان محبتوں سے گزر کر مجھ تک آ اور میری محبت سے نیچے اتر کر سب کی طرف جا۔ جو بھی اللہ کو پہلی ترجیح بنائے گا۔ اللہ اس کے قرب میں اتر آئے گا۔ اللہ اسے اپنی ہمسائیگی کا شرف عطا کرے گا۔ یاد رکھیں کہ First priority or the top priority of the human nature is only and only God جب ترجیح اول (Top priority) درست ہوگی تو نیچے تمام ترجیحات درست ہو جائیں گی۔ تمام Systems ٹھیک ہو جائیں گے مگر جب Top priority کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور جب فطرت اعلیٰ کی پابندی کا خیال نہ رکھا جائے گا تو ساری زندگی کرب و بے چینی، تشویش، افسردگی اور خوف و وہم میں گزر جائے گی۔ خدا امن ہے اور تمام امن اسی کی ذات بابرکت سے جاری ہے اور امن اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے جس طرح اس نے وعدہ فرمایا ہے: "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" جب تک ہم اس کے بتائے ہوئے فطری قوانین پر عمل پیرا نہیں ہوں گے ہمارے اندر کا اضطراب اور ہماری الجھنیں ختم نہیں ہوں گی۔ بہت ممکن ہے کہ ظاہراً ہم قابل عزت اور محترم ہوں مگر وجود انسانی کے اندر کی خبر ہمیشہ بے چینی اور اضطراب کی ہوگی۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی ذہنی اور اخلاقی ترجیحات کو سمجھیں اور اپنے فطری انجام تک جائیں۔ انسانی شعور اور علم کا واحد فطری انجام اللہ ہے۔

وما علینا الا البلاغ

نفس، انسان اور شیطان

اَعُوذُ بِاللهِ السَّمِیعِ العَلِیم مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ
لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْن ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

خواتین وحضرات! بڑی مشکل سے قصور پہنچنا نصیب ہوا ہے۔ آپ نے اپنے گرد اتنی مزاحمتیں بچھائی ہوئی ہیں سڑکوں کی صورت میں اور اتنی مشکلیں پیدا کی ہوئی ہیں کہ میرا نفس، میرا شیطان اور میرا انسان تینوں گھبرا گئے تھے اور وہ جو اللہ نے کہا کہ اے شیطان الرجیم تو چاہے جو کچھ بھی کر لے مگر تو اُس شخص کو گمراہ نہیں کر سکے گا جس کے دل میں میرے لئے ذرہ برابر بھی اخلاص موجود ہوا۔ آپ یقین جانیں کہ وہ بات بھی سچ نکلی، آپکے اخلاص میں اتنی قوت تھی کہ میں بمشکل سہی مگر آپ کی خدمت میں آن پہنچا۔ ماشاءاللہ جس انداز سے مخاطب کرنے والے نے خطاب کیا ہے اور جو زبان استعمال کی ہے لگتا ہے کہ میری استادی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں اگر یہ ایسے ہی صاحبِ کلام نکلے تو "کار استاد خالی است"......

آج کا موضوع ایک بڑا ہی ٹیکنیکل subject ہے اور ہم اسے نفس سے شروع کریں گے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ خداوندِ کریم نے نفسِ انسان کی شکل میں اپنا بدترین دشمن پیدا کیا ہے۔

آخر یہ نفس ہے کیا؟ مدتوں، قرن باقرن سے self یا نفس پر گفتگو ہوتی رہی۔ ایک اللہ کے ولی نے کہا کہ دو چیزیں آج تک سمجھ نہیں آئیں کہ فریب نفس کسے کہتے ہیں اور مقام رسول ﷺ کسے کہتے ہیں مگر دراصل تعلیمات نفس بیسویں اور اکیسویں صدی میں مرتب ہوئیں۔ اس سے پہلے اس علم کو یا لفظ کو کوئی علیحدہ وجود اور شناخت نہیں دی گئی تھی اس لئے یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انسان کیا ہے؟ نفس کیا ہے اور اس کا طرز عمل کیا ہے؟ یہ سلوک میں کہاں مزاحمت کرتا ہے اور انسانی ترقی میں کہاں معاونت کرتا ہے اور ازل سے ہر سمت کارخانہ نفس جاری و ساری تھا۔ اس کے باوجود یہ طلسم ہوشربا کا وہ جادوگر تھا کہ جس کے طلسم میں سے نکلنا کسی طلسم کشا کے بس کی بات نہیں تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اللہ بھی نفس رکھتا ہے یہ نہیں کہ صرف ہمارا ہی نفس ہے۔ پروردگار نے قرآن حکیم میں فرمایا: "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ" (اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے) اور آپ کو یاد ہوگا کہ پرانے زمانے میں ایک فتنہ، اعتزال اٹھا تھا جن کو ہم معتزلہ کہتے ہیں۔ جو آج پھر اٹھ رہا ہے جو قرآن کو اللہ کا لفظ نہیں سمجھتا بلکہ خیالِ خدا سمجھتا ہے۔ وہ قرآن کو خیالِ خدا اور اس کے الفاظ پیغمبر ﷺ کے سمجھتا ہے۔

جدید فکر میں فتنے بھی پلٹائے جاتے ہیں۔ انسانی اوہام، انسانی وساوس اور فتنوں میں، نفس اور الہامِ شیطان میں کچھ فرق ہوتا ہے اور وہ بنیادی فرق جنید بغداد نے ہمیں واضح کیا۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ استاذِ محترم نفس میں اور فتنہ، شیطان میں کیا فرق ہے تو انہوں نے کہا کہ "شیطان جگہ بدلتا ہے، وہ ایک مقام پر نہیں ٹھہرتا اور وقت ضائع نہیں کرتا"۔ اگر ایک جگہ اُس سے آپ بچ نکلو تو دوسری جگہ جا کے داؤ لگا دیتا ہے۔ اگر آپ روپے سے بچ نکلے ہو تو کسی اور شہوت کے رُخ میں آپ کو ڈال دیتا ہے۔ مگر نفس وہ خراب کار ہے جو مستقل اپنی حیثیت برقرار رکھتا ہے اور کسی خواہش اور آرزو کے ذریعے یہ بار بار آپ پر اُسی چیز کا حملہ کرتا ہے جس سے آپ نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ بنیادی فرق ہے وسوسہ، شیطان میں اور نفس میں۔ اس کو اگر میں انگلش میں بیان کروں تو یہ recurrent aggression of thought (کسی خیال کی جارحانہ انداز میں تکرار) ہے اور وسوسہ، شیطان جو ہے یہ shiftable changeable position of immoralities (نوعیت بدلنے والی بداخلاقیاں) ہیں۔ یہاں دونوں میں بنیادی فرق ہے۔ نفس کے معاملے میں جو تضاد ہے سب سے پہلے میں اُن اشکال کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔

جب اعتزال کا مسئلہ اٹھا تو معتزلہ نے یہ کہا کہ قرآن چونکہ لفظِ خدا ہے بلکہ خیالِ رسول ﷺ ہے اور یہ intellectual ذہانتوں کے معیار پر پورا نہیں اترتا حتیٰ کہ اُس وقت جو Greek ideas اور رومیوں (Romans) کا فلسفہ آ رہا تھا اس سے بہت سے لوگ متاثر تھے جیسے آج کل چند لوگ متاثر ہیں مغرب میں سے ہیں۔ اُس وقت بھی کچھ لوگ متاثر ہیں فلسفہ یونان میں سے تھے اور سب سے پہلا مسئلہ جو انہوں نے نکالا وہ اعتزال کا مسئلہ تھا اور جیسے آج ہمارے حکمران secular ہو گئے ہیں اُس وقت کے حکمران اعتزالی ہو گئے تھے معتزلہ ہو گئے تھے۔ خلیفہ مامون الرشید معتزلہ کا سب سے بڑا مقلد اور امام تھا اور اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کوئی قرآن کو خالق کا کلام سمجھے گا تو اُس کا سر کاٹا جائے گا۔ انہی دنوں میں امام احمد بن حنبل کو روز کوڑے پڑتے تھے کیونکہ اُن کے پاس دلائل تو نہیں تھے مگر وہ بار بار اپنے موقف پر قائم تھے کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے اور تم جو چاہو کہہ لو مگر ہم اسے رسول ﷺ کا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ اس بنیاد پر حضرت امام کو روزانہ کوڑے پڑتے تھے مگر استقامتِ دین اور بات ہے اور دلیل دینا اور بات ہے اس لئے قرآنِ حکیم میں اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ جب عقل و معرفت کے بغیر مقلدین کی حیثیت میں کوئی مذہب یا خیال قبول کر لیتے ہو تو خدا کی نہیں بلکہ کسی دیوتا کی پرستش کر رہے ہوتے ہو کیونکہ تم اپنے اذہان میں آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ ہم خوش نصیب ضرور ہیں کہ ہماری بنیادی مزاحمت خدا کو ختم ہو چکی ہے۔ ہم اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ آباؤ اجداد نے ایک نعمتِ غیر مترقبہ، اسلام ہم تک پہنچا دیا مگر جہاں تک اسلام جاننے کی بات ہے اسلام پہچاننے کی بات ہے، جہاں تک اسلام کی centericity کا تعلق ہے اس کی جواب دہی کا تعلق ہے وہ ہم میں مفقود ہے۔ ہم اس وقت مذہب کی پرستش ضرور کر رہے ہیں مگر اللہ کی پرستش سے بہت دور ہیں۔ اتنے بڑے عبادت گزاروں، صبح سے لے کر شام تک عبادت کا شعور رکھنے والوں، مساجد آباد کرنے والوں، بڑے بڑے محلات اور مکاتب ترتیب دینے والوں اور ان کی بڑی بڑی جماعتوں کو دیکھ کر ایسے خیال آتا ہے کہ اللہ کے بندے اور رسول ﷺ کے خدمت گزار بے حد و بے شمار ہیں، دنیا بھری پڑی ہے مسلمانوں سے مگر مذہب جب دیواروں میں قید ہو جائے، مذہب جب آپ کے اندر سوچنے سمجھنے کا مادہ ختم کر دے، مذہب جب مکمل تقلید بن جائے تو وہ بت گری، بت سازی اور بت تراشی ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ کی سوچ نہیں رہتی۔ یہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں تو نہیں کہتا کہ دیوبند برا سکول ہے، بریلوی برا سکول ہے، اہلحدیث برا سکول ہے مگر خواتین و

حضرات ایک بات یاد رکھیے گا کہ مذاہب کی شرائع بدلتی رہی ہیں۔ شروع اوقات سے مذہب کی شرائع بدلتی رہی ہیں۔ شرع اس کم از کم زادِ راہ کو کہتے ہیں جس سے منزل تک پہنچا جائے۔ یہ منزل نہیں زادِ راہ ہے۔ شرع کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کم از کم مال جسے لے کر آپ جلدی سے منزل تک پہنچ جائیں مگر آپ کی منزل کونسی ہے؟ وہ کونسا مقام ہے جو مذہب کی منزل ہے؟ شریعتیں بدلتی رہیں، اخلاق کے قوانین بدلتے رہے۔ طور طریقے Prince Hamorabi کے زمانے میں اور تھے، ہمارے زمانے میں اور ہیں۔ درمیان میں کچھ اور آئے، کبھی براہمنی آئے، کبھی عرب آئے، طریقِ زندگی بدلتے رہے، شرائع بدلتی رہیں مگر مذہب کا مقصد ہمیشہ ایک ہی رہا۔ حضرت آدمؑ سے لیکر، پہلے انسان سے لے کر، پہلے پیغمبر سے لیکر آخری پیغمبر تک مذہب کا ایک بنیادی مقصد رہا کہ بندے کو خدا کی پہچان کرانا۔ بندے کو خدا تک پہنچانا۔ ''اِنَّ ھَلَینٰہُ السَّبِیلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُورًا'' میں نے تمام عقل وشعور صرف اس لئے بخشا کہ چاہو تو تم اللہ کو مانو چاہو تو نہ مانو۔ کیا ستم کی بات ہے کہ صبح وشام کی عبادات کے باوجود، صبح وشام کے تذکرہ رسول ﷺ کے باوجود، صبح وشام کی تسبیحاتِ خداوند کے باوجود ہم میں سے اکثر اللہ کا کوئی سراغ نہیں رکھتے۔ اُسے کوئی ایسی عجیب وغریب حیثیت سمجھتے ہیں کہ:

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
خدا ہی کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

وہ اللہ جس نے آپ کو اپنی مکمل محبت اور دوستی کیلئے چنا، اس نے ہمیں شعورِ ذات اسی لئے بخشا اور امانتِ عقل وشعور اسی لئے دی مگر وہ کہتا ہے: "یٰحَسرَۃً عَلَی العِبَاد" اے لوگو! مجھے حسرت ہے تم پر کہ بھولے سے کبھی تم نے مجھے اپنا خدا سمجھا ہو، مجھے محبت کی نظر سے دیکھا ہو اور مجھے یہ کہا ہو کہ اے اللہ ہم نے سوچا ہم نے دیکھا ہم نے غور کیا، تیری دی ہوئی فضیلتِ علم وعقل کو ہم نے استعمال کیا اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ تو ہے اور ہم تجھے مانتے ہیں اور ہم تجھے ہی پروردگارِ اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ خواتین وحضرات! اس میں نقص حائل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیا ہے......؟

آج سے آٹھ کروڑ سال پہلے زمین پر ایک ہی قسم کے جانور بستے تھے۔ یہ تمام کے تمام جانور سوراخوں میں رہتے تھے، بلوں میں رہتے تھے، غاروں میں رہتے تھے۔ پھر ایک جنس نے فیصلہ کیا کہ نہیں ہم اوپر اٹھیں گے، ہم آسمانوں کو جائیں گے، ہم درختوں کو لپکیں گے، ہم نے پتے دیکھنے ہیں، ہم آسمان دیکھیں گے۔ ان کو ہم primates کہتے ہیں۔ انہوں نے زمین سے

آسمان کی طرف جانے کی پہلی جدوجہد کی۔ یہ ایک پہلا ذہنی فیصلہ تھا جو بہت عرصہ پہلے ان انسانوں نے کیا۔ ان انسانوں کی شکلیں ہم سے نہیں ملتیں، یہ عجیب بجو سے ہیں۔ ان کے سر لمبوترے انڈے کی طرح ہیں مگر یہ انسان جو بنیادی طور پر حضرت انسان کے بڑے ہی پرانے آباؤ اجداد ہیں ان کو ہم primates کہتے ہیں۔ انہوں نے پہلا شعوری فیصلہ یہ کیا ہے کہ اب زمین کی سوراخوں کو لپکنے کے بجائے ہم آسمان وسیع کی وسعتوں کو لپکیں گے۔ یہ پہلے انسان تھے مگر خواتین وحضرات! مہذب انسان کی زمین پر تاریخ neolithic age یا new stone age (حجری زمانہ) سے شروع ہوتی ہے۔ چالیس ہزار سال پہلے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ چالیس ہزار سال پہلے تک بہت بڑے برفانی سیلاب کے نتیجے میں زمین پر آٹھ آٹھ میل گہری برف پڑی اور اُس کے بعد بہت ساری زندگی نیست و نابود ہوگئی، جو بچ کر نکلے ان میں اس پہلے حضرت انسان کا سراغ ملتا ہے جسے آج ہم Homo sapien sapien کہتے ہیں، جو آج کی تہذیب کا بانی ہے، جس سے ہماری زیادہ مشابہت ہے۔ یہ سوچتا ہوا انسان تھا، مسلسل سوچتا ہوا انسان...... مگر یہ کل کا انسان ہے، چالیس ہزار سال پہلے کا انسان ہے۔ یہ تو زمانہ، حجر کا انسان ہے یہ تو اُس زمانے کا انسان ہے، جب انسان نے بستیاں بسانی شروع کیں، جب عورتوں نے سوچا کہ انسانی بچہ ایسے نہیں پل سکتا جیسے جانوروں کے بچے پلتے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو ایک بہت بڑا فرق مرد و عورت کے فرائض میں اس وقت یہ پڑا کہ دونوں نسلوں نے بیٹھ کر سوچا کہ دیکھو بابا! بات یہ ہے کہ جانور کا بچہ ماں کے پیٹ میں سے نکلتے ہی دوڑنا شروع کر دیتا ہے، سانپ کا بچہ نکلتے ہی سرسراتا ہے۔ انسان کا بچہ کافی سالوں تک ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ اُس کی زندگی غیر محفوظ ہے تو دونوں اجناس کے درمیان عورت اور مرد کے درمیان ایک مستقل صدیوں کا فیصلہ ہوا اور آج تک وہ فیصلہ قائم ہے۔ جو اس سے انحراف کرتا ہے وہ بنیادی فیصلے سے انحراف کرتا ہے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ عورت چار دیواری کے اندر جائے گی، بچے کی حفاظت کرے گی اور اس کے گرد چار دیواری مرد بنائے گا۔ اس کی خوراک کا انتظام مرد کرے گا، یہ آج سے چالیس ہزار سال پہلے دونوں اجناسِ انسان میں contract ہوا اور وہ آج بھی چل رہا ہے صرف یہ کہ آج کی خاتون اُس contract سے انحراف کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور آج کا مرد اُن فرائض سے انحراف کر رہا ہے جو اس وقت ایک دوسرے کے فیصلے کے مطابق ہوئے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ Homo sapien-sapien ہونے سے پہلے کے عرصے میں یہ انسان رہا کہاں؟ جب ابھی عقل و

شعور کی آگہی کا دن نہیں چڑھا تھا، جب مسلسل جہالت اور جانوریت کی رات تھی تو یہ کہاں رہا؟ یہ جانوروں میں رہا۔ یہ اپنے جیسے باقی جانداروں میں رہا۔ یہ ایسی مخلوق میں رہا جن میں کوئی انسانیت نہیں تھی، جن سے تہذیب issue نہیں ہوتی تھی، جن سے علم و عقل کی کوئی پھوار نہیں پھوٹتی تھی اس لئے یہ انسان ابتداء ہی سے ان جانوروں کی خصلت پا گیا۔ وہ بنیادی خصلت عمومی ہے، تمام زندگیوں میں پائی جاتی ہے، جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے اور انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسکے بارے میں پروردگار قرآن میں فرماتے ہیں: "وَاُحضِرَتِ الاَنفُسُ الشُّحّ" ہم نے تمام جانداروں کو بُخلِ جان پر جمع کر دیا۔ The first ever instinct سب سے پہلی جبلت جو نسلِ انسان میں پیدا ہوئی اُسے ہم حسِ بقا یا survival کہتے ہیں۔ یہ اولین شرطِ زندگی تھی، یہ شرطِ بقا، بڑی قیمتی تھی۔ اللہ نے انسان کو زندگی بچانے کی پہلی حس دی، نہ صرف انسان کو دی بلکہ چیونٹی، چڑیا، شیر اور بلی سب کو دی۔ یہ وہ حِس مشترک ہے جو تمام حیات میں پائی گئی۔ اللہ نے اصولاً اعلان کیا کہ تمام زندگی میں بنیادی نفس جو مشترک ہے وہ survival ہے یا حِسِ بقا ہے جس کے بغیر ہم کسی زندگی کو پیدا نہیں کریں گے۔ یہ اتنی قیمتی حِس ہے کہ اگر بقا ہمارے رستے میں آ جائے اور خدا کے رستے میں آ جائے تو اللہ اس کا اتنا احترام کرتا ہے کہ اگر آپ کی جان خطرے میں پڑ جائے، اگر آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے اور اگر آپ حلال کو حرام بھی کر لو اور حرام کو حلال بھی کر لو تو اللہ بُرا نہیں مانتا۔ "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیکُمُ المَیتَةَ وَالدَّمَ وَلَحمَ الخِنزِیرِ" (۱۷۳:۲) یہ چار چیزیں حرام مطلق ہیں مگر اگر جان خطرے میں پڑ جائے۔ زندگی جو اللہ کا انعام ہے وہ خطرے میں پڑ جائے تو اضطرابِ جان سے نکلنے کیلئے اگر تم حرام بھی کھا لو تو "اِنَّ اللہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ" بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ زندگی کتنی بڑی نعمت تھی۔ حِسِ بقا کتنی قیمتی حس تھی کہ خداوندِ کریم نے حفاظت کیلئے آپ کو حدودِ شریعت سے متجاوز ہونے کی اجازت بھی دے دی مگر اس مقام پر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ ہرقل روم نے جنگِ اجنادین کے بعد دس بڑے صحابہ کو قید کر لیا۔ جب اُن کو دیکھا گیا تو وہ مفلوک الحال، سوکھے ہوئے جسم والے دبلے پتلے لوگ تھے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ ہمارے اتنے ہٹے کٹے مشٹنڈے فوجیوں کے مقابلے میں یہ سوکھے سڑے جنگ جیتے ہیں۔ اُن کو قید کیا گیا، پھر سیزر کے حکم سے انہیں بھوکا رکھا گیا۔ جب کچھ دن بھوک کے گزر گئے پھر سیزر نے اُن کیلئے حرام گوشت بھجوایا مگر اصحابِ رسول ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ سیزر نے اُن کو اسی آیتِ قرآن سے پیغام دیا کہ تمہارے قرآن نے، تمہارے رسول نے

تمہارے خدا نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے اور چونکہ تم بھوک و افلاس سے مرنے والے ہو تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ تم اس حرام میں سے کچھ گوشت کھالو تو اصحاب رسول ﷺ نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اللہ کی طرف سے عذر ہے مگر ہم اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ ہم نے وہ عمل اپنانا ہے جو ہمیں تقویٰ میں صحبتِ رسول ﷺ کے قابل رکھے۔ اس لئے چاہے آج ہم مر بھی جائیں تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہرقل نے جب یہ سنا تو وہ اتنا متاثر ہوا کہ اُن کیلئے دسترخوان نعمت بھیجا۔

Survival کی بنیاد میں کچھ اور instincts بھی استوار ہوتے ہیں یہ بائیس یا اٹھائیس کے قریب instincts ہوسکتی ہیں۔ ان میں محبت، حسد، غصہ اور احساسِ ملکیت بھی ہیں۔ یہ تمام instincts مل کر جس packet کو ترتیب دیتی ہیں اُسے نفس کہتے ہیں۔ جانورانہ خصلتوں میں رہتے ہوئے ہم نے جو کچھ اوصاف جانوروں کے حاصل کیے اور جو کچھ ہمارے اندر پہلے سے موجود تھے یہ تمام کے تمام اوصاف جب مل جائیں تو یہ مل جل کے ایک پیکٹ بنتا ہے۔ اُس پیکٹ کو نفس کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خدا کا مخالف کیوں ہے۔ اتنی شدتوں سے اللہ نے کیوں کہا کہ یہ میرا سب سے بڑا دشمن ہے اس لیے کہ جبلی انسان میں عقل نہیں ہوتی اور جس میں عقل نہ ہو اُس انسان کو پروردگار جانور سے بدتر کہتے ہیں۔ جس میں عقل نہ ہو اُس انسان کو اللہ جانور سے بدتر کہتا ہے کہ بدترین جانور میرے نزدیک وہ ہے: "صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْن" (۲:۱۷۱) جو اندھے اور بہروں کی طرح آیاتِ الٰہی پر گرتے ہیں، جو سوچتے سمجھتے نہیں، پڑھتے جانتے نہیں ہیں، غور و فکر نہیں کرتے اور عقل استعمال نہیں کرتے۔ اب سوال یہ ہے کہ عقل اتنی important کیوں ہے؟ یہاں چلتے چلتے میں آپ کو بتاؤں کہ انسان ایک بڑی special مخلوق ہے۔ یہ کوئی گئی گزری مخلوق نہیں ہے بلکہ genetic sciences کے سب سے بڑے معتبر specialist جو پچھلے دنوں فوت ہوئے، انہوں نے کہا کہ پچاس سال کے بعد میں اپنی اس عجز و انکساری کا اعلان کرتا ہوں کہ کروڑہا سال سے انسانی genes میں کوئی ترقی development نہیں ہوئی۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ یہ کسی دوسرے جانور سے نہیں بنا، یہ وہ Homo sapien نہیں ہے جس کو سائنس Homo sapien کہہ رہی ہے۔ یہ گوریلا سے نہیں بنا، یہ چمپنزی کا چچازاد نہیں ہے۔ اس کا تو ابتداء ہی سے gene بڑا special تھا۔ یہ بنا ہی کسی اور مقصد کیلئے تھا اور انسانی جین آج تک

اپنی کروڑ ہا سال کی ہستی کو برقرار رکھے ہوئے ہے، اپنی عادات اور اپنی individuality کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ ایک منفرد جین ہے پوری کائنات زندگی میں جس نے اپنی صلاحیتوں کو بالکل علیحدہ رکھا ہوا ہے۔ یہ کسی جانور سے نہیں ملتا۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ ارب ہا ارب سال کے distance (فاصلے) سے آج تک کوئی بندر پھر انسان نہیں بنا۔ اگر یہ progress ہوتی، اگر یہ change ہوتی، اگر mutation ہوتی تو شاید حادثاتی کوئی بندر انسان بن جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہاں! انسان اپنے عادات و خصائص کی وجہ سے ضرور بندر بن جاتا ہے۔ "وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ" (۶۵:۲) جب انسان خصلتِ عقل چھوڑ جائے گا۔ شعور چھوڑ جائے گا، accountability چھوڑ جائے تو وہ جانورانہ عادات کو پلٹے گا وہ عادات جو اس کے نفس نے کروڑ ہا سال میں جانوروں سے سیکھیں تب وہ دفعتاً بندر بن جائے گا اور یہ جو اللہ نے فرمایا کہ میں نے ان کو "كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ" پھٹکارے ہوئے بندر بنا دیا تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان انسانوں میں انسانی تعقل کے بیج نے کوئی نشو و نما نہیں کی، انہوں نے کہیں سے بھی دانش مندی کا سبق نہیں سیکھا۔ وہ دنیاوی معاملات کو مکمل سمجھتے رہے۔ وہ اسرائیل کے فلسطینی تھے یا پرانے زمانے کے یہودی سیاہ کار تھے یا اس سے پہلی اقوام کے وہ بد باطن لوگ جنہوں نے زمانے میں بڑی بڑی نرالی باتیں نکالیں، خدا کے احکامات کو نظر انداز کیا، اللہ پر ہزار ہزار اعتراض کیے، بغیر سوچے سمجھے اعتراضات کیے جیسے نفس کی سرزمین کو شیطان exploit کرتا ہے۔ خواتین و حضرات! ہم وہ زمین شیطان کو دیتے ہیں جس پر وہ اپنے بیج لگاتا ہے۔ "اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (۱۶۹:۲) اور ہم خدا پر وہ باتیں کہتے ہیں جو ہم جانتے نہیں ہیں۔

کیا عجیب بات ہے خواتین و حضرات کہ ایک معمولی سی بیماری کیلئے غریب سے غریب شخص بھی بہترین specialist demand کرتا ہے۔ ایک MBBS سے گزرتا ہے MCPS کے پاس جاتا ہے MRCPS تک جاتا ہے۔ MRCPCS تک جاتا ہے۔ consultants دیکھتا پھرتا ہے مگر جب خدا کی بات ہو، جب اللہ کو جاننا ہو، جب غائتوں کی غایت کو سمجھنا ہو، جب کائنات کے اعلیٰ ترین مسئلے پر سفر کرنا ہو، جب زندگی یا انسان کے مالک کے بارے میں غور کرنا ہو، جب عزت و جاہ و منصب کے مالک کے بارے میں سوچنا ہو تو ہم ضرور کسی ان پڑھ، lesser educated کم فہم آدمی کا سہارا لیتے ہیں۔ اس سے بڑی ہماری علمی

حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا خدا اتنی آسانی سے مل سکتا ہے۔ کیا اللہ کا منصب یہی ہے کہ غالب ہوتے ہوئے مجذوب سے اسے سمجھیں گے۔ کیا اللہ کا منصب یہی ہے کہ زمانے کا ہر اوٹ پٹانگ انسان خدا پر رائے دے گا۔ اگر ایسا ہوتا، اگر مجذوب زمانے کے رہبر ہوتے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی کیا ضرورت تھی؟ پھر کیا ضرورت تھی اعتدال کے اُس اعلیٰ ترین نمونے کو عطا کرنے کی؟ کیا ضرورت تھی کہ جو حسان بن ثابت نے فرمایا کہ ”اے محمد ﷺ! اے میرے پیغمبر! آپ ﷺ کو اللہ نے ایسے بنایا جیسے آپ ﷺ چاہتے تھے“۔ کیا پیغمبر چاہتے تھے کہ اُن کی اُمت مجذوبوں سے بھری ہو؟ کیا پیغمبر چاہتے تھے کہ رال ٹپکاتے اور جن لوگوں کو اپنی سمجھ نہیں وہ دوسروں کو سمجھاتے پھریں۔

خواتین و حضرات! بہترین علم کائنات میں قرآن ہے۔ یہ فرضی بات نہیں ہے۔ یہ میں comparative knowledgeability کی بات کر رہا ہوں۔ یہ کسی سیکولر کی سوچ نہیں ہے۔ سیکولر ہے کون؟ سیکولر مذہب کی کوکھ سے اٹھا ہوا وہ شخص ہے کہ جو مذہب کی مخالفت میں ہو۔ سیکولرازم کا لفظ جس شخص نے پہلی مرتبہ تاریخ علم و ادب میں استعمال کیا وہ ہولی باکس تھا اس کے بعد بریڈلا تھا۔ اس کے بعد باقی آئے مگر سوال یہ ہے کہ ان کو تکلیف کیا ہوئی؟ خواتین و حضرات وہ دونوں پادری تھے۔ بریڈلا پادری تھا۔ اُس کے کارڈینل نے اُس سے کہا کہ معاملاتِ مذہب میں ہمیں دستاویز تیار کرنی ہے۔ ہمیں بائبل کی یہ دستاویز تیار کردو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اُس نے بائبل پڑھی تھی۔ اُس وقت بھی علم و فضل کا یہی عالم تھا جو آج کے علماء کا ہے۔ جب اُس نے اُسکے چار پانچ versions دیکھے تو اس نے ایک مکالمہ لکھا اور کارڈینل کو لکھا کہ خدا کیلئے یہ مت چھاپنا، اگر تم نے یہ چھاپ دیا تو مذہب کی رسوائی ہوگی۔ All the books of the prophet are contradictory. نہیں ہو رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے حواری ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہیں۔ میں کس کو quote کروں؟ متی کو quote کروں؟ لوقا کو کروں؟ یا برنباس کو کروں۔ میں الجھ گیا ہوں۔ اس لئے یہ میں quote نہیں کر سکتا۔ کارڈینل نے اُسے heresy کی سزا دی اور اُسے جیل میں پہنچا دیا۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ میں سچی بات کر رہا ہوں اور مذہبی لوگوں نے مجھے جیل میں بھجوا دیا ہے تو وہ واپس پلٹا اور دنیا کا پہلا سیکولر بن کر سامنے آیا۔ اسنے انتقاماً کہا کہ مذہب بےکار محض چیز ہے۔ لوگ اگر رسماً عبادت کرتے ہیں تو کرتے رہیں مگر اُن کو کسی صورت میں بھی حکومت و اقتدار میں نہیں داخل کرنا چاہئے۔ This was the battle between christianity and his people. مگر یہ ہماری جنگ نہیں ہے۔ قرآن کا تو معیار ہی بڑا مختلف ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جس کی صرف دو آیات زمانے بھر کے تواتر سے گزرتے ہوئے اتنے بڑے سائنسی حقائق پیش کرتی ہیں۔ خدا نے فرمایا کہ ”ہر آیت کو ہم نے جانچا پرکھا، وزن کیا اور زمانوں کیلئے چھوڑ دیا“۔ اگر قرآن میں ایک آیت غلط ہو جائے یا قرآن کی ایک حقیقت غلط ہو جائے تو آپ کو خدا سے نجات ہو جاتی ہے۔ بہت پہلے میں نے ایک بات کہی تھی۔ آج پھر اسے دہرا رہا ہوں کہ اگر انسان ہزار غلطی کرے تو انسان رہتا ہے۔ اللہ اگر ایک غلطی بھی کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ یہ اصول علم ہے کہ ایک ایسی ذات جو اپنے آپ کو total truth declare کر رہی ہے جس کا کہنا ہے کہ میں ہی سچا ہوں۔ میرے بغیر کوئی سچا نہیں ہے تو اگر آپ اس کی ایک غلطی بھی نکال دو تو وہ سچا نہیں رہے گا۔ We are inviting all the seculars, all the philosophers of the world. کہ آؤ! اور ہماری جان چھڑا دو قرآن سے، اسلام سے ......کوئی ایک تضاد، کوئی ایک غلطی قرآن سے نکال دو مگر وہ نہیں نکال سکتے۔ ایک بات یاد رکھیے گا کہ اصولاً یہ شر پسندوں کی غلطیاں نہیں ہیں۔ یہ نہیں کہ قرآن کی ایک آیت کو ادھر سے توڑا، ایک کو اُدھر سے توڑا اور اعلان کر دیا کہ قرآن غلط ہے۔ اس کیلئے آپ کو ایک اچھا طالب علم اور ایک اچھا دانش ور بننا پڑے گا۔ اگر آپ نے قرآن کو غلط ثابت کرنا ہے تو آپ کو اتنا ہی بڑا اُسکی text کا specialist (ماہر) ہونا پڑے گا۔ جتنا بڑا آپ اعتراض کر رہے ہو۔ آپ اس کے بارے میں ہر کس و ناکس سے نہیں پوچھو گے، آپ اُسی شخص کے پاس جاؤ گے جو قرآن کے text کا سپیشلسٹ ہے اور اس کے معنی و مطالب کا سپیشلسٹ ہے پھر اگر وہ علمی طور پر سچا ہوا تو آپ کی بات مان جائے گا اور اگر آپ سچے ہوئے تو آپ اُسکی بات مان جاؤ گے لیکن علم میں مخاصمت نہیں ہوتی۔ علم نام ہی تسلیم کا ہے۔ اسلام نام ہی تسلیم کا ہے۔ اسلام علم کا مذہب ہے اس لئے اسلام تلقین کرتا ہے کہ اگر کوئی ایسا بہتر اعتدال کہیں موجود ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہے تو ہم ضرور اسے حاصل کریں گے۔

خواتین و حضرات! آپ ذرا سوچ کر بتائیے کہ اسلام میں کونسی چیز آپ ڈالو گے کہ یہ معتدل ہو جائے گا۔ کوئی ایسی چیز تو بتاؤ؟ کیا Homo sexuality ڈالو گے؟

صلہ یہ فرنگ سے آیا ہے ایشیا کیلئے
مے خمار و ہجومِ زنانِ بازاری

کیا یہ اسلام میں ڈالو گے تو وہ معتدل ہو جائے گا۔ علمی طور پر جو لوگ بھی اسلام کے غیر معتدل ہونے کا اعتراض کرتے ہیں وہ انتہائی لاعلمی کی بات کرتے ہیں یا انہوں نے قرآن پڑھا نہیں ہوتا یا لوگوں پر قرآن کا گمان کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذات سے خود شرمندہ ہیں کیونکہ نفسی اشکال یا ہمارا 'میں' اس میں حائل ہے۔ اب دوسری طرح آپ کو explain کروں گا کہ جب نفسی اشکال یا جبلتیں آپس میں مل کر کام کرتی ہیں تو بے شمار چالیں سامنے آتی ہیں جیسے ایک شطرنج میں آپ کو بمشکل 32 یا 36 مہرے نظر آتے ہیں مگر اس کی چالیں ایک بلین سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر آپ غور کرو تو شطرنج کی جو چالیں calculate ہوئی ہیں وہ ایک ارب سے بھی زیادہ ہیں۔ یہی حال نفس کا ہے کہ جب جبلتیں آپس میں interact کرتی ہیں یا جب آپس میں عمل کرتی ہیں، یعنی غصہ اور شہوت مل جائے یا غصہ اور شہرت مل جائے تو اتنی صلاحیت پیدا کر دے۔ مثلاً اگر ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھ میں صلاحیتِ عزتِ نفس بہت ہے مگر سوال یہ ہے کہ عزتِ نفس کیا ہے؟ یہ کہاں سے built ہوئی؟ اگر آپ sensitive ہو کہ ایک شخص نے آپ کو chair نہیں دی تو آپ کہو گے کہ تم مجھے جانتے ہی نہیں۔ تم نے میری insult کی ہے مگر یہ جو احساسِ ذات ہے، یہ جو عزتِ نفس کے concepts ہیں یہ باہر سے نہیں ہمارے معاشرے سے، ہمارے complexes سے پیدا ہوئے ہیں مگر یہ صحت کی علامت نہیں۔ ایک صاحبِ علم جو ہے وہ دوسروں کو اس کے اخلاق کی limitation سے جانتا ہے۔ اگر ایک شخص میں اچھے اخلاق کی صلاحیت ہی نہیں اور اس میں کم علمی کی وجہ سے اتنا وصف ہی نہیں کہ وہ ایک اچھا جملہ بول سکے اور اگر اُس نے بدتمیزی کی بات کہہ دی تو صاحبِ علم اُس کا بُرا نہیں مانتا کیونکہ ان کو اچھی طرح پتہ ہے کہ حدودِ علم کا تعین اور شخصیت پر کسی کے علم کے تاثرات limited (محدود) ہیں مگر نفس میں جو سب سے بڑی خواہش ہے اس کے بارے میں حجۃ الاسلام محمد بن احمد الغزالی نے فرمایا کہ "آخری چیز جو سینۂ انسان سے نکلتی ہے وہ حبِ جاہ ہے"۔ عزت کی طلب اور شہرت کی خواہش ہے۔ عزت کے معاملے پر اگر غور کریں اور اس کی حسی اصطلاحات کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم ہمیشہ عزت ذرائع سے طلب کرتے ہیں، ذرائع سے ڈھونڈتے ہیں اور اشیاء سے طلب کرتے ہیں مگر مختلف اداروں میں عزت کے مناصب یا ان کی priorities (ترجیحات) تبدیل ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں افتخار نسل پر تھا اور دوسرا عزت کا افتخار لباس کا تھا اس لئے حضور ﷺ نے نہ صرف نسلی تکبرات کی تردید فرمائی بلکہ ساتھ ساتھ آپ نے وہ حدیث سنی ہوگی جو کہ بہت quote کی جاتی

ہے یا جس پر ایک سکول قائم ہو گیا کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار کو تکبر کی علامت گنا گیا مگر بیچ میں سے 'زمانے' نکال دیئے گئے۔ اگر آپ اس حدیث کا پس منظر دیکھیں تو اس وقت کپڑا اتنا کمیاب تھا کہ وہ تکبر کی علامت تھا۔ ابی داؤد، بخاری اور مسلم میں حضرت معاذ بن جبل کی حدیث موجود ہے کہ ایک قریہ قریب میں لوگ نماز پڑھنے کیلئے اکٹھے ہوئے تو فیصلہ یہ ہوا کہ جس کو قرآن زیادہ آتا ہے وہ نماز پڑھائے گا۔ معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بارہ سال کا بچہ تھا، مگر صحبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے مجھے قرآن زیادہ آتا تھا تو لوگوں نے کہا کہ معاذؓ تو آگے بڑھ اور ہمیں نماز پڑھا۔ (خواتین و حضرات! امامت کا معیار تو آپ نے دیکھ لیا کہ جس کو علم زیادہ ہو اُسی کا معیار ہے امامت کروانا) وہاں اصحاب اکٹھے ہوئے تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے نماز پڑھائی۔ پاس سے ایک عورت گزر رہی تھی۔ جب نماز ختم ہوئی تو اُس نے کہا کہ اے مسلمانو اپنے امام کا ستر تو ڈھانپ لو، یعنی اس وقت کپڑا اتنا کم تھا۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ پھر نماز کے بعد اصحاب رسول ﷺ نے تھوڑے پیسے ڈال کر مجھے ایک چادر خرید دی اور فرمایا کہ ربّ کعبہ کی قسم ہے کہ جب مجھے یمن کا گورنر بنا کے بھیجا گیا تو اُس وقت بھی مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اُس دن مجھے اُس چادر کی ہوئی تھی۔ اُس وقت کپڑا تکبر کی علامت تھا اپنی کمیابی کی وجہ سے ...... گویا جب چیزیں available نہ ہوں تو آپ جان سکتے ہیں کہ ان کی قدر و قیمت کیا ہوتی ہے۔ مگر آج کونسا کپڑا تکبر کہلاتا ہے؟ آج کونسا کپڑا تکبر کی علامت ہے کہ آپ اس پر ایک سکول built کر کے بیٹھ جائیں۔ اس کی اس زمانے میں وہ اہمیت نہیں ہے۔ میں آپ کو frankly بتاؤں کہ میں نے اپنے بڑے اچھے دوست علامہ ساجد میر سے کہا کہ علامہ صاحب! آپ 70 سال سے اس قوم کے پائنچے اٹھواتے رہے مگر نہیں اٹھوا سکے۔ ایک فیشن آیا اور عورتوں مردوں سب کے پائنچے اٹھ گئے۔ اصل میں یہ "ہوا" ہے۔

اب میں آپ کو واپس اُس پہلی بات کی طرف لے چلوں کہ جو بنیادی intellectual problem (دانش ورانہ مسئلہ) پیدا ہوا وہ یہ کہ اللہ بھی نفس رکھتا ہے: "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ" (۳:۳۰) کہ خدا تمہیں اپنے self سے ڈراتا ہے، اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس انسان اور نفس پروردگار کیا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور پھر نفس انسان اگر اتنا ہی ظالم ہے تو پھر خدا نے یہ کیوں کہا: "یایتها النفس المطمئنة" کہ اے نفس مطمئن پلٹ میری طرف۔ راضی ہو کر اللہ کیلئے ...... یہ لفظ بڑا important ہے کہ

راضی ہو کر اللہ کیلئے...... نفس انسان کی حد تک انسانی جبلتوں اور حیوانی جبلتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا، نہ اُن کی شہوات، نہ اُن کے کھانے پینے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں مگر جب عقل اسے مہذب کرنا شروع کر دیتی ہے جیسے آپ کسی جانور کو تہذیب کرنا شروع کر دیتے ہیں تو یہ ایک تہذیب یافتہ نفس ہے۔ یہ آگے بڑھ کے جب عقل کی خدمت پر ایستادہ ہوتا ہے۔ جب ربّ کریم کی عادات میں ایستادہ ہوتا ہے تو اس نفس کو پھر اللہ ایک trained نفس سمجھ کر خطاب کرتا ہے: "یا ایتھا النفس المطمئنۃ" آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سارے بزرگوں کے اجسام مردہ نہیں ہوتے۔ مدتوں بعد بھی نکالے ہوئے اجسام تر و تازہ ہوتے ہیں۔ This is against the law of biology. This ia against the law of nature. Within 48 hours the bodies must decay. انہوں نے گلنا سڑنا ہوتا ہے۔ یہ جسم برباد ہونے چاہئیں۔ پھر یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کیوں سلامت رہ جاتے ہیں......؟ عراق کے ایک قصبے میں موجود دو اصحابِ رسول ﷺ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور ابوحذیفہ الیمنی کی قبروں میں پانی آ گیا۔ یہ بڑی لمبی بات ہے۔ میں مختصراً آپ کو سنا رہا ہوں۔ اُن دنوں خلیفہ وقت فیصل النوری السعید کی حکومت تھی۔ وہ اُس کے خواب میں آئے اور کہا کہ ہماری قبریں بدلو کہ ان میں پانی آ رہا ہے۔ انہوں نے مشورہ کیا اور قبروں کے ارد گرد بڑی گہری کھدائی کی مگر پانی نظر نہیں آیا تو انہوں نے سیسہ بھروا کے چھوڑ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ پھر ان کے خواب میں آئے اور کہا کہ تمہیں اپنے ذرائع پر اعتبار ہے۔ کیا ہماری بات پر یقین نہیں ہے؟ پھر انہوں نے دوبارہ جب کھدائی کی تو عین حضرت ابوحذیفہ کی قبر کے وسط تک پانی پہنچ چکا تھا اور اُن کی قبر متاثر ہو رہی تھی۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ ان کو باہر نکالیں گے تو دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ پھر اس کا اعلان تمام اسلامک ممالک میں کیا گیا تو ممالکِ اسلامیہ نے تجویز پیش کی کہ جب اصحابِ رسول ﷺ کے لاشہ مبارک نکلیں تو ہم انہیں salutation (آداب) پیش کریں گے۔ تمام مسلم ممالک نے اپنے نمائندے بھیجے۔ ترکی حکومت نے گارڈ بھیجی تا کہ وہ قبریں کھودیں اور لاشیں نکالیں۔ اس وقت نیا نیا ٹیلی ویژن آیا تھا اور بہت بڑی سکرین لگا کر وہ ساری کارروائی دکھائی گئی اور آپ کو علوم ہے کہ انہوں نے کیوں وہ کارروائی دکھائی؟ کیونکہ وہ اس بات میں دلچسپی رکھتے تھے کہ مسلمان غلط ثابت ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا اللہ پر اعتبار غلط نکلے اور مسلمانوں کا شہداء کے بارے میں جو thesis ہے وہ غلط نکلے۔ "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ"

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (۱۵۴:۲) وہ چاہتے تھے کہ ان کے جسم گلے سڑے نکلیں اور ہم ساری دنیا کو بتائیں کہ یہ مسلمان فضول قسم کا اعتبار اور faith لئے بیٹھے ہیں۔ اُس وقت ٹیلی ویژن لگایا گیا۔ لاکھوں لوگ جمع ہوئے۔ اصحاب رسول ﷺ کی جب لاشیں مبارک نکلیں تو حضرت حذیفہ کی آنکھیں کھلی تھیں ایک جرمن specialist ڈاکٹر نے اُن کی آنکھوں میں جھانکا، جب اُن کی آنکھوں میں جھانکا تو اُس نے یہ جملہ بولا کہ By God! these are not the eyes of a dead man. اس میں اتنی چمک اور اتنی روشنی ہے کہ یہ کسی مردہ انسان کی آنکھیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جس کے بعد عراق کے بے شمار یہودیوں نے اسلام قبول کیا۔ ہمارے ملک سے بھی ایک بیگم عثمان حیدر نمائندگی کیلئے گئی تھیں۔ یہ واقعہ پھر انہوں نے انڈیا میں پوری شہادت کے ساتھ قلم بند کیا۔ خواتین و حضرات! وہ لاشیں کیوں نہیں گلتیں......؟ دیکھئے پروردگار کتنا مہربان اور کتنا دوست ہے ان دوستوں کا کہ جن کے بدنوں نے اپنی عقلوں کے مطابق، خدا کی دی ہوئی رہنمائی کے مطابق، اللہ کے کرم کے مطابق اپنے معاملات و زندگی کو سنوارے رکھا اور جنہوں نے اپنے ابدان کو اُس جبلت کا شکار نہ ہونے دیا۔ ہوا و ہوس کا شکار نہ ہونے دیا۔ جانورانہ خصلتوں سے دور رکھا تو پھر اللہ نے یہ عہد کیا کہ "اے زمین تو ان کے بدن کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ یہ قیامت تک تیرے پاس امانتیں ہیں جو تو محفوظ رکھے گی۔" اور وہ بدن اپنی ارواح کے ساتھ اس طرح اُٹھائے جاتے ہیں کہ اُن کے مابین کوئی بندہ روح اور بدن کا فرق کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ہے "مہذب نفس"۔ یہ وہ نفس ہے جو آپ کو فائدہ دے گا ورنہ نفس پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور اللہ نے صاف صاف کہہ دیا: "وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ" کہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اُسے ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ نفس مہذب ہو یا غیر مہذب اس کی مخالف عقل نے اس پر کنٹرول جاری رکھا۔ نفس کی طلب بے حساب ہے مگر جب خدا نے طریقہ، اعتدال دے دیا، جب قرآن دے دیا تو نفس پر کنٹرول کا طریقہ بتا دیا۔

اصول علم یہ ہے کہ اگر دنیا میں بہترین کتاب قرآن ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے عالم کیسے ہیں۔ اگر یہ بہترین علم ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ یہ کتاب کس کو دی گئی۔ کسی psychotic مجنوں کو دی گئی یا کسی مجذوب کو دی گئی، اللہ نے یہ کتاب علم کسی کم تر عقل والے کو دی یا کسی بڑے rigid تزکیہ والے کو دی مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہ کتاب علم ایک ایسے انسان مبارک کو دی گئی کہ تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ کہہ سکتے ہیں کہ اے میرے ربِّ کریم مجھے تو نے تجربے

سے پیدا کیا، معجزوں میں رکھا، معجزے سے سمیٹ لیا۔ میری قوم تو کہہ سکتی ہے کہ He was not a human being. He was not like us. اس میں تو کچھ بھی انسانیت والا نہیں تھا۔ وہ تو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ اس نے تو صبح و شام گہوارے میں کلام کیا۔ ان کی ساری زندگی معجزاتی تھی۔ انکی قوم کہہ سکتی ہے کہ وہ followable نہیں تھے۔ پھر حضرت عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں تم سے demand بھی نہیں کرتا، نہ اعمال میں، نہ خیال میں مگر صرف ایک کام نہ کرو۔ خدا میں کسی کو شریک نہ کرو۔ یہودیوں اور فلسطینیوں سے کہا کہ "وَ اُنَبِّئُکُم بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِی بُیُوْتِکُم" (۳:۴۹) (میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو) یہ دعویٰ غیب ہے جو حضرت عیسیٰ نے کیا۔ (اب آپ بتایئے کہ غیب کیا ہوتا ہے؟) جب تمام یہودی علما اکٹھے ہوئے اور وہ "میری" کو پتھر مارنے لگے جو پہلے فاحشہ کہی جاتی تھی تو حضرت عیسیٰ نے کہا کہ ٹھہر جاؤ، تم میں سے پہلا پتھر اس کو وہ مارے جس نے اس فعل کا پہلے ارتکاب نہ کیا ہو۔ جب یہ کہا تو پھر ساتھ ہی ایک warning بھی دی کہ "وَ اُنَبِّئُکُم......" (میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کیا کھاتے ہو اور کیا چھپا کے رکھتے ہو۔) یہ دعویٰ علم ہے اس لئے کہ غیب بھی ایک information ہے، جتنی اچھی information ہوگی اتنا غیب کا پتہ ہوگا۔ اگر information کی source (ذریعہ) اللہ ہے تو پھر کیا پوچھنا کہ غائب کیا ہے؟ اگر غیب بتانے والا اللہ ہے تو پھر کیا ضرورت ہے پوچھنے کی کہ آپ کو غیب آتا ہے کہ نہیں۔ پھر یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ اتنی کم فہمی اور کم عقلی کی بات ہے کہ میں اپنے پیغمبر سے خود پوچھوں کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو غائب آتا ہے تو وہ کہیں گے کہ یہ جو میں نے تم کو بات بتائی ہے کیا یہ دنیا میں کہیں ملتی ہے۔ یہ جو میں نے کہا "اللہ ایک ہے، اللہ کہیں موجود ہے۔" کیا یہ بات پہلے تمہیں پتہ تھی؟ غیب بتانا اہم نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر آدمی کی ایک source of information ہے۔ اگر میری source of information میرا اللہ ہوتا، میرا رسول ہوتا اور ایک عام سا جن ہی ہوتا تو میں یہ دعویٰ کر دیتا کہ مجھے آپ کے معاملات تو زندگی کی مکمل خبر ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جن کی مکمل اطلاعات کی source صرف اور صرف اللہ ہوتا ہے ہم اُن سے پوچھیں کہ تمہیں غائب آتا ہے کہ نہیں۔ یہ کس نے کہا کہ غیب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اوّل سانس سے لیکر آخری سانس تک یہ پیغمبر ٹوٹل کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ یہ کنٹرول سے باہر نہیں ہو سکتے۔ ان کی غلطیاں بھی ٹوٹل کنٹرول میں ہوتی ہیں۔

حضرت یونس بن متی کو دیکھ لیجئے۔ یہ یاد رکھیئے گا کہ ان کے نفس total control میں ہوتے ہیں۔ یہ نفسی یا نفسانی غلطیاں نہیں کرتے۔ لگتا تو یہی تھا کہ حضرت یونسؑ سے کوئی خطا ہوئی مگر آپ نتائج دیکھیں کہ خدا آپ کو اس غلطی کے عوض میں کیا دینا چاہتا ہے۔ پیغمبر کی خطاء جملہ مومنین کیلئے باعث رحمت ہے۔ حضرت یونس بن متی جب so called خطا کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ایک contract sign کیا: "وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (انبیا: ۸۷) جب ان کا ظلمات میں گھیراؤ ہوا تو حضرت یونسؑ نے سادہ سے طریقے سے آواز دی کہ اے اللہ تو perfect تھا۔ تیری perfection میں کوئی خطا نہیں تھی۔ تو نے مجھے پیدا ہی خطا کے ساتھ کیا ہے میرے اندر خطا کا element موجود تھا۔ میں کچھ دیر کیلئے اندھیروں میں چلا گیا تھا۔ مجھے معاف کر دے۔ اللہ نے کہا کہ کیا خوبصورت طریقہ ہے تسلیم خطا کا اور اے پیغمبر میں خوش ہوا۔ نہ صرف تجھ پر خوش ہوا بلکہ جملہ مومنین کیلئے میں نے سوغات چھوڑی کہ جو مجھ سے اس لہجے یا اس طرح سے معافی مانگیں گے میں انہیں معافی دوں گا۔ میں اُسے بالکل معاف کر دوں گا۔ تب سے لیکر آج تک یہ آیت کریمہ نجات سمجھی جاتی ہے مگر ہم اسے بغیر سوچے سمجھے ہوئے پڑھتے ہیں۔ خواتین و حضرات! بغیر سوچے سمجھے نہیں پڑھنا آپ دیکھو تو سہی کہ پیغمبر کیا کہہ رہا ہے۔

خدا کہتا ہے کہ اگر بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو، نفس کی فریب کاریوں سے پیچھے ہٹو تو چھوٹے چھوٹے تو تم کرو گے ہی۔ ملاحظہ فرمائیں کہ انسان کی constitution اور make up میں اللہ خود اپنی زبان سے فرما رہے ہیں کہ: "اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ" (نجم: ۳۲) (وہ جو بڑے گناہوں اور بےحیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رُک گئے) کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں اور کچھ خطاؤں کی inherently تمہارے کمپیوٹر میں placing ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر خطا گناہ نہیں ہوتی۔ ہر خطا ایک hit and try method ہے سیکھنے کا، علم حاصل کرنے کا۔ جن کو آپ گناہ کہتے ہیں، خدا اسکو گناہ نہیں کہتا۔ خدا اس کو اسراف کہتا ہے یعنی Excessive use of every thing. جو صلاحیت اچھی چیز کے لئے تھی وہ آپ نے غلط چیز کیلئے استعمال کر دی۔ "قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ" تم نے زیادہ خرچ کر دیا۔ سردیوں کیلئے رکھا ہی کچھ نہیں۔ کھایا پیا، گرمی میں سارا اُڑا دیا۔ اب مانگنا پڑے گا...... اب خسارے میں چلے گئے ہو۔ گناہ

کا مطلب ہے خسارے میں چلے جانا۔ آپ کو یاد ہے کہ آدم خسارے میں چلے گئے تھے اور انہیں جنت میں سے نکلنے کا حکم ہو گیا، بڑا روئے پیٹے، بڑا افسوس کیا، کہا کہ یہ کیا ہوا کہ مجھے میرے نفس نے بہکا دیا۔ اللہ نے جب خلوصِ توبہ دیکھا، انسان کی معذرت خواہی دیکھی کہ بار بار سوری کر رہا تھا تو اللہ نے اُسے کچھ جملے القاء کیے کہ دیکھ تیرے پاس ابھی زبان نہیں ہے، ابھی تم نے built language ہی نہیں کی۔ ابھی تو بڑے سال لگنے تھے زبان کو مرتب ہونے میں۔ تو سادہ طریقے سے اس طرح معافی مانگ: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ o "(۷: ۲۳) اگر تو معاف نہیں کرے گا تو میں خسارے میں چلا جاؤں گا۔ خسارہ اسراف سے ہے۔ تمام گناہ کی حیثیت یہی ہے کہ انسان مسرف ہے اور اسراف نفس کی پہلی عادت ہے۔ یہ آپ کو extra use میں ڈال دیتا ہے۔ اس چیز کو پھر شیطان استعمال کرتا ہے۔ شیطان بڑا cleverish ہے۔ نفس، انسان اور شیطان مل کر ایک پارٹی بنا لیتے ہیں ......شیطان انسان کے اندر داخلہ نہیں لے سکتا مگر نفسِ انسان اسے جگہ دیتا ہے۔ اگر مجھ میں کینہ ہے تو میری جانورانہ خصلت اس شیطان کو invite کرے گی اور جب یہ دونوں مل جائیں اور ایک پارٹی بن جائیں تو پھر عقل ضبط ہو جاتی ہے۔ عقل بیچاری مخنثی، دبلی پتلی اور نازک مزاج ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی تھا...... جب حضرت صفیہؓ اونٹ سے گریں تو آپ ﷺ نے آواز دی کہ "اے انجشا! احتیاط کر، یہ شیشے ہیں"۔ عقل تو شیشہ گری ہے نظر سے آر پار ہوتی ہے۔ یہ دیکھنے والی چیز ہے اور بڑی خوبصورت ہے۔ عقل کو تو جب اللہ نے تخلیق کیا تو فرمایا: واہ! میں نے کیا خوبصورت شے تخلیق کی"۔ عقل تو وہ شے ہے کہ جس پر اللہ نے ناز کیا۔ اب ظاہر ہے کہ ان دو بدبختوں کے بیچ میں تو عقل ختم ہو جاتی ہے۔

شیطان ایک جن تھا عقلمند، دانش مند اور بڑا ہی محنتی جن تھا۔ بڑے تردد اور محنت سے ملاءِ اعلیٰ تک رسائی حاصل کی۔ حضورِ خداوند پہنچا، رتبہ عالیہ سے نوازا گیا۔ عزازیل لقب پایا پھر اللہ نے اُسے بھی وہ انسان دکھایا جو نیچے پھر رہا تھا۔ اللہ نے اُسے proto type انسان نہیں دکھایا وہ روحانی وجود نہیں دکھایا وہ شرفِ آدم نہیں دکھایا یہ وہ انسان دکھا رہا تھا جو زمین پر جسم کی شکل پا رہا تھا۔ "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا" (الدہر ۷۶: ۱) بلاشبہ زمین پر بے شمار عرصہ ایسا گزرا کہ انسان کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ اگر غور کرو اور آج ابتدائے انسان کی آپ شکل دیکھو تو وہ ایک چھوٹی سی جونک تھا جو اس وقت مستقل مزاجی سے کسی

گھاس کی اوٹ میں کسی الجائی کی شکل میں، ایک معمولی سے cell کی شکل میں، ایک نفس واحدہ کی شکل میں موجود تھا۔ کسی گیس کے volume میں تھا۔ امائنو ایسڈ (amino acid) act کر رہے تھے۔ اللہ نے بھلا چکا تھا کہ یہ تو "صلصال کا الفخار" ہے۔ بارشیں ختم ہوئیں۔ زمین سے پانی اترا، وہ سوکھا، اوپر کیچڑ جما، کالا ہوا، بدبودار ہوا، اُس کالے کیچڑ کے نیچے کی مٹی نرم تھی۔ اُس مٹی میں انسان کی پہلی جونک پیدا ہوئی۔ اب بھی آپ کیچڑ اٹھا کر دیکھو تو آپ کو کئی جونکیں نظر آئیں گی۔ یہ حیات اول تھی۔ یہ انسان تھا آدم نہیں تھا۔ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیاء مذکورا" بلا شبہ برس ہا برس قرنہا قرن، کم سے کم دو ارب سال انسان اس عالم میں رہا کہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا مگر آدم تو بڑا قابل ذکر تھا۔ آدمؑ کو تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے پیغمبریت بخشی۔ "واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ" آدم کا تو پہلا اعلان ہی خلافت کا تھا۔ یہ وہ انسان نہ تھا۔ پھر کیا تھا؟ "انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج" اب میں نے یہ single cell محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ اللہ بہت ہی کریم اور بڑا علم والا ہے۔ آج بھی اگر آپ پوچھو کہ یہ کس شکل میں تھا تو ربّ کعبہ کی قسم کہ اُس age کی مثال آج بھی ہم سب کے اجسام میں اس نے سلامت رکھی ہے امیبا کی شکل میں، پیرامیشیا کی شکل میں۔ کون شخص ہے جسے زندگی میں کبھی dysentry نہیں ہوئی جو کہ اس کے جسم میں موجود antamoeba کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ" اب میں نے چاہا کہ اس کا جوڑا بنا دوں، اس کا نطفہ محفوظ کر دوں تو ہم نے اس کا نطفہ محفوظ کر دیا۔ اب یہ جوڑا جوڑا ہو گیا۔ اب اس نے progress کی، مگر ابھی بھی وہ اس قابل نہیں تھا کہ اس کو انسان کہا جا سکتا کیونکہ ابھی تو وہ اندھا تھا۔ پتہ نہیں کس شکل میں تھا۔ نہ اس کی آنکھیں تھیں، نہ زبان تھی، نہ خیال تھا، نہ ذہن تھا، بس ایک مفروضہ تھا۔ پھر خداوند کریم فرماتے ہیں کہ "نَّبْتَلِيهِ" میں نے چاہا کہ اسے پرکھوں، اس کو آگے بڑھاؤں، جو میں نے اس کی processing شروع کی ہے، جو میں نے اس میں chip رکھی ہے اس کو آگے بڑھاؤں۔ "نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعًا م بَصِيرًا" (۷۶:۲) اب میں نے اسے system دیا، سماعت کا system دیا، بصارت کا system دیا، اسے Homo habilus بنا دیا۔ Homo erectus بنا دیا مگر ابھی عقل نہیں دی۔ مدتوں انسان اس طرح رہا جنگلی اور وحشی درندوں کی طرح، پھر ایک آخری stage آ گئی اور مولا کریم نے فرمایا: "اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ" (۷۶:۳)

اب میں نے تمہیں فضیلتِ **علم** بخشی، امامتِ **علم** بخشی، **عقل** وشعور بخشا تا کہ تم صرف ایک کام کرو کہ جب تم میں سے کسی کی آزمائش کی جائے تو میرے پاس واپس آنے سے پہلے اس سوال کا جواب ضرور دینا "اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا" (۷۶:۳) کہ مجھے مانتے ہو یا نہیں مانتے، کیا تم نے مجھے جاننے کی کوشش کی تھی؟ غور کیا تھا؟ مجھے سمجھا تھا؟ کیا تم صرف بال بچوں میں کھو گئے اور تمہیں یہ یاد نہ رہا کہ یہ بال بچے میں نے دیئے ہیں۔ تم روزگار میں کھو گئے اور یہ نہ خیال کیا کہ روزگار میں نے دیا ہے۔ تم نے یہ ساری باتیں کیں اور تم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اصل میں یہ سب کس کے ہیں۔ تم عزتیں ڈھونڈتے رہے، کیا تمہیں پتہ نہیں کہ "فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا" کہ تمام عزت میرے پاس ہے، یہ تمام اسباب میرے پاس ہیں جو میں نے تمہیں مہیا کئے ہیں، یہ ساری باتیں میرے پاس تھیں۔ پھر جس شخص نے یہ فیصلہ کیا، جس شخص نے یہ جان لیا اُسے اپنے نفس کی تخریب کاری سے نجات مل گئی۔

شیطان کو خواجہ اہلِ فراق بھی کہتے ہیں، بہت سے شعراء نے شیطان کو اپنا ہیرو بھی بنایا۔ مثال کے طور پر **جان ملٹن** (John Milton) نے اسے اپنا ہیرو بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بغاوت کی تھی۔ حضورِ خداوند بغاوت کی، اشراف میں ٹھہرا اور ہیرو بن گیا۔ انسانوں نے ایسا سمجھا کہ یہ بہت بڑا اسور ہیرو بن گیا ہے مگر کس بات پر......؟ کہ میں gases volume سے بنا ہوں، میں آگ کا بنا ہوں، میں شعلہ لگتی ہوئی آگ کا بنا ہوں، میں سموم سے بنا ہوا ہوں اور یہ انسان تھڑے ہوئے کیچڑ سے بنا ہے، میں پاکیزہ تر مواد سے بنا ہوا ہوں؟ یہ تفاخر اس نے خدا کے حضور بھی کیا۔ اللہ نے کہا کہ کس چیز نے تمہیں میری اس تخلیق کا انکار کروایا۔ اس نے کہا کہ اے پروردگار میں اس سے تخلیق میں بہتر تھا۔ وہی حماقت جو آج ہم کر رہے ہیں۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ میری یہ تخلیق اللہ کی مرہونِ منت ہے۔ اللہ نے مجھے یہ تخلیق دی، اللہ ہی نے آدم کو یہ تخلیق دی، وہ کم فہم اور کم ذہن نکلا کہ اس تخلیق کو اپنا کریڈٹ سمجھا، جیسے مال ومتاع کو ہم اپنا کریڈٹ سمجھتے ہیں، جیسے اسباب کو ہم اپنا سمجھتے ہیں، جیسے بال بچوں کو ہم اپنا سمجھتے ہیں۔ ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ اوّل وآخر سانس اللہ کی ہے۔ اولاد اللہ نے دی ہے۔ شیطان الرجیم نے اس بات پر دعویٰ کیا تھا۔ خدا نے اسے راندہ درگاہ کیا مگر شیطان کو ابلیس بھی کہتے ہیں۔ شیطان بنیادی طور پر فطرتِ انسان میں ایک "تلبس" پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میں کچھ ایسی چیزیں ملا دوں گا جو اسے شرک کی طرف لے جائیں گی جیسے قوم یہود نے کیا کہ جب وہ حمص اور بعلبک

سے گزر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کے مندروں میں بڑی شاندار مورتیاں پڑی ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی اپنے نادیدہ خدا کیلئے ایک ایسی ہی سونے اور چاندی کی مورتی نہ بنالیں اور پھر خدا کی لعنت اُن پر نازل ہوئی۔ یہ ایسی distractions create کرتا ہے، ایسی چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہم سے کرواتا ہے جو بظاہر ہمیں غلطی نہیں لگتیں۔ اسکا بڑا کام ہے تقلید...... شیطان سب سے زیادہ آپ کو تقلید کا پابند کرتا ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ اگر تمہارے پاس عقل و شعور ہوتا تو پھر تم شیطان کے پابند نہ ہوتے اور ہمیشہ اہلِ کفر نے یہ کہا کہ ہمارے آباؤاجداد بڑے سیانے تھے۔ ہم تو وہ کریں گے جو وہ کر گئے ہیں۔ شیطان کا پہلا کام ہے تقلید کرانا، بزرگوں کی غلطیوں کو جاری رکھنا۔ پورے زمانے کو فکر و اندیشہ میں اس لئے ڈال دینا کہ اگر پیچھے بڑا قائل ہے تو میں اس سے بڑا قائل ہوں یا پھر قدم بقدم اس کی تقلید۔

خواتین و حضرات! یاد رکھیئے گا کہ یہ سہولتیں parental سہولتیں ہیں۔ خاندانی سہولتیں ہیں، بیوی بچوں کی سہولتیں ہیں، یہ پروٹوکول ہے۔ انکا مقصد کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ مختلف لوگوں کو کوئی shape دے کر بھیجنا، شکل دے کر بھیجنا ورنہ اللہ کے نزدیک "الا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزرَ اُخریٰ" (۳۸:۵۳)(کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔) Every body is responsible for his ownself یہ علیحدہ بات ہے کہ شیطان کی اس جرأت کو کچھ شعراء نے درج کیا۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ بہت بڑا ہیرو تھا۔ جس نے Tyrant of the sky کے خلاف بغاوت کی۔ ایک جملہ اپنی ادبیت کی وجہ سے بڑا مشہور ہے وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں۔

> "Rise thou, fallen angel, it's better to reign in the hell than to be a slave in the heaven." شیطان اپنے ساتھ کے فرشتوں کو کہتا ہے کہ "اے گرے ہوئے کروبی اٹھو! (کروبی اُس کے چھوٹے نائب کا نام تھا) کہ تختِ جنت میں بھی سپاہی سے کہیں بہتر ہے کہ ہم تختِ دوزخ پر شہنشاہی کریں"......

بہت سارے لوگوں نے شیطان کی بغاوت کے اس انداز کو heroic بنا دیا اور لوگ اُس سے متاثر ہوئے کہ شاید اس تخریب کار جن نے بہت بڑے خدا کے سامنے resistance پیش کیا مگر ایسا

کچھ نہیں ہوا۔ اللہ کے نزدیک یہ کوئی resistance نہیں تھا۔ جب خداوند کریم نے اسے سزا دینی چاہی تو اس نے ایک دعویٰ کیا۔ اس کو علامہ اقبال نے 'خواجۂ اہلِ فراق' کہا کہ یہ محبوبیت کے غم کا شکار ہے۔ اسکو اللہ سے بڑی محبت ہے۔ جب اللہ نے انسان کو محبوب قرار دیا تو یہ jealous ہو گیا یا یہ فراق میں چلا گیا۔ اللہ نے اسے اپنے پاس سے جدا کر دیا تو یہ سب جدا ہونے والوں کا امام ہے۔ یہ خواجۂ اہلِ فراق ہے...... یہ توع شعر تو ہوسکتا ہے مگر شیطان کی خصلت زمین و آسمان میں کبھی بدلی نہیں۔ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ کو رات کے وقت اس نے تنگ کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے اسے پکڑ لیا۔ جو پکڑ لیا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ جن ہے۔ اُس وقت کے ماشاءاللہ تعالیٰ اصحاب بھی آج کے عامل جنات سے بہتر ہی ہوتے تھے۔ جب صبح ہونے کو آئی تو یہ بڑا گھبرایا۔ اسنے کہا: "ابوہریرہ تمہیں ایک بات بتاؤں۔ یہ بات تجھے کوئی بھی نہیں بتائیگا۔" انہوں نے کہا: "میں تجھے جانتا ہوں۔ میں تیرے دام میں نہیں آؤں گا اگر وعدہ کر لیا تو تجھے چھوڑنا پڑے گا۔" اُس نے کہا کہ اگر مجھے چھوڑ دو تو بے شک میں تجھے ایسا تحفہ دے کر جاؤں گا کہ اگر تو ایک دفعہ پڑھ لے گا: "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" (آیۃ الکرسی) تو دنیا کی کوئی بری طاقت تمہیں بری نظر سے نہیں دیکھ سکے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح دربارِ رسول کریم ﷺ میں آئے کہا کہ آج رات اس طرح مجھے شیطان ملا تھا، اس طرح میں نے اُسے پکڑ لیا تھا اور اُس نے مجھ سے یہ بات کہی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردود جھوٹا ہے مگر یہ بات سچی کر گیا۔ یعنی یہ بات سچی ہے کہ آیۃ الکرسی واقعی حفاظت و نگرانی کی آیت ہے اور جو بھی اسے پڑھتا ہے شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر آسیب کا اثر ہوا...... ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضور ﷺ استاد تھے۔ میں ایک چھوٹا سا استاد ہوں، اگر مجھے ایک چیز کا پتہ ہی نہیں، مجھے اس کے دوران کا نہیں پتہ، اثرات کا نہیں پتہ تو میں کیسے آگے پڑھاؤں گا۔ حضور ﷺ نے رہتی دنیا تک کیلئے آسیب کا علم دینا تھا، اثرات دینے تھے اس لئے یہ کہنا کہ ان پر جادو ہوا غلط ہے۔ یہ کہنا ٹھیک ہے کہ اُن کے باطن سے جادو گزارا گیا۔ جب اُن کے باطن سے جادو گزارا گیا تو ان کو اس کے اثرات کا پتہ چل گیا۔

یہ قرآن کتابِ علم ہے اور میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ خدا نے کسی مجنوں کو علم نہیں دیا تھا، کسی دیوانے کو نہیں دیا تھا۔ خدا نے تو کائنات کے سب سے بڑے معتدل انسان کو علم دیا تھا۔

جتنا علم بڑا ہوگا اتنا ہی وہ شخص زیادہ معتدل ہوگا اور اتنا ہی اعتدال بڑا ہوگا۔ سو اگر کوئی شخص پوچھتا کہ یا رسول اللہ ﷺ جادو کیا ہے؟ تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ کیا بتاتے کیونکہ قرآن کی آیت کے بقول تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں اور تمہیں علم بھی نہیں ہے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو علم نہ ہوتا کہ جادو کیا ہے؟ آسیب کیا ہے تو پھر آپ کو کیا بتاتے؟ یا اس صاحب علم سے بعید تھا۔ اللہ نے اُن کے باطن سے جادو گزارا اور بتایا کہ محمد ﷺ جادو یہ ہوتا ہے، اس کے اثرات یہ ہوتے ہیں اور اس کا علاج یہ ہوتا ہے۔ جب حضور ﷺ سحر کی تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو سحر کی پوری definition ان کے علم میں تھی کہ سحر شیطان کے بہکاووں کا سب سے بڑا instrument ہے۔ "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ" (۱۰۲:۲) سلیمان کفر نہیں کرتے تھے، انہوں نے انکار خداوند نہیں کیا۔ وہ تو پیغمبر تھے مگر شیاطین کفر کرتے تھے۔ "يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ" غور کیجئے گا کہ ہمارے معاشرے کا رخ کتنا پلٹا ہوا ہے۔ ہمارا معاشرہ سحر کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اُسے لکھنا اور جاننے کی کوشش بھی کرتا ہے اور تعویذ حب و بغض بھی دیتا ہے مگر قرآن کے مطابق یہ کس قسم کا کام ہے؟ "وَلٰـــكِـــنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا" شیاطین کفر کرتے تھے۔ کس چیز میں......؟ "يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ" لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اب شیطان ذہن میں یہ سوال ڈالتا ہے کہ جادو کو سکھاتے تو فرشتے ہی نہ تھا...... ہاروت و ماروت چاہِ بابل پر پرنس Hamorabi کے زمانے میں اترے جب بابل میں معلق باغات کی تہذیب موجود تھی۔ یہ آج سے پانچ یا سات ہزار سال پہلے کی بات ہے اور حضرت ادریس بھی اس زمانے میں موجود تھے۔ یہ فرشتے بڑے دعوی علمیت لے کے زمین پر اترے اور آتے ہی گھیرے گئے اور جب وہ اس میں مبتلا ہوئے تو خدا کہتا ہے۔ "وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ" (۱۰۲:۲) میں نے انہیں سحر سکھانے کیلئے نہیں اتارا، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اُن کو علم و حکمت کے تحت اتارا کیونکہ اس وقت تمام بابل، تمام نینوا، تمام میسوپوٹیمیا (Mesopotammia) جادو اور سحر پر اعتقاد رکھتی تھیں۔ اُس وقت علم نجوم چل رہا تھا۔ سحر چل رہا تھا، جادو چل رہا تھا۔ ہاروت و ماروت کے پاس لائن لگی ہوتی تھی مگر وہ فرشتے اللہ کے تھے نیکوکاروں میں سے تھے۔ وہ اللہ کے حکم سے آئے ضرور تھے مگر ایک جملہ ضرور کہتے تھے "وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا" ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کو وہ یہ بات نہیں بتاتے تھے کہ "اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ" کہ اے لوگو ہماری ان ٹیڑھی ترچھی لکیروں پر

اعتماد نہ کرنا۔ "فَلَا تَكْفُرْ" جب تم process کا رخ موڑ دو گے، قوتوں کا رخ موڑ دو گے، جب زندگی کا مالک کسی اور کو قرار دو گے، جب بیماریاں جادوگروں کے حوالے کر دو گے، جب رزق ان کے کہنے سے بند ہو جائیں گے تو پھر تم کفر کا ارتکاب کرو گے اور خدا کو نہیں مانو گے اور وہ سکھاتے کیا تھے؟ میاں بیوی میں لڑائی، ساس بہو میں لڑائی اور سب سے بڑا فساد جو یہ تعویذات میں پیدا کرتے تھے کہ تعویذ حب دے رہے ہیں، تعویذ بغض دے رہے ہیں۔ ایک طلسم سامری تیار ہو رہا ہے۔ اسم اعظم بن رہے ہیں۔ یہ سارے کے سارے طریقے تھے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا اثر ہوتا ہے۔ خدا نے ایک اصول دیا۔ "وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ" (۱۰۲:۲) تم وہ بات کیوں سیکھتے ہو جس کا کوئی ضرر ہے نہ کوئی فائدہ ہے۔ اگر ان کا ضرر بھی نہیں ہے فائدہ بھی نہیں ہے تو پھر ہوتا کیا ہے؟ اللہ کے کہنے کے مطابق تعویذ کا، جادو کا نہ کوئی ضرر ہے نہ کوئی فائدہ مگر جب تم حاکمیت change کرلو گے تو فائدہ اور نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ جب تم جزا و سزا کا مالک change کرلو گے، نفع کا مالک change کرلو گے، زندگی اور موت کا مالک change کرلو گے تو پھر تمہیں نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ" کہ جو رحمان کے ذکر سے غافل ہو جائے گا اس پر شیطان کو غلبہ مل جائے گا۔ "فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ" اور وہ اس کے قریب رہتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ علیت سحر سے آزاد ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج مجھے آسمان کے نیچے سے دو چمکدار آیات دافعِ سحر عطا ہوئی ہیں، سورۃ الناس اور سورۃ فلق۔ یہ دونوں دافع سحر ہیں۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں سحر ہوا ہے وہ ان آیتوں کو پڑھ کر ٹھیک کیوں نہیں ہوتے۔ لگتا تو ایسا ہی ہے کہ کسی پر سحر ہوا، اس نے الناس پڑھ لی، فلق پڑھ لی تو سحر سے آزاد ہو گئے مگر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ خواتین وحضرات یہاں نفس اور شیطان دونوں کارگزار ہوتے ہیں۔ نفس آپ کے اندر recurrent aggression (جارحانہ تکرار) پیدا کرتا ہے۔ بار بار لوٹنے والا ایک سوال پیدا کرتا ہے۔ اُسے آپ psychosis کہہ سکتے ہو یا ڈپریشن کہہ سکتے ہو اس لیے کہ یہ آپ کو امید سے منقطع کرتا ہے اور آپ کو خطا کا احساس دیتا ہے۔ آپ کو guilt کا احساس دیتا ہے۔ آپ کو بتاتا ہے کہ تم اتنے گنہگار ہو کہ خدا آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ خدا کہتا ہے "يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ" (۵۳:۳۹) کہ دیکھو میرے بندو تم نے بڑے گناہ کئے بڑی خطائیں کیں تم اپنے آپ کو کیا پھنے خان سمجھتے ہو؟ گناہ کتنا عرصہ کیا ہوگا؟ جتنے بھی گناہ کرلو مگر ایک

بہت بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا "لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" اللہ سے مایوسی سب سے بڑا کفر ہے۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ اوّل و آخر سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہ کتنا بڑا گناہ ہے کہ میں اپنے 60,50 اور 70 برس کے گناہوں کو اربوں اور کھربوں سالوں کی اللہ کی رحمت سے بڑا سمجھتا ہوں اس سے بڑی خطا کیا ہو سکتی ہے؟ میری حماقت اس سے بڑی اور کیا ہو سکتی ہے اللہ کا جو institution of rahmat (رحمت کا قانون) ہے وہ کھرب ہا کھرب سالوں پر مشتمل ہے اور میری خطا 60,50 سال کی ہے۔ اگر آپ کوئی average بنا سکتے ہیں تو بنا دیجئے کہ میری خطا کی کیا حیثیت رہ جائے گی اس لیے خدا کہتا ہے کہ تم بڑی بڑی حماقتیں کرتے ہو مگر سب سے بڑی حماقت کی بات یہ ہے کہ "لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" اللہ سے مایوسی سب سے بڑا کفر ہے۔

سب سے پہلی جبلت جس کا میں نے ذکر کیا وہ "حسِ بقا" ہے اور باقی جبلتیں اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ شیطان ایک خارجی محکمے کا سربراہ ہے اور اس کا تخت پانی پر ہے۔ جب اللہ نے پانی کو چھوڑا تو اس کے متبعین نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برمودا تکون (Bermuda Triangle) اس کا تاج محل ہے۔ لگتا تو یہی ہے کہ اُس پر جنات ہی براجمان ہیں۔ تبھی اس کی secracy (اسرار) کبھی کسی کی سمجھ میں نہیں آئی اور بے چارہ انسان، اللہ کا بندہ، خلیفۃ اللہ فی الارض، اپنے ان غلاموں سے اکثر مار کھا جاتا ہے۔ اگر اللہ آپ کے ساتھ ہو اخلاص آپ کے ساتھ ہو تو اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا جو پہلی بات میں نے آپ سے کی کہ شیطان نے کہا کہ اے پروردگار میں دائیں سے آؤں گا، میں بائیں سے آؤں گا، میں اوپر سے آؤں گا، میں نیچے سے آؤں گا، میں ہر حال میں انسان کو گمراہ کروں گا تو شیطان کو اللہ نے کہا کہ اے بد بخت میں نے تیرا اور تجھے follow کرنے والوں کا حصہ لکھ دیا ہے مگر اتنا یاد رکھ کہ تو کبھی اُس شخص کو نہیں دھوکہ دے سکے گا اور کبھی اُس شخص کو تو بہکا نہیں سکے گا جس کے دل میں میرے لئے ایک ذرہ برابر اخلاص بھی ہوا۔ "اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْن" کہ اگر اک ذرہ برابر بھی اخلاص خواتین و حضرات آپ کے دل میں اللہ کیلئے ہے حدیث قدسی ہے، رسول اللہ نے فرمایا کہ جس کی آنکھ سے میرے (اللہ) لئے ایک آنسو بھی نکلا، اُس پر ہمیشہ کیلئے نارِ دوزخ حرام ہے۔ اگر یہ ایک آنسو نہیں نکلتا تو کوشش فرمائیں کہ خدا کا رسوخ دل میں آئے، مذہب سے اللہ کو حاصل کرنے کی کوشش کیجئے، اور یہی ایک طریقِ فکر مذہب میں رائج ہونی چاہئے افسوس کہ یہ اُمت خرافات میں کھو گئی۔ ہم مکاتب میں کھو گئے اور مقصدِ مذہب جاتا رہا، اللہ ہم سب کو توفیق

دے کہ مذہب کی غائت تک پہنچیں اور اگر واقعی ہم نے خدا کو ماننا ہے تو خدا کو محبت کے بغیر نہیں مانا جا سکتا۔ ہم اس کے انس کی یاد رکھیں، ہم اُس سے دوستانہ تعلق رکھیں، بندگانہ اور مؤدبانہ تعلق رکھیں۔ محبت اور اُنس کیلئے ہمیں خدا ہی نظر آئے جیسے اللہ نے خود کہا: ”فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُم اٰبَآءَکُم“ مجھے ایسے یاد کرو جیسے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو۔ ”اَوْ اَشَدَّ ذِکْراً“ ذرا زیادہ یاد کر لو۔ خدا کا کہنا یہ ہے کہ محبت کا صرف ایک امتحان ہے اور وہ امتحان تمہیں اس وقت پتہ چلے گا جب تم تنہائی میں مجھے یاد کرو گے۔ آپ کو اُسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے جسے آپ تنہائی میں زیادہ یاد کرتے ہو۔

سوال و جواب

سوال: الہام اور شیطان کے وسوسے میں فرق کیسے تمیز کیا جاتا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! ایک سادہ سی مثال سے آپ کو واضح کر دوں: سید ہجویریؒ نے ایک واقعہ اپنے مرشد کے بارے میں لکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان کا وسوسہ کیسے صورتحال کو تبدیل کرتا ہے۔ "مرشد کے ساتھ ان کے ایک مرید چل رہے تھے۔ دونوں ننگے پاؤں تھے۔ مرید کے گلے میں گرم گلوبند تھا۔ مرید کے دل میں آیا کہ میں یہ گلوبند اتار کے اپنے شیخ کو پہنا دوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر خیال آیا کہ بھلا وہ زمانے کا اتنا بڑا مرشد تزکیہ باطن میں بے مثال وہ میری Offer (پیشکش) کہاں قبول کرے گا۔ تھوڑی دور اور آگے گئے تو اس نے کہا: یا شیخ و مرشد الہام میں اور وسوسہ شیطان میں کیا فرق ہے تو آپؒ نے فرمایا جو پہلے تھا وہ الہام تھا اور جو بعد میں آیا تھا وہ وسوسہ شیطان تھا" تو اصل میں شیطان Change کرتا ہے۔ اگر آپ نے اچھی نیت کی اور اچھی نیت پر آپ نے فوری عمل کر دیا تو یہ اللہ کی طرف سے الہام ہے اور اگر ذرا بھی delay کرو گے تو یہ آپ کے ارادے کو تبدیل کر دے گا۔ شیطان اور self میں یہ فرق ہے کہ یہ جگہ تبدیل کر لیتا ہے ارادہ تبدیل کر لیتا ہے delay cast کرتا ہے۔ اب آپ خود غور کیجیے کہ صبح جب آپ سنتے ہو کہ "الصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوم" (نماز نیند سے بہتر ہے) تو آپ حضرت عمر فاروقؓ سے سوال کر سکتے ہو کہ بھلا سوئے ہوئے بھی کبھی جاگتے ہیں۔ اگر ایک آدمی سویا ہوا ہے تو آپ امیر المومنین سے سوال کر سکتے ہیں کہ سوئے ہوئے کو بھلا کہاں آواز آئے گی۔ اگر اس نے پہلی اذان نہیں سنی تو یہ کیسے سنے گا کہ: "الصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوم" دراصل یہ ان لوگوں کیلئے ہے جو جاگ تو جاتے ہیں مگر بستر میں شیطان انھیں تساہل میں ڈالتا ہے اور وہ کروٹیں بدلتے رہتے ہیں تو امیر المومنین کے بارے میں ویسے ہی رسول ﷺ کی حدیث ہے کہ "عمرؓ سے شیطان بھاگتا ہے"۔ آپ کو یاد ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس کچھ بچیاں کوئی گیت گا رہی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ وہ بچیاں گاتی رہیں اپنے شغل میں مشغول رہیں پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمرؓ تشریف لائے تو ساری بچیاں اٹھ کر بھاگ گئیں تو حضور ﷺ ہنسے اور کہنے لگے کہ شیطان عمر سے بھاگتا ہے۔ یہ برا کام نہیں تھا مگر حضور ﷺ کی Statement یہ ہے کہ ابوبکرؓ آئے تو بھی شغل میں لگی رہیں مگر جونہی عمرؓ آئے تو وہ ڈر کے بھاگ گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان عمرؓ سے ڈرتا ہے یعنی اس میں تھوڑا سا Element تھا۔ "اَلغِنَاءُ مُقَدِّمَۃُ الزِّنَا" غناء میں کچھ

element ضرور ہوتا ہے بہکاوے کا مگر عمرؓ کو دیکھ کر وہ بھی بھاگ گیا حالانکہ حضرت عمرؓ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ ان سے ناراض ہوتے یا غصہ کرتے۔ اسی حوالے سے حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ کو ایک دوسری بات بتاتا ہوں۔ علامہ طنطاوی نے حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا کہ وہ اونٹ پر سوار تھے اور عرب کا ایک مشہور گانا گا رہے تھے۔ ان کی آواز بڑی اچھی تھی۔ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں، اتنی اچھی آواز تھی کہ لوگ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں اور ان کا گانا سن رہے ہیں تو آپ نے Change کر کے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ جب قرآن پڑھنا شروع کیا تو لوگ آہستہ آہستہ بکھرنا شروع ہو گئے۔ ہولے ہولے سارے بھاگ گئے۔ تو بڑی تنگی سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ آسمان تمھاری ماؤں کو روئے۔ میں گانا گاتا ہوں تو تم بھاگے چلے آتے ہو قرآن پڑھتا ہوں تو بھاگ جاتے ہو...... تو یہ ہر زمانے میں ہوتا ہے جسے ہم 'ہوا' کہتے ہیں جو Fashionable Tendencies ہیں۔ یہ شیطان کا ترغیبات نفس کا سب سے موثر حلقہ ہوتا ہے۔ غنا ہو، موسیقی ہو، تصویر کشی ہو یا تصویر بینی ہو۔ یہ اس وقت تک خطرے کا باعث بنیں گی جب تک آپ اپنے فرائض پورے نہیں کرتے۔ اگر انہوں نے آپ سے فرائض چھین لئے تو یہ لہو و لعب ہے۔ اگر انہوں نے آپ سے فرائض نہیں چھینے تو ان کا کوئی قصور نہیں۔ اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ کہاں سے شیطان شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے آپ کہتے ہیں کہ ٹیلی ویژن دیکھنا برا ہے۔ بعض اوقات ہم extra تقویٰ اپنے اوپر وارد کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو بے جا سختیوں میں ڈال دیتے ہیں۔

اب جو میں واقعہ آپ کو بتا رہا ہوں اسکے بارے میں غور کیجئے گا۔ ٹیلی ویژن ایک 'دور درشن' ہے۔ اس کو کہتے ہی دور درشن ہیں، دور درشن کا مطلب ہے کہ A vision from a distance کوئی دور امریکہ یا یورپ میں بیٹھا ہوا آپ کو ایک vision دے رہا ہے، آپ اس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ اس کے قریب نہیں جا سکتے۔ وہ کبھی آپ کے پاس نہیں آ سکتا۔ وہ ایک دور دراز کی بات ہے۔ یہ جو واقعہ میں آپ کو سناؤں گا یہ ذرا قریب کی بات ہے کہ مسجد نبوی میں تماشا کرنے والے آئے، کھیلنے کودنے والے مداری آ گئے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس وقت وہ سارے ننگے ہوتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دیکھا تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ عائشہ کیا تم انہیں دیکھنا چاہتی ہو۔ فرمایا: "یا رسول اللہ! ہاں؟" فرمایا: "میرے شانے کی اوٹ سے دیکھ لو"۔ پھر آپؓ نے دیکھا، بڑی دیر تک دیکھا۔ بڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا

کہ عائشہؓ کیا جی بھر گیا۔ فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! جی بھر گیا۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "اب اندر چلی جاؤ۔" یہ live show تھا۔ یہ حدیث live show پر ہے۔ مسجد نبوی میں show کھیل کود ہے۔ گولے پھینکے جا رہے ہیں جمناسٹک ہو رہی ہے اور وہ سب اُم المومنین حضور ﷺ کے پیچھے سے دیکھ رہی ہیں۔ گانے کے بارے میں بھی آپ کو بتایا کہ عمر فاروقؓ خود گا رہے تھے اور لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اصل میں تمام فسق و فجور اُس وقت built ہوتا ہے جب آپ لوگ اللہ کی priority سے، اللہ کے احکامات سے غفلت کرتے ہیں۔ اگر اللہ نے آپ کو generosity کا حکم دیا ہے، hospitality کا حکم دیا ہے مگر کوئی مہمان گھر میں آئے اور آپ ٹی وی پروگرام ہی نہیں چھوڑ رہے ہو۔ اتنی بدتمیزی و بداخلاقی ہے کہ لوگ آنے والے مہمان کو اس لیے کوستے ہیں کہ آج تو فلاں پروگرام لگنا تھا۔ یہ کہاں آ کے میرے سر پر بیٹھ گیا ہے تو جب آپ اپنی اچھی values کو فروگزاشت نہ کریں تو یہ آپ کیلئے خطرے کا باعث نہیں ہے مگر جب آپ کے احکامِ شریعہ، احکامِ انسانیت اور حقوق العباد کی چیزیں متاثر ہونی شروع ہو جائیں تو یہ اسباب لہو ولعب بن جاتے ہیں۔ اچھا شعر ہو، اچھا گانا ہو، اچھا کھیل کود ہو، اچھا ڈرامہ ہو، اچھا قصہ کہانی ہو یہ سب اسی ضمن میں آتے ہیں اور یہ حضرت یوسفؑ کا قصہ محبت کا قصہ ہے مگر اُس میں بھی حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "وَمَا اُبَرِّئُ نَفسِی" (اے اللہ نفس سے کوئی بری نہیں) "اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّی" (یہ تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے۔ ہاں اگر تو رحم کرے اور ہمارے فرائض میں غفلت نہ ہو) ہمارے اصل کردار اور رخ میں غفلت نہ ہو۔ "اِن ربی غفور رحیم" (تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔)

اس ساری discussion میں ایک بات رہ گئی کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ معتزلہ نے قرآن کو خدا کا کلام نہیں جانا۔ مامون کے دربار میں یہ حکم تھا کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اُس کی گردن ماری جائے گی۔ احمد بن حنبل باوجود کوشش کے کوئی دلیل نہیں لا سکے۔ وہ سختی سے اپنے مؤقف پر ڈٹے ہوئے تھے مگر اپنے مؤقف کی تائید کیلئے ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ "لیھلک من ھلک عن بینۃ" (جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا) "وَیحیی من حی عن بینۃ" (جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا) عین اُسی وقت شیخ عبدالعزیز بغداد میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنے بچے سے کہا کہ اعلان کرو کہ قرآن خدا کا کلام ہے کسی بندے کا کلام نہیں تو لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ کیا ہوش میں ہو، کیا کہہ رہے ہو۔ سب اُن کو

پکڑ کر مامون کے دربار میں لے گئے۔ مامون کے دربار میں جو مناظرہ ہوا اس میں معتزلہ نے جو دلیل پیش کی وہ بڑی دلچسپ ہے۔ انہوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کی:

"...... خَالِقُ کُلِّ شَیءٍ فَاعبُدُوهُ ......"(انعام :۱۰۲)

معتزلہ نے کہا کہ "قرآن خدا کا کلام نہیں ہے کیونکہ اللہ اس آیت میں کہتا ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا نگہبان ہے۔ پھر سورۃ ق میں کفار کے منہ سے اس نے نکلوایا کہ "ھٰذَا شَیءٌ عَجِیبٌ" (ق:۲) (یہ تو بڑی عجیب بات ہے جو ہم نے سنی۔) تو وہاں قرآن کو شے کہا گیا ہے۔ چونکہ قرآن 'شے' ہے اور اللہ 'خالق' ہے تو شے 'مخلوق' ہوئی۔ اسلئے یہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا"۔ اب اس کے جواب میں 'حضرت شیخ عبدالعزیزؒ' نے جوابات کی وہ بڑے مزے کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن حکیم میں اللہ نے کہا ہے کہ "وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفسَهُ" "اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے اور پھر یہ کہا کہ "کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَةُ المَوتِ" (ہر نفس کو موت آنی ہے) کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو کہ اللہ کو موت ہے۔ اب معتزلہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور اس دلیل کے بعد یہ مسئلہ 'خلق قرآن' ختم ہوا اور مامون نے بھی سرکاری سرپرستی سے اسے نکال دیا۔

سوال: وجہ تخلیقِ شیطان کیا تھی اور کیا شیطان کو پیدا کئے بغیر اللہ کا نظام نہیں چل سکتا تھا؟

جواب: چل سکتا تھا، اب بھی چل رہا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو شیطان کو آپ نے تو نہیں دیکھا ہوا مگر یہ ہمارا حصہ ہے۔ اگر آپ intellectual ہو جاؤ اور آپ انسان کو جب تقسیم کرو گے تو آپ کسی خارجی شیطان کو نہیں مانو گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ ایک نفس وہ ہے جسے ہم نفس لوامہ کہتے ہیں جو ملامت کرنے والا ہے یا عقل ہے۔ ایک نفس امارہ ہے جو حکم دیتا ہے۔ ایک تیسرا نفس ہے جو شیطان کی طرح ہمیں مشاورت دیتا ہے تو اگر آپ شیطان نہ بھی مانو تو بھی انسان کی شیطنت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم پھر بھی ایسے ہی رہیں گے۔

سوال: انسان اپنی بہت ساری غلط حرکات کا الزام شیطان کے سر پر لگا دیتا ہے جن تک شاید شیطان کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تو کیا یہ ہم انسانوں کی شیطان کے ساتھ زیادتی نہیں؟

جواب: بہت خوبصورت بات کی ہے شاید اسی پر اقبال نے کہا تھا:

ابلیس کے فرزند ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

یہ میرا اپنا خیال ہے میں تھوڑا سا scientific انداز میں سوچنے کا قائل ہوں چونکہ اللہ خیر و شر

دونوں کا خالق ہے مگر اُس نے جو dictate کیا جو ہدایت دی وہ خیر کی دی مگر اپنی طرف سے اللہ نے یہ نہیں چاہا کہ انسان کو برائی کا حکم دے۔ یہ اللہ کا نفاستِ ذوق ہے، یہ اللہ کی قدر اخلاق ہے کہ اُس نے چاہا نہیں کہ میں شر کی تخلیق کے باوجود شر کے احکام دوں، یہ اُس نے نہیں چاہا۔ جب اُس نے شیطان کو دیکھا اور پرکھا تو اس کو اُس نے شر کے تمام attitudes دے دیئے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ انسانوں سے بہتر نہیں جانتا۔ اس وقت بھی چھ ارب لوگوں کی فائلیں اُس کے دفتر میں موجود ہیں۔ وہ اتنا unscientific نہیں جتنا آپ سمجھتے ہو۔ آپ کی پوری پوری نسلوں کی فائلیں اُس کے پاس موجود ہیں۔ جب وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ محمد شریف صاحب آئے ہیں تو کہتا ہے کہ اسکی اگلی پچھلی ساری فائلیں لے آؤ۔ پیسے سے نہیں قابو آئے گا، رعب سے نہیں قابو آئے گا، اُسامہ کے ہاتھ نہیں آئے گا، وہ بھی وہ چیز نکالتے ہیں جہاں پر اُس کی نسلیں genetically کمزور پڑیں۔ اس سے بڑی scientific جاب وہ کر رہا ہوتا ہے۔ اُس کے پورے دفتر ہیں۔ اُس کے نیچے ہزاروں لاکھوں شیاطین ہیں۔ وہ ہر آدمی کا حساب maintain کرتا ہے اور جہاں اس کو بہکانے کا موقع ملے وہ بہکاتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ صرف ایک فرشتہ لگا ہوا ہے؟ میں اس کی مثال آپ کو دیتا ہوں کہ ایک خیال بغیر کسی دوسرے خیال کے کبھی نہیں آیا۔ وہ اپنا ایک پورا پیکٹ پھینکتا ہے۔ وہ ایک پورا سلسلہ آپ پر پھینکتا ہے۔ ایک procedure آپ پر پھینکتا ہے۔ Technically he is faster than scientist. بہت بڑا negatory کا سائنسدان ہے اور بڑے بڑے عالم اس کے نیچے سے بچ کر نہیں نکلتے۔ اس نے جنیدؒ بغدادی کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ آپ کو پتہ ہے کہ جنیدؒ بہت بڑے عالم تھے۔ شیطان کو پتہ ہے کہ عالم علمیت کے دعویٰ سے خوش ہوتا ہے تو اس نے جنیدؒ کو علم میں الجھانا چاہا۔ اس نے کہا: ”جنیدؒ تو مواحد ہے، اگر تجھے آج کہا جائے کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی پرستش کر تو کیا تو مان لے گا“ جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں بری طرح پھنس گیا...... میں نے کہا کہ نہیں تو شیطان نے کہا کہ ”تو پھر میں کیسے مان لیتا“۔ آپ نے دیکھا کہ اس جملے میں کیا ہے He just wanted to confuse him. اور کچھ نہیں۔ اُس نے جنیدؒ پر غلبہ بھی پایا تھا۔ اس کو ایک mental dialectic (جدلیاتِ ذہن) سے بھی آشنا کرنا تھا اور جنید سوچتا رہ گیا کہ شیطان نے ایسی بھی بڑی غلطی نہیں کی کہ اللہ کی بات نہیں مانی...... پھر الہامِ خیر ہوا، پھر الہامِ غیب ہوا اور فرشتے نے آواز دی ”یہ جو کہہ رہا ہے کہ میں غیر اللہ کو کیسے سجدہ کر لیتا تو اس سے یہ پوچھ کہ تو جو خدا کے حضور

میں کھڑا تھا تجھے غیر اللہ نظر کیسے آئے؟ اس سے پوچھو کہ تجھے خدا کے سامنے کھڑے ہو کر خدا کا غیر نظر کیسے آیا۔" اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ بتاؤں کہ خواجہ نظام صبح سویرے اُٹھے، خواجہ خسرو ان سے ملنے گئے دیکھا کہ مرشد کی ٹوپی ٹیڑھی ہے۔ باہر نکلے تو اپنی ٹوپی بھی ٹیڑھی کر لی۔ مریدین نے جب دیکھا کہ یہ تو نقشہ ہی بڑا عجیب سا ہے تو انہوں نے بھی ٹوپی ٹیڑھی کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ دلی میں گئے۔ لوگوں نے کہا کہ آج تو بڑے بانکپن سے چل رہے ہو سارے لوگ، سب نے ٹوپی ٹیڑھی کر لی ہے...... آخر کسی سیانے نے ہمت کر کے پوچھا اور چلتے چلتے خسرو کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ حضرت یہ آج آپ نے کیا شروع کر دیا تو انہوں نے کہا کہ

من قبلہ راست قدم بر طرف کج کلاہ

میں نے قبلہ اپنے کج کلاہ کے سبب درست کیا تھا مگر تم پاگل ہو گئے جو مجھے follow کر رہے ہو تو یہ بڑی عجیب بات ہے کہ شیطان کو خدا کے سامنے اپنی ذات نظر آ گئی و را اللہ نظر نہیں آیا، حکم نظر نہیں آیا، خالق و مالک نہیں نظر آیا۔

اسی ضمن میں میں اپنا ایک واقعہ سناتا چلوں۔ یہ صرف academics والے لوگوں کیلئے ہے گردش و بلا کے دنوں میں میں نے ایک شیطان کو اپنے بڑا قریب پایا۔ اگر آپ کی حسیں ذرا تیز ہوں تو آپ اس کو محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا تو میں نے ایک نیا خیال اپنے ذہن میں پایا کہ کوئی مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ "پروفیسر صاحب! ناز اٹھا لئے اللہ کے، بڑی دوستی کے دعوے تھے، بڑی محبت کی ہے۔ یہ حشر کرتا ہے وہ دوستوں کا...... اب بھی اُسے مانو گے؟ اب بھی اُسے چاہو گے؟ دیکھ لیا حال اپنا......!" سخت گرمی سے بُرا حال تھا۔ غصہ مجھے پہلے ہی شروع سے، پیچھے سے چڑھا ہوا تھا، اوپر سے بار بار یہ آواز آ رہی تھی۔ میں مسلسل اس کی یہ بات سن رہا تھا۔ تھوڑا آگے چل کر میں ٹھہر گیا۔ میں نے کہا:

"یار بات سن مجھے یقین ہے کہ تُو میری بات سنتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر تُو کوئی پاور (طاقت) ہوتا یا تیرے پاس کوئی طاقت ہوتی، تُو گاڑیاں فضا میں اڑا سکتا، گولے برسا سکتا، آسمان بدل سکتا زمین change کر سکتا یا اگر تُو میرے حالات ہی بدل سکتا تو تُو کمزور بھی ہوتا تو میں تیرے ساتھ ہوتا۔ تُو اللہ سے کمزور بھی ہوتا...... مگر تُو پاور تو ہوتا...... تو میں تیرا ساتھ دیتا...... مگر افسوس! کہ تُو مجھ سے بھی گیا گزرا ہے۔ او یار! میں اپنے کسی خیال کو کوئی صورت تو دے سکتا ہوں اور تجھے کسی خیال کو عمل کی شکل دینے کیلئے پھر میری ضرورت پڑے گی۔ میرے بغیر تُو کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔

اے بزدل! خبیث! اب چل بھاگ یہاں سے ......"

اسکا یہ داؤ نہیں چلا۔ یعنی وہ اس قسم کی باتیں بھی آپ کے ضمیر میں ڈالتا ہے۔ یہ عموماً ناشکری دینا چاہتا ہے۔ یہ بندے کو اللہ سے ہر حال میں جدا کرنا چاہتا ہے۔ خدا سے مایوس کرنا چاہتا ہے۔ اس کا اور کوئی کام نہیں ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ بڑا ہی ذہین ہے مگر آپ کی ذہانتوں سے اس کا معیار کم ہے۔ یہ یاد رکھیئے کہ اللہ نے آپ کو بہت بہتر عقل دی ہے۔ بہت بہتر فکر دی ہے۔ آپ جان بوجھ کر اس کے ساتھی بنتے ہو، یہ آپ کو نہیں بہکا سکتا۔ آپ کا نفس اس کا شریک ہوتا ہے۔ آپ کی حیوانی جبلت اس کی شریک ہوتی ہے اس لیے اللہ نے کہا کہ وہ تم کو دیکھ لیتا ہے مگر تم اُسے نہیں دیکھ سکتے مگر پھر اس کا کیا کریں کہ دو دشمن اور ایک اکیلا انسان۔ اس کا صرف ایک حل ہے کہ آپ اللہ پر اعتبار کرو اور اس کا یقین رکھو۔ خدا کہتا ہے کہ اس کے ہر حملے کے جواب میں میں تمہیں تحفظ دوں گا بشرطیکہ تم مجھ پر اعتبار کرو۔ یہ ٹھیک ہے کہ اُس کے خیالات سے انسان کے خیالات تیز ہیں مگر ہیں اُسی شاخ سے اُگے ہوئے۔

سوال: یہ جو اتنے لوگوں کی نماز رہ گئی ہے اس میں انسان کے نفس کا کمال ہے یا شیطان کے غضب کا کمال ہے؟

جواب: عشاء نہیں رہا کرتی، ایک تو میں رستے میں دونوں پڑھ آیا ہوں۔ آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں رستے میں دونوں نمازیں سفر کی پوری کر آیا ہوں۔ جب آپ تک پہنچا تو میری نمازیں پوری تھیں اور میں یہ کہہ رہا تھا کہ غنیمت ہے کہ یہ رستہ خراب ملا اور دیر سے ملا چلو ہماری سفر کی نماز ہوگئی۔ قرآن کی دو آیات کو ذرا غور سے سن لیں کہ جب یہ آیت اتری: "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکرِی" کہ اللہ کا ذکر قائم کرو یا میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہوا کہ نماز جب ملے پڑھ لیا کرو تو اس سے اصحاب رسول ﷺ کو اتنی خوشی نصیب ہوئی کہ سب لوگ اس آیت کا بڑا احترام سے ذکر کرتے تھے کہ میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو۔ اس کی وضاحت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب ملے نماز پڑھ لیا کرو"۔ (اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ کسی مسجد میں امام کے ساتھ پڑھنے نہیں گئے مگر اب بھی جب چاہے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہو)

اب تیسری بات کہ حضور ﷺ ایک آدھی شب کو نکلے اور عشاء پڑھائی اور اصحاب رسول ﷺ سے فرمایا کہ اگر مجھے تم پر سختی کا گمان نہ ہوتا تو میں کہتا کہ عشاء تم اس وقت پڑھا کرو یعنی نصف شب کو۔ (ابھی آپ نصف شب تک نہیں پہنچے)

سوال: بعض انسانی جبلتیں بار بار وار کرتی ہیں مگر انسان ہر بار ندامت و پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے آئندہ ان سے بچنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر پھر بھی غلطی ہو جاتی ہے؟

جواب: اصل میں توبہ کو بڑے مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ توبہ ایک physical action نہیں ہوتا، ایک mental decision ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آپ اُس mental decision کو ایک ہی وقت میں پورا کر دیں۔ حضرت امام جعفر صادق کا قول مبارک ہے کہ ”توبہ آسان ہے ترکِ گناہ مشکل ہے“ اس لئے کہ بعض لوگ ایسے الکوحلک ہیں جو شراب سے توبہ کرنا چاہتے ہیں مگر الکوحلک ہونے کی وجہ سے شراب ان کی ایسی ضرورت بھی بن چکی ہے کہ یہ تو اب رفتہ رفتہ ہی جائے گی یا اُسے چھوڑ کے وہ ویسے ہی مر جائیں گے جیسے ہیروئن کے cases ہیں اور اسی طرح باقی عادات ہیں۔ نفس (self) چونکہ مستقل اور متوازن و متواتر ہے اسی لئے جب کسی عادت کو اپنا لیتا ہے تو توبہ بڑی مشکل ہوتی ہے۔ مگر توبہ بنیادی طور پر ایک ذہنی فیصلہ ہے جب آپ ایک ذہنی فیصلہ کر لیتے ہو تو خدا آپ کو معاف کر دیتا ہے اور اگر آپ پھر خطا کرتے ہو تو پھر معاف کر دیتا ہے۔ پھر خطا کرتے ہو پھر اور شدت سے معاف کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ذہنی فیصلے میں خلوص ہے۔ آپ عادت نہیں چھوڑ سکتے مگر آپ کے ذہنی فیصلے میں sincerity ہے۔ آپ چاہتے ہو کہ آپ اسے چھوڑ دو۔ خدا گواہ ہے کہ آپ کی Judgement آپ کے باطن میں اتر آئے گی۔ ایک حدیث رسول ﷺ ہے کہ ایک شخص نے زندگی بھر کوئی اچھائی نہیں کی صرف گناہ کیے تھے تو جب وہ مرنے لگا اور اس نے دیکھا کہ اس کے نامہ اعمال میں ایک بھی نیکی نہیں ہے تو اس نے اولاد کو حکم دیا کہ میری لاش کو جلا دینا یا کسی ریگزار میں پھینک دینا۔ جب وہ مر گیا تو اللہ نے ہر چیز کو حکم دیا کہ جو جو اس کے اجزاء تم نے لیے تھے وہ ایٹم کی شکل میں واپس کر دو۔ جب وہ واپس آئے تو دوبارہ انسان بن گیا پھر اللہ نے کہا کہ بھائی سمجھ نہیں آتی کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اے مالک و کریم میں تجھ سے ڈرتا تھا۔ اللہ نے کہا کہ تو مجھ سے بہت ڈرتا تھا کیا تجھے پتہ تھا کہ میں ہوں۔ اس نے کہا ہاں، میرے پلے ایک نیکی بھی نہیں تھی، مجھے یہ پتہ تھا کہ تو ہے اور میں تجھ سے ڈرتا تھا اس لیے میں نے یہ سب کچھ کیا۔ خدا نے کہا کہ تجھے اتنا پکا یقین تھا تو میں نے تیری تمام خطائیں معاف کیں اور تجھ کو بخش دیا۔

دوسری حدیث سنیں۔ یہ بھی حدیث قدسی ہے کہ پروردگار عالم نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ اے بندے تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے مالک و کریم اس نے گناہ کیا اب یہ

توبہ کرتا ہے۔ تجھ سے بخشش چاہتا ہے۔ اللہ نے کہا کہ اے جبرائیل کیا اس کو پتہ ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں پروردگار اس کو پتہ ہے۔ کہا اس کو کہہ دو کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دوسری مرتبہ اس نے پھر گناہ کیا۔ اب جبرئیل نے کہا کہ یا اللہ تو نے اسے معاف کیا تھا مگر اس نے پھر گناہ کیا اور پھر معافی مانگی ہے اللہ نے کہا کہ اے جبرئیل اسکو تو ذرا بہتر ہی پتہ ہے کہ میں ہی بخشنے والا ہوں۔ کسی اور کے پاس تو نہیں گیا۔ جبرئیل نے کہا نہیں، اللہ تعالیٰ تیرے پاس ہی آیا ہے۔ اللہ نے کہا کہ اس کو کہہ دے کہ میں نے اسے پھر معاف کیا۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ گناہ کیا۔ اب تو جبرئیل زچ ہو گیا۔ کہنے لگا یا مالک و کریم! اس بندے کو دیکھ! اس نے پھر گناہ کر لیا ہے اور بار بار گناہ کر رہا ہے تو خدا نے کہا کہ اے جبرئیل اس کو مکمل اور پورا پتہ ہے کہ اس کو بخشنے والا میں ہوں تو اس کو جا کے کہہ کہ میں نے تیرے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کئے۔

خواتین و حضرات یہ دیکھیں کہ ہمارا واسطہ کس سے ہے؟ ہمیں اپنا آپ نہیں دیکھنا۔ ہمیں اپنے چین و تکبر اور خود کی نا آگہی نہیں دیکھنی ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا واسطہ کس سے ہے۔ یہ حدیث سنئے گا: ایک بدو مدینہ میں داخل ہوا۔ وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت میں حساب کون لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ خود......وہ ہنسا اور ہنستے ہوئے چل دیا۔ حضور ﷺ نے کہا: "اس کو ذرا بلاؤ۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" جب وہ واپس آیا تو حضور ﷺ نے پوچھا: "تو ہنسا کیوں"......؟ (کاش کہ ہماری تمام علمیت مل کر وہ جواب پیدا کر سکتی جو اس بدو نے دیا تھا۔) اُس نے کہا: "یا رسول اللہ! زندگی میں دیکھا ہے کہ جب کوئی صاحبِ ظرف حساب لیتا ہے تو نرم لیتا ہے۔ کیا اللہ سے بڑا بھی کوئی اعلیٰ ظرف ہے؟ اس لیے میں خوش ہوا کہ میرا حساب وہ لے گا جو کائنات میں سب سے زیادہ اعلیٰ ظرف ہے"۔ خواتین و حضرات حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ سے اپنا گمان درست رکھو، خاص طور پر مرتے وقت یہ کبھی بدگمانی نہ کرنا کہ اللہ معاف نہیں کرتا اور ہماری کوئی حیثیت ہے۔ اللہ پر اعتبار کلمہ پڑھنے سے نہیں ہوتا۔ یہ تو تسلیم ہے۔ اللہ پر اعتبار اس گمان سے ہوتا ہے کہ وہ بخشش کر رہا ہے: "اِنَّ اللّٰہَ یَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعاً" کیا آپ جانتے ہیں کہ "جمیعاً" کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے "مکمل"......یعنی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ وہ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "اِنَّہٗ ھُوَ الغَفُورُ الرَّحِیمُ" ہمارے ٹائیٹل کو تو دیکھو! ہمارے خطاب کو دیکھو! ہم "رَحمٰنَ الدُّنیا وَ رَحِیمُ الآخِرَۃ" ہیں۔ ہم رحمٰن کے نام سے زمین پر اٹھتے ہیں اور اتنا کرم کر رہے ہیں تو آخرت میں تو ہم

مبالغے میں چلے جائیں گے۔ ان دونوں صفات کے ہوتے ہوئے بھی اگر تم شبہ کرو گے کہ ہم بخشیں گے یا نہیں بخشیں گے تو غلط ہوگا۔ یہ اس مرتبہ عالی کی توہین ہوگی کہ ہم اس کے بارے میں ایسا سوچیں کہ وہ ہمیں بخشے گا یا نہیں۔ اس مرتبہ عالی سے بعید ہے کہ ہم جیسے حقیر لوگوں کو معاف نہ کرے۔

سوال: معذرت چاہتا ہوں مگر آپ کی باتوں میں تضاد ہے۔ ایک طرف آپ عقل و دلیل پر یقین رکھتے ہیں اور دوسری طرف آپ عقل و دلیل کے خلاف ہیں حالانکہ آپ کی ساری تقریر مدلل اور عقل پر مبنی ہے اور reference میں حضرت احمد بن حنبل اور خلیفہ مامون کے متعلق آپ نے جو بات کی وہ غیر مدلل تھی۔

جواب: میرا خیال ہے کہ آپ نے ساری بات نہیں سنی۔ میں نے کہا تھا کہ امام احمد بن حنبلؒ دلیل سے جواب نہیں دے سکے تھے۔ انہوں نے کوئی intellectual دلیل پیش نہیں کی تھی۔ وہ سادہ مذہب پر قائم تھے اور انہوں نے اپنے اس قول کو repeat کیا کہ جب بھی ان سے کہا گیا کہ قرآن کو مخلوق مانو تو انہوں نے کہا کہ ربِ کعبہ کی قسم! ''میں قرآن کو خالق کا کلام مانتا ہوں''۔ اس پر ان کو سزائیں سنائی گئیں اور روزانہ دس کوڑوں کی سزا دی گئی اور احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

''استقامت میں میرا مرشد ایک ڈاکو اور چور ہے''۔

کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے تو کہا کہ میں ایک بازار سے گزر رہا تھا۔ وہاں ایک ڈاکو کو پھانسی کی سزا سنائی جا رہی تھی۔ جب میں اس کے پاس سے گزرا تو اس نے کہا: ''ذرا رکنا! کیا تو احمد بن حنبل ہے؟ کیا تُو وہ ہے جس نے خلیفہ کے خلاف ضد لگائی ہوئی ہے کہ قرآن خالق کا کلام ہے۔'' میں نے کہا: ''ہاں''۔ اس نے کہا کہ دیکھ میں نے ساری عمر ڈاکے ڈالے ہیں۔ آج مجھے پھانسی کی سزا ہو رہی ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں شرمندہ نہیں ہوں، نہ میں بزدلی کا شکار ہوں۔ دیکھ میں ہنستے ہوئے جا رہا ہوں اور اے احمد بن حنبل تُو بڑے نیک کام پر قائم ہے۔ اگر میرے جیسا ڈاکو اپنی چوری پر اتنا مستقیم ہے تو کیا تُو اپنی راہ سے ہٹ جائے گا۔ تو احمد بن حنبل ہمیشہ اس کا ذکر خیر فرماتے رہے اور دعائے خیر فرماتے رہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ استقامتِ دین میں میرا استاد ایک چور اور ڈاکو ہے۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ انہوں نے Intellectual defence نہیں دیا تھا بلکہ intellectual defence شیخ عبدالعزیز نے دیا تھا۔ جو ایک dialectical discussion معتزلہ کرتے تھے اس میں جب انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ تم لوگ لفظی طور پر

قرآن پڑھتے ہو اور فہم قرآن سے عاری ہو جیسے آج کل کے ہمارے بہت سارے لوگ فہم قرآن سے عاری ہیں اور یہ فہم بڑی عجیب و غریب چیز ہے جو پیغمبروں میں بھی فرق کر دیتی ہے۔ اگر آپ نے قرآن پڑھا ہو، تو ایک ہی کیس کے بارے میں حضرت داؤد نے فیصلہ دیا اور اُس کیس کے بارے میں حضرت سلیمان نے فیصلہ دیا تو اللہ نے قرآن میں کہا کہ "ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا"۔ کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا کچھ قرآن زائد ہے آپ کے پاس جیسے لوگ کہتے ہیں انہوں نے فرمایا: "ربِ کعبہ کی قسم لے لو، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، ایک ایک زیر، ایک ایک زبر وہی ہے جو تم پڑھتے ہو مگر یہ کہ اللہ نے ہمیں فہم زیادہ دیا ہے۔" تو بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ملائیت کی علیت ہو اور کسی شخص نے قرآن کو فہم و فراست سے سمجھا ہو تو وہ اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی دولت ہے کہ خدا کسی کو فہم قرآن عطا کرے۔ مگر اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ تحصیلِ علم کیسے کرتے ہو۔ پچھلے تیرہ سو برس میں یعنی تابعین کے بعد زوالِ علم کا یہ عالم تھا کہ فہم قرآن میں کسی قسم کی progress نہیں ہوئی۔ آج ابنِ کثیر کھول لیں۔ وہ بڑے عالم تھے۔ طبری کو کھول لیں تو وہ اتنی rigidity سے آپ کو چیزیں آفر کر رہے ہوتے ہیں کہ ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ان کے پاس اس دورِ حاضر کا علم موجود ہے؟ تو پھر ان سے آپ کیا سمجھو گے۔ ابنِ عباسؓ کا قول ہے: "اَلْقُرآنُ یُفَسِّرُہٗ الزَّمَانَۃُ" کہ ہر زمانے میں قرآن کی اپنی تفسیر ہے کیونکہ حالات بدل جاتے ہیں۔ چیزیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

سوال:

ے خطا آدم نے کی سزا بیٹوں کو
عدل کا بھی کیا معیار بنا رکھا ہے؟

جواب: آپ یہ unscientific بات کر رہے ہیں اور خدا ظاہر ہے کہ scientific ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے نفسِ واحدہ سے پوری انسانیت تخلیق کی ہے۔ آپ چھ بلین ہو۔ ابھی جدید تحقیق میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ east اور west کے تمام انسانوں کے جینز ایک ہی طرح behave کرتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو different آدمی نہیں گن سکتے۔ آپ خود کو ایک different genetic continuity گنتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس جین نہ ہوتا تو آپ نہ ہوتے۔ اگر آپ کے پاس یہ آدم نہ ہوتے تو آپ نہ ہوتے تو یہ ایک continuity ہے اس لیے آدم کی سزا بیٹے کو نہیں ملی۔ آدم کی سزا آدم ہی کو ملی۔ یہ میری بات یاد رکھیں کہ اُن کے بیٹوں کو

سزا نہیں ملی۔ آپ کو یاد ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق "جب آدمؑ کی ذریت اُن کے ہاتھ پر اُن کو دکھائی گئی تو وہ بے شمار ذرات کی شکل میں تھی اور کچھ اُن میں چمکنے والے ذرے تھے اور کچھ تاریک تو حضرتِ آدمؑ روئے، اُن کو بتایا گیا کہ یہ چمکنے والے ذرے نجات و عافیت ہیں اور سیاہ ذرے عذاب ہیں تو انہوں نے پوچھا کیا میں اور میری اولاد زمانے میں اس طرح suffer کرے گی۔ پھر وہ مشیتِ الٰہی کے سامنے خاموش ہو گئے۔ یہ آپ کی بڑی مشہور روایت ہے کہ ایک ذرہ جو بڑی تابانی سے چمک رہا تھا؟ آپ کی نظر اُس پر مبذول ہوئی اور آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ تیری اولاد میں محمد ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں" حالانکہ اُن میں اگر generations (نسلوں) کا تواتر گنیں تو کم از کم سترہ یا اٹھارہ نسلوں کا فرق تھا۔ مگر اٹھارہ نسلوں کے بعد اگر ایک شخص یہ اقرار کر سکے کہ میں اپنے باپ کی دعا ہوں تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ ان کا حصہ نہیں ہوتے ہوں گے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہو کہ بیٹوں کو سزا ملی اور آدمؑ کو نہیں دی گئی بلکہ بعد میں وہی سزا جاری رہی اور پہلے بھی انہوں نے ہی برداشت کی تھی۔

سوال: سورۃ البقرہ کے حوالے سے یہ سوال ہے کہ یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، جس طرح آپ لائے ہیں اور جب ملتے ہیں شیطانوں کو تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ایمان والوں سے ہم ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان بھی ہم ہی میں سے ہوتے ہیں۔ برائے کرم قرآن کی روشنی میں وضاحت کریں۔

جواب: خواتین و حضرات! یہ منافقین پر آیت اتری ہے اور یہ ان کی ایک بڑی favourite technique ہے۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ اگر آپ کسی کو جھوٹا ثابت کرو تو سب سے مؤثر تکنیک یہ ہے کہ ایک school of thought میں جب لوگ جاتے ہیں تو ایک وہ آدمی ہے جو school of thought کی مخالفت میں باہر کھڑا ہے۔ ایک وہ آدمی ہے جو اندر جا کر باہر نکلتا ہے، وہ بڑا موثر ہوتا ہے۔ یہودیوں نے یہ special technique اختیار کی تھی کہ صبح مسلمان ہوتے تھے اور ہفتے دو ہفتے کے بعد اسلام چھوڑ دیتے تھے اور واپس آ کر لوگوں سے کہتے تھے کہ بھائی ہم سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے ہم بھی مسلمان ہوئے تھے۔ ہم نے تو اندر سے جا کر دیکھا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ یہ بڑے clever لوگ تھے۔ شیاطین اُن سے برعکس کیا ہو گئے جنہوں نے ایسے ایسے حربے اسلام کو رسوا کرنے کیلئے

نکالے تھے۔ بہت لوگ سوال پوچھتے ہیں کہ ارتداد کی سزا قتل کیوں ہے؟! اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ تکنیک برتنے والے جان بوجھ کر اسلام میں آتے تھے اور پھر واپس آ کر کہتے تھے کہ ”جی! ہم تو مسلمان ہوئے تھے، ہم نے دیکھا ہے رسول اللہ ﷺ کو...... ہم نے اُن کے اندر جا کر دیکھا ہے۔ اُن میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“ اور یہ سب سے مؤثر مقام ہے لوگوں کو اسلام سے بدگمان کرنے کا...... یہ بندے ہی تھے مگر شیطان کی اعلیٰ تکنیک کے حامل تھے اس لیے ان کو شیاطین کہا گیا۔

سوال: کیا شیطان انسانی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو کیا دکھائی دیتا ہے؟

جواب: چونکہ شیطان غرض و غایت جن ہے اور جن اس لیے جن ہے کہ وہ physical changeable ہے اور وہ کوئی بھی آسیب کی شکل اختیار کر سکتا ہے مگر ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ ایک بار جب نیند سے بیدار ہوئے تو آپ بڑے پریشان سے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے دیکھا کہ آج شیطان کی بیوی نے انڈا دیا ہے اور اُس سے ایک بچہ پیدا ہوا ہے پھر اُس سے اور بہت سارے بچے پیدا ہوئے ہیں۔“ تو ہیولاتی شکل میں وہ اپنا سراپا بدل سکتا ہے۔ چونکہ جنات میں یہ اختیار ہے کہ وہ آسیب کی شکل میں آپ کی نظروں کو وہ دکھاتے ہیں جو وہ دکھانا چاہتے ہیں۔ جب وہ کوئی شکل بدلیں گے تو آپ کو وہ اسی طرح نظر آئے گی۔ اگر بندہ چاہیں گے تو بندہ دکھادیں گے اگر جانور بننا چاہیں گے تو جانور دکھادیں گے مگر انکی practical life میں reproduction (نسل کشی) کیلئے ان کو کسی جانور کی شکل میں آنا پڑتا ہے۔ وہ انسان کی شکل میں آ کر بچے نہیں پیدا کر سکتے کیونکہ انسانوں کا procedure ان سے مختلف ہے۔ جنات انڈے دیتے ہیں بچے نہیں دیتے۔ جیسا کہ یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے اسی لئے mating (ملاپ) کیلئے انہیں ان خبیث جانوروں کی شکل میں آنا پڑتا ہے جنہیں آپ آتشی مخلوق کہتے ہیں جیسے سانپ، بچھو اور چھپکلی...... ان کی شکل میں آ کر یہ mating کرتے ہیں اور پھر اُن سے انڈے اور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے مکہ اور مدینہ میں پہلے یہ حکم تھا کہ اگر آپ کو سانپ نظر آئے تو آپ اس کو آواز دو کہ اگر تو جن ہے تو چلا جا! اگر تو جن ہے تو چلا جا......! اگر تین مرتبہ آواز دینے سے وہ نہیں جاتا تو آپ کا حق ہے کہ اُسے مار دو کیونکہ وہ جن نہیں ہوگا۔ یہ حکم حرمین شریفین کیلئے موجود تھا مگر اب یہ cancel ہو چکا ہے۔ ہمارے پاس دو چار احادیث ایسی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیادہ تر سانپ کی شکل میں آتے ہیں۔ Christian Theology (عیسائی مذہب) میں بھی ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ شیطان کا سب سے بڑا symbol (علامت)

سانپ ہے کیونکہ شیطان سانپ کی شکل میں آدم وحوا کو بہکانے کیلئے دوبارہ جنت میں گھسا تھا۔

سوال: نفس انسان کا بھی ہے اور اللہ کا بھی ہے۔ انسان کے نفس کی تو سمجھ آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو تمام حاجات سے بالاتر ہے اس کی مختصری تفصیل آیۃ الکرسی میں بھی آتی ہے تو پھر اللہ کا نفس کس طرح ہوا۔ وضاحت فرمائیں؟

جواب: اصل میں بات یہ ہے کہ یہ خدا کی پسند و ناپسند پر مشتمل ہے۔ اللہ چونکہ اپنی وہ صفات پسند کرتا ہے جو رحم و کرم پر مبنی ہیں اور وہ اصل میں کسی کو ڈرانا نہیں چاہتا۔ اُس نے وجودِ رسول اللہ ﷺ میں پورے عالمین کی رحمت کو مجسم کر دیا: ''وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلّا رَحمَۃً لِلعَالَمِینَ'' وہ اگر اتنا رحمان و رحیم و کریم رب ہے تو وہ اُن صفات کو صرف اپنے لئے نہیں رکھے گا۔ وہ رحم و کرم کی صفات کو بندوں کیلئے بھی پسند کرے گا۔ جیسے اس کے اسمائے جلالی اور اسمائے رحمانی ہیں۔ وہ ان صفات کو جو انتقام پر مبنی ہیں اپنے نفس کے حصے میں رکھ دے گا۔ یہ اللہ کے علم میں زیادہ بہتر طور پر ہے عام انسان اس کے بارے میں exactly کچھ نہیں کہہ سکتا مگر میرا اندازہ یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے دن اترے گا اور چونکہ وہ منتقم بھی ہے تو اس دن جب وہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرے گا تو ان اسماء کے ساتھ کرے گا کہ: ''لِمَنِ المُلکُ الیَومَ'' بتاؤ آج ملک کس کا ہے اور کس کی حکومت ہے زمین و آسمان میں؟ ''وَلِلّٰہِ الوَاحِدِ القَھَّار'' اور یہ اسی واحد و قہار کیلئے ہے۔ وہی واحد اور وہی قہار ہے تو یہ اسماء اللہ کے نفس کے اسماء ہیں۔

سوال: شیطان یا نفس سے بچنے کا کوئی طریقہ بتا دیں؟

جواب: بہت طریقے ہیں اور اہل تقویٰ کے بھی بہت طریقے ہیں۔ خدا نے خود بتائے ہیں۔ سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان سے بچنا ہو تو ''اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم'' اور ''اَعُوذُ بِاللّٰہِ السَّمِیعِ العَلِیمِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم'' پڑھ لیں۔ یہ اس سے بھی زیادہ معتدل کلمہ ہے جب اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے دو صحابی لڑ رہے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے directly یہ نہیں کہا کہ یہ شیطان کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ''اے ابوہریرہؓ مجھے ایک کلمہ پتہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی یہ پڑھ لے تو لڑائی بند ہو جائے گی تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ عطا ہو۔ میں ابھی جا کے بتاتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم'' تو وہ دوڑے دوڑے گئے اور انہوں نے کہا کہ لوگو سنو! حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ کلمہ پڑھ لو تو شیطان دور ہو جائے گا اور آپ کا غصہ ختم ہو جائے

گا"۔ ایک صحابی پیچھے کھڑے تھے، کہنے لگے: کیا تم نے ہمیں بے وقوف سمجھا ہے یعنی غصے میں شیطان نے انہیں پھر بھی بخشنے نہ دیا کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں کیا کہا ہے بلکہ انہوں نے کہا کہ کیا تم نے ہمیں بے وقوف سمجھا ہے۔ کیا ہم اتنے پاگل ہیں کہ شیطان کے قبضے میں ہیں مگر دراصل اللہ کے رسولﷺ نے یہ کلمات شیطان سے پناہ کیلئے دیئے۔ ایک دوسرا کلمہ بڑا خوبصورت ہے قرآن ہی میں آیا ہے اور وہ بڑا ہی مؤثر کلمہ ہے۔ میں اکثر حیران ہوتا ہوں کہ دافع سحر اور دافع بلا اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا: "وَقُل رَّبِّ اَعُوذُبِکَ مِن ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِینِ۔ وَ اَعُوذُبِکَ رَبِّ اَن یَّحضُرُونَ" (اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں شیاطین اور اس کے ساتھیوں سے اور ان سب شیاطین سے جو میرے اردگرد موجود ہیں۔)

سوال: اللہ تعالیٰ کے حکم و مصلحت کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ جب ہر کام اللہ کی مرضی اور حکم سے ہوتا ہے تو پھر انسان کے اعمال کی سزا کیوں ہے؟

جواب: کس نے کہا کہ اعمال کی سزا ہے؟ میں تو آپ کو اتنی ساری مغفرتیں سنا چکا ہوں۔ اعمال کی تو سزا آئی ہی نہیں ہے۔ مگر یہ جو نعمت اس نے آپ کو دی ہے اُس کا جواب تو وہ آپ سے ضرور لے گا۔ آپ کے اعمال کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر حیثیت رکھتے تو خدا کیوں کہتا کہ تمہاری قربانی کا گوشت اور ہڈیاں کچھ بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے صرف نیت پہنچتی ہے۔ بات یہ ہے کہ drive motive تو آپ کے دماغ میں ہے۔ آپ کے دماغ کی instruction ہی سے آپ کا ہاتھ ہلتا ہے۔ کبھی کومہ میں گئے بندے کو بھی آپ نے ہاتھ ہلاتے دیکھا ہے۔ brain زندہ ہوگا تو چیزیں حرکت کریں گی۔ آپ کے اعمال آپ کے drive motive کے سائے تلے ہیں، آپ کی ذہنی سوچوں کے سائے تلے ہیں۔ خدا آپ کی ذہنی سوچ سے جواب طلب کرے گا۔ جب آپ یہاں سے گزر کے قبر کے سرہانے پہنچ جاؤ گے تو وہ آپ سے شیطان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرے گا وہ تو سوال کرے گا: "مَن رَّبُّکَ"؟ یہ بتا کہ سوچ سمجھ، غور کیا، فکر کیا کھائے پیئے عیش کی دنیا سے گزر کر آئے، پوری عمر لی۔ بتا تیرا رب کون ہے؟ آپ خود سوچو ایک ہندو جائے گا تو کیا جواب دے گا؟ ایک سو پچاس تو اُس کے دیوتا ہیں...... وہ کیا کیا کہے گا؟ پھر اگر مسلمان نے زندگی میں دولت کو ہی خدا سمجھا، بال بچوں کو خدا سمجھا، یہی کچھ اُس نے خدائی دیکھی ہے تو یقین جانو کہ آپ confuse ہوگے اور اسی پہلے سوال کے جواب میں خدا کہتا ہے کہ بے شک میرے بندے نے سچ کہا اور بے شک میرے بندے نے جھوٹ کہا۔ اب اُس

کے برعکس یہ دیکھو کہ جس نے اللہ کو priority سمجھا ترجیح دی، جب اُس سے فرشتے سوال کریں گے: "مَنْ رَبُّکَ" ؟ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟ جا! اُس اللہ سے پوچھ جس کی یاد میں میں نے ساری زندگی گزاری۔ مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟ دوسرا سوال رسالت کا ہے: "مَنْ نَبِیُّکَ" تیرے نبی کون تھے؟ پھر صورت گرامی رسول کریم ﷺ دکھائی دے گی۔ اگر مسلمان اپنے رسول ﷺ کی زیارت کی بھی شہادت نہ دے تو پھر کیا سمجھے۔ جب وہ رسول ﷺ کو پہچانے گا تو پھر "لا الٰـہ الا اللہ" بھی یاد آ جائے گا۔ یعنی پہلے سوال کا جواب اگر بھول بھی جائے تو دوسرے سے یاد آ جائیگا۔ اگر دونوں سوالوں سے چھٹی ہے تو پھر نام کے مسلمان ہو۔ اسی لئے حدیثِ مسلم میں آخری حدیث میں ہے کہ بہت سارے متقی، ریش ہائے دراز، جامہ ہائے مقدس زیب و زینت جو چل رہے ہونگے اور ملائکہ انہیں لے کر جنت الفردوس کو روانہ ہونگے تو آواز آئے گی کہ اے ملائکہ ان بندوں کو ذرا جہنم میں پھینک دو تو ملائکہ استعجاب میں عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ ان کی نیکیاں لکھ لکھ کر ہمارے اعمال کے کاغذ شرقاً غرباً ختم ہو گئے ہیں اور یہ آپ کیا کہتے ہو کہ انہیں جہنم میں لے چلو۔ حکم تو ماننا ہے لیکن کچھ آگہی چاہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے اور میرے بندے کا ایک معاملہ وہ ہے جسے صرف میں جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ یہ صاحب اخلاص نہیں تھے۔ دنیاوی طمع اور شہرت کیلئے انہوں نے عبادات کی تھیں۔ رعب ڈالنے کیلئے مساجد کی پاسداریاں کی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے لوگوں کو بڑی فہمائشیں کی تھیں۔ پائنچے بہت اونچے کئے تھے گریبان بڑے بند کیے تھے۔ مسجد سے اُٹھتے نہیں تھے مگر مقصد شہرت تھا، بقائے دوام نہیں تھا۔ اس حدیث سے دو چیزیں نکلتی ہیں کہ اعمال شرقاً و غرباً لکھے جاتے ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے باطن کی سوچ ملائکہ بھی نہیں جانتے Only God is witness to the heart. کتنا باریک سبب ہوگا انسان کا دل! اور کیا خوبصورتی ہوگی اس جذبے میں جسکو اخلاص کہتے ہیں جس کی شہادت صرف اللہ انسان کے بارے میں دے گا اور کیا یہ بات دور کی لگتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک مرتبہ بھی دل سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اُس پر دوزخ حرام ہے۔ اتنا سستا سودا کیا اتنا مہنگا ہو گیا ہے؟ کیا خدا نے یہ نہیں کہا کہ جس کی آنکھ سے میرے لیے ایک آنسو نکلا اُس پر ہمیشہ کیلئے دوزخ حرام کر دوں گا۔ کیا ایک آنسو بھی خدا کیلئے نہیں نکل سکتا۔ کیا خدا سے اتنی غیریت ہے کہ اُس کی وجہ سے کوئی سبب محبت پیدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ ہمارے مولوی کرتے ہیں کہ ڈراؤ دھمکاؤ، سزائیں سنواؤ تاکہ بندے guilt conscience میں چلے

جائیں، بندے مجرم feel کریں۔ احساسِ جرم آدمی کو خبط کر دیتا ہے۔ شاہ جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے کہا کہ پہلے ابوالحارث محاسبی بتائیں گے جو خاندانِ محاسبہ کے سرتاج ہیں تو لوگوں نے پوچھا کہ ابوالحارث توبہ کیا ہے؟ ابوالحارث نے کہا کہ توبہ یہ ہے کہ تو گناہ کو ہمیشہ یاد کرتا رہے تو انہوں نے پوچھا کہ جنید کیا آپ بھی یہی کہتے ہو۔ انہوں نے کہا: ”نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ توبہ یہ ہے کہ گناہ تجھے کبھی یاد نہ آئے۔“ جب ایک ذہنی فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ نہیں سوچنا، یہ نہیں کرنا تو یہ بالکل ذہن سے نکل جائے گا اور اگر یاد کرو گے تو تھوڑے عرصے کے بعد وہ یاد کمزور ہونی شروع ہو جائے گی اور گناہ اور اس کی شہوات پھر سے ابھرنی شروع ہوں گی اور دوبارہ وہی غلطی کرو گے۔ توبہ ایک ذہنی حس ہے، ایک مکمل ذہنی حس...... یہ تو ہو سکتا ہے کہ توبہ کرتے کرتے پھر کوئی لرزش ہو جائے مگر وہ فیصلہ نہیں بدلے گا۔ بعض اوقات ہماری جبلتیں اتنی طاقتور ہوتی ہیں۔ ہمارے غصے بے حد و حساب ہوتے ہیں۔ ہم یکبارگی انہیں ترک نہیں کر سکتے مگر یہ ساری زندگی حساب و کتاب کے لئے ہے، انصاف کیلئے نہیں ہے۔ یہ دنیا انصاف کیلئے نہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا غریبوں کو کیوں غریب رکھتا ہے؟ امیروں کو کیوں امیر رکھا ہوا ہے؟ کیوں ظالموں کو سزا نہیں دیتا؟ بھلا کمرہ امتحان میں رزلٹ کون سناتا ہے؟ آپ تو امتحان گاہ میں ہو۔ ابھی تو نوبت ہی نہیں آئی۔ یہاں تو judgement کیلئے ہو، یہاں تو مظلوم آزمایا جا رہا ہے کہ مظلومیت میں سہارے کس کے ڈھونڈتا ہے۔ خدا کے یا غیر کے...... ظالم اپنے ظلم سے آزمایا جا رہا ہے کہ اپنی جابرانہ قوت کا اظہار کرتا ہے یا نہیں؟ بادشاہ اپنے اختیار سے آزمایا جا رہا ہے۔ غلام خدمتِ غلامی سے آزمایا جا رہا ہے۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہ انصاف کی جگہ نہیں ہے اور جو جہاں ہے وہ مقدر نہیں ہے۔ پروٹوکول ہے۔ روٹی مقدر نہیں ہے، کھانا مقدر نہیں ہے، یہ تو آپ کا پروٹوکول ہے۔ یہ تو آپ کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار سال قبل اللہ نے لکھ کر دے دیا ہے۔ ”کُلٌّ فِی کِتٰبٍ مُّبِین“ یہ تو لکھا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں، یہ آپکی محنت کے کرشمے نہیں ہیں۔ یہ آپ کی دانش نہیں ہے جتنا رزق کمانا تھا، اتنی عقل اللہ نے دی ہے، اتنے طریقے دے دیتا ہے جتنا آپ نے چاہنا ہوتا ہے۔ ذہین ترین کرسی پر بیٹھے کما رہے ہوتے ہیں اور ایک ریڑھی بان دھوپ میں مشقت کرتا ہے، سو روپے بھی لے لیتا ہے۔ یہ محنت کی مالا نہیں ہے یہ تو لکھا جا چکا ہے۔ مقدر تو آگے آئے گا۔ ساٹھ سال کی زندگی مقدر نہیں ہے۔ اس کے بعد اربوں سالوں کی زندگی مقدر ہے۔ جنت مقدر ہے، دوزخ مقدر ہے، یہاں سے نکل کر آگے کائناتِ عظیم میں جو مسافت

ہے جو مقدر ہے۔

سوال: شیطان ہمارے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب کہ قرآن اور حدیث کے مطابق شیطان ہماری رگوں میں ایسے گردش کرتا ہے جیسے خون۔ برائے مہربانی وضاحت کریں۔

جواب: "یُوَسوِسُ فِی صُدُورِ النَّاس" اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خیال پھونکتے ہیں۔ وہ میرے خون میں اس طرح نہیں گردش کرتے۔ میرے خون میں تو اللہ خود کہتا ہے: "نَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِید" ہمارے تو قریب ترین اللہ ہوتا ہے مگر شیطان خیال پھونکتا ہے جیسے ایک طرف خیال خیر آ رہا ہوتا ہے تو نفس کا الہام شر شیطان ہے جیسے ہمارے دل میں دو cardiac waves چلتی ہیں۔ ہمارے ذہن میں بھی دو لہریں چلتی ہیں۔ ایک پر خیال خیر الہام ہوتا ہے اور ایک پر خیال شر الہام ہوتا ہے۔ یہی ترکیب اللہ نے نفس انسان کی بنائی ہے: "وَنَفسٍ وَّمَا سَوّٰھَا" کہ نفس انسان کو ہم نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ یہ پچاس فیصد الہام خیر ہے اور پچاس فیصد الہام شر ہے اور جو الہام شر ہے اس کی centricity شیطان کے پاس ہے اور الہام خیر جو ہے وہ اللہ کے پاس ہے۔

سوال: حکم سجدہ ملائکہ سے ہے شیطان ملائکہ سے نہیں پھر وہ رجیم کیوں ہے جبکہ وہ آیت کی رو سے اس حکم میں شامل ہی نہیں؟

جواب: یہ حکم سجدہ میں اس لیے شامل ہے کہ اس کے بارے میں اللہ نے کہا کہ سب نے سجدہ کیا اور جن ہونے کے باوجود اس کو خدا نے درجہ ملائکہ بخشا تھا اور نہ صرف درجہ ملائکہ بخشا بلکہ استاد ملکوت کہا۔ یہ ملائکہ کا بھی استاد ٹھہرا۔ اگر آپ آیت پڑھو تو خدا نے یہ mention کیا ہے کہ خدا نے اس کو ملائکہ سے بہتری اور بزرگی دی ہوئی تھی۔ "وَاِذ قُلنَا لِلمَلٰٓئِکَۃِ اسجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا اِبلِیس" آیت میں چونکہ ملائکہ کا جنرل لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ شیطان صرف ایک تھا اور ملائکہ بے شمار تھے تو اس کو ملائکہ میں شامل کر کے اعلان کیا گیا کہ تم سجدہ کرو۔ جب یہ علیحدہ ہوا تو اللہ نے اسے ملائکہ سے علیحدہ کر دیا۔ "...... فَسَجَدُوا اِلَّا اِبلِیسَ" یہاں اگر ابلیس کو ملائکہ سے جدا کر کے کہا جاتا تو یہ علیحدہ پارٹی تھی مگر خدا نے اسے جدا نہیں کیا بلکہ ملائکہ میں رکھا۔ سب ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ایک کے اور وہ ابلیس تھا۔

سوال: تمام اہل قصور کیلئے کوئی جنرل تسبیح بتایئے۔

جواب: آج صبح چلتے ہوئے کسی نے مجھ سے پوچھا کہ قصور کو قصور کیوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ

تمہارے ذہن میں پہلا خیال کیا آتا ہے تو کہنے لگا کہ وہاں بڑی خطائیں ہوتی ہونگی۔ تو میں نے کہا کہ نہیں یہ قصر کی جمع ہے۔ یہ کسی زمانے میں حکمرانوں کے محلات کی جگہ ہوگی تو قصر کو قصور کہنے لگے۔ A land of the palaces. ابھی palaces تو کوئی خاص نظر نہیں آتے یا شاید اُس وقت کے palace بھی ہوتے ہونگے جواب نظر آتے ہیں۔

جس طرح افراد میں خصوصیات ہوتی ہیں اسی طرح شہروں میں بھی کچھ خصوصیات built ہوتی ہیں۔ بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ اس خصوصی علیت کے تعارف سے آپ کے شہر کے بارے میں آپ کو بتاؤں تو قصور میں چار اہم خوبیاں ہیں جو انفرادی سطح پر مجموعی طور پر سب لوگوں میں تھوڑی تھوڑی آنی چاہئیں، چاہے وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ نمبر ایک sensitivity (حساسیت) sensitivity lust of power منفی خصوصیت ہے Heartlessness یہ اس کے پہلے حرف کی خصوصیات ہیں۔ Most sensitive in comparisons and heartless in persuance. یہ اہل قصور کی پہلی صفت ہے۔ دوسری صفت ہے انتہائی stubbornness اور جذباتیت۔ خلوص و محبت اور اپنے موقف پر قائم رہنے کی سختی ان لوگوں میں پائی جاتی ہے اس لئے آپ ارل مسلمان یہاں کبھی نہیں پاؤ گے۔ تیسری کوالٹی بڑی عجیب و غریب ہے کہ ہر آدمی خصوصی تعلقات کے سلسلے کا خواہش مند ہے یعنی Every Qasuraied is fond of creating line of relationship جہاں وہ بہت ساری شناسائی طلب کرتا ہے۔ بہت ساری ملاقات طلب کرتا ہے، بہت سارے لوگوں میں رابطے کی کوشش کرتا ہے He is social political یہ تیسری صفت ہر آدمی میں ہے چاہے تھوڑی اجاگر ہو یا کم۔ قصور کی آخری صفت وہ ہے جس تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔ ویسے اتفاق سے جو آپ کے پاس بزرگ مدفون ہیں وہ بھی اس صفت تک نہیں پہنچے، یعنی حضرت بابا بلھے شاہ...... وہ sentiment اور مجذوبیت کی طرف تو آ گئے مگر ز علم کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ رسالت اور message کی شناخت ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے کوئی message آپ کے شہر سے نکلے گا تو وہ ز کی وجہ سے ہے جیسے حضرت بابا بلھے شاہ نے poetic message آگے پہنچایا مگر قصور والے جو بھی بوڑھے ہوں گے ان میں irritations اور غصہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ اس شہر کی خصوصیت ہے کہ جب اس کی ڈیپریشن شروع ہوگی تو Most of the Qasuraied old people will be very

ہے fearful of death and they will be depressed at the end. آخر ہے۔ آخر میں جو اس کی متحرک صورت ہے اس کو دو چیزیں روکتی ہیں Hospitality (مہمان نوازی) اور خیرات اور آپ کے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو عمرِ آخر میں کثرت سے خیرات کرنے والے ہوں گے اور ماشاءاللہ اب بھی ہوں گے اور اُن کو اپنی اس ذہنی اذیت سے نجات ہوگی۔

خواتین کو قصور بڑا سوٹ کرتا ہے جیسے مردوں میں یہ اثرات ہوتے ہیں خواتین میں ذرا مختلف ہیں کہ وہ اپنا میچ کبھی بھی ختم نہیں کر سکتیں۔ اُن کو constant comparisons سے واسطہ پڑتا ہے اور قصور میں خواتین مردوں سے زیادہ active ہونے کی کوشش میں ساری زندگی گزار دیتی ہیں۔ They will like to do business they will do anything which men can do. اگر ان کو چانس مل جائے تو وہ آپ سے بہتر بزنس مین ہوں۔ قصور کی تین بڑی تسبیحات "یا سلام، یا مومن یا اللہ" ہیں۔ یہ سلامتی، ذہن و تسکین ہیں کیونکہ جہاں پر بھی بزنس atmosphere ہوتا ہے وہاں ایک rapid attitude پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے depressive شیزوفرینیا پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسری تسبیح "یا رحمٰن یا رحیم یا کریم" ہے۔ یہ ہر شہر کے لئے ہے۔ اللہ سے ہمارا contract ہے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے اور لکھ کر دیا ہوا ہے: "وَكَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ رَحْمَةً" کہ میں ہر حال میں تم لوگوں پر رحمت کروں گا۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم بار بار اسے یاد کریں اور تیسری تسبیح ہے "یا ولی، یا نصیر" "وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا" (نساء: ۴۵) وہی اللہ ہے جو بہترین دوست ہے وہی اللہ ہے جو فتح و نصرت کی عزت بخشنے والا ہے۔

توحید، ایمان اور عمل

اَعُوذُ بِاللهِ السَّمِیعِ العَلِیمِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ
لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْن ○ وَسَلامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ○

خواتین و حضرات! اس بہت ہی خوبصورت تعارف کا شائید میں اتنا حقدار نہیں تھا مگر محبت کے بہت سارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

آج کے موضوع کی جو بڑی عجیب و غریب بات تھی جو مجھے شروع سے عجیب لگ رہی تھی کہ ایک ایسے وقت میں، ایمان اور عمل کا تو کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے کوئی تعلق کوئی واسطہ ہو سکتا ہے مگر توحید کے concept کا شعور حاصل کرنا، خدا کو جاننے کی کوشش کرنا، خدائی کو تسلیم کرنا، ایک بہت high philosophical concept (اعلیٰ فلسفیانی تصور) ہے، جس کیلئے نازک اذہان کو اس شناخت پر بہت زور دینا پڑتا ہے۔ جہاں تک ہمارے ہاں مروجہ ایمان و عمل کی بات ہے اور جہاں تک لوگ جب ایمان کی بات کرتے ہیں تو لازماً ایک بات اس میں بھول جاتے ہیں کہ کسی قسم کا علمی اور عقلی faith (یقین) محض blind faith (اندھا یقین) ہوتا ہے یا علمی faith ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو کوئی ایسا تصور، کوئی ایسا خیال جو زمان و مکاں

کے تواردے نہ گزرے جس پر آپ خود تنقید نہ کریں جس پر زمانہ تنقید نہ کرے، جو سوال و جواب کے تواردے نہ گزرے وہ ایمان، وہ خیال و نظریہ کبھی بھی سلامت نہیں بچتا۔ اگر آپ ایک ایسے ایمان پر قائم ہو، ایسے تصورِ خدا پر قائم ہو جو اس صحرائے تشکیک میں کسی شک کا وجود نہیں سہہ سکتا جو عقیدتوں کا اتنا پابند ہے کہ آپ کا ایک لفظ، ایک جملہ آپ کے گناہ و ثواب کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب تصورِ خدا پر سوچنا بھی آپکو محال لگتا ہے۔ جب توحید کا ذکر کرتے ہوئے یا خدا کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے بیچ میں اتنی کا نکاتوں کی اجنبیت آجاتی ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ خدا کے بارے میں سوچنا ایک غیر ضروری فعل ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ خدا کا خیال کرنا یا خدا کے تصور میں کھو جانا یا اس پر تحقیق و جستجو کرنا ایک ایسا فعل ہے جس میں سوائے بہکاوے کے......اور سوائے بھٹکنے کے کوئی چیز ہماری زندگی میں شامل نہیں ہے تو ہم خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تمام مذہب میں اور science میں ایک بنیادی فرق تھا جس کی وجہ سے ایک طرف کی تحقیق و جستجو مسلسل جاری رہی اور مذہب کی تمام تر جستجو local (مقامی) اور متعصبانہ ہوگئی۔ فرق یہ تھا کہ آج بھی ptolemy (تو لمی) غلط ہونے کے باوجود سائنسدان سمجھا جاتا ہے۔ آج بھی copernicus (کاپرنیکس) باوجود غلط ہونے کے سائنسدان سمجھا جاتا ہے۔ آنے والے سائنسدانوں نے ان پہلے سائنسدانوں کو reject (رد) نہیں کیا، تنافر سے نہیں دیکھا۔ ان کو یہ نہیں کہا کہ یہ کوئی غلط کار اور سیاہ کار لوگ تھے جنہوں نے سائنسی ترقی کو روکا بلکہ انہوں نے ان کو اپنے آباؤ اجداد مانا۔ ان کو وہ بارسوخ علما مانا جنہوں نے جستجو کا پہلا پتھر پھینکا، جنہوں نے پہلی کوشش کی اور سائنسی عمل کو آگے بڑھایا، جستجو اور تحقیق کو آگے بڑھایا اور اس وقت سے چلتے ہوئے آج اگر ptolemy صحیح نہیں بھی......، copernicus صحیح نہیں بھی......، آج اگر گلیلیو apologetic (معذرت خواہ) ہے مگر اسکے باوجود ہم ان کو اس تعلیمی نظام کا سربراہ مانتے ہیں جب انسان نے پہلی، جرأت فکر کی، پہلا خیال اور شعور رہا اور کائنات کو پرکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ سب مذہب کے ساتھ نہیں ہوا۔ مذہب بنیادی طور پر آفاقی حقیقتوں کا سب سے بڑا سبق تھا، وہ انسانی ہدایت کا بہت بڑا سبق تھا، اس سے انسان نے زندگی شروع کی تھی۔ anthropology (علم الانسان) کا آغاز ہمیں بتاتا ہے کہ ابتدائی تمام سوسائٹیاں priest (پادری) سوسائٹیاں تھیں۔ تمام علمیت کے وہ مقام تھے جہاں علمائے وقت نے اپنی ابتدائی سوسائٹیوں کو مرتب کیا، جہاں بادشاہ حکمران نہیں ہوتا تھا۔ پروہت یا priest حکمران ہوتا تھا، کوئی

نبی حکمران ہوتا تھا،خدا کا فرستادہ کوئی پیغامبر حکمران ہوتا تھا مگر جب مذہب آگے بڑھا تو بدترین آفت اس پرقومِ یہود کی وجہ سے طاری ہوئی۔ قوم یہود نے اپنے بخل اور اپنی حماقتوں کی وجہ سے مذہب کا ستیاناس کر دیا۔ میں ایک اچنبھا خیز بات ضرور بتاتا چلوں کہ ہمارے ہاں تصور کیا جاتا ہے کہ یہودی بہت ذہین اور نابغہ قوم تھی، بہت عالمانہ تھی اور ایک آدھ بندے کے وجود کی وجہ سے اُن کو رنگ لگا جیسے آئن سٹائن ہے مگر آپ اُس قوم کے بارے میں کیا کہو گے جس کا پیغمبر تنگ آ کے ان کے بارے میں یہ رائے دیتا ہے۔

"اَعُوذُ بِاللّٰہِ اَن اَکُونَ مِنَ الجٰھِلِینَ"(۲: ٦٧)

(اے پروردگار! میں ان جاہلوں کی قوم سے بہت تنگ ہوں، میں ان سے پناہ مانگتا ہوں)

اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے بڑی جہالت جو یہود نے مذہب کے ساتھ کی کہ انہوں نے مذہب کو گھر میں ڈال دیا۔ اُس آفاقی حقیقت کو انہوں نے محدود کر دیا۔ انہوں نے اسے خاندانی مسئلہ بنا لیا۔ انہوں نے یہوواہ (Jovaha) کو اپنے خاندان اور قبیلے کا خدا مانا اور اس پر کسی اور انسان کو حق حاصل نہ تھا۔ وہی محبوب خداوند ٹھہرے، وہی لاڈلے بن گئے اور اللہ کو انہوں نے اپنی ذات میں محدود کر لیا۔ جب christians (عیسائی) آئے تو early christians (شروع کے عیسائی) بھی یہودی تھے۔ انہی کے ٹوٹے پھوٹے لوگ تھے جنہوں نے یہودی philistines (ایک جنگجو قوم جو بنی اسرائیل کو فلسطین میں پریشان کرتی تھی) سے تنگ آ کر بالآخر christianity کو، آسمانی بادشاہت کو رجوع کیا مگر انہوں نے اُس سے بھی بڑا ظلم کیا۔ یہودیوں نے تو خدا کو اپنے خاندان میں قید کیا تھا مگر ان لوگوں نے اُسے بیوی بچے بھی دے دیئے۔ انہوں نے اللہ کا خاندان بھی مرتب کر لیا اور جیسے قومِ یہود نے اپنے بعد آنے والے تمام مذہبی سائنسدانوں کا بُطلان کیا، تمام پیغمبروں کا انکار کیا اسی طرح christians (عیسائیوں) نے اپنے بعد آنے والے مذہب کی کوئی continuity (تسلسل) نہیں دیکھی۔ یہ وہ المیہ تھا جو شروع میں مذہب کی تحقیق و جستجو میں پیش آیا۔ جہاں science منتقہ، مربوط اور منصرف کوششوں کی وجہ سے آگے بڑھتی رہی وہاں مذہب پر یہ آفت آئی کہ ہر آنے والے نے مذہب کو اپنا ایک گھریلو خادم سمجھتے ہوئے، خدا کی تحقیق و جستجو کو نہ صرف محدود کیا بلکہ اُسے متعصبانہ possession (ملکیت) کر دیا یا قبضہ گروپ کر دیا۔ جہاں جہاں بھی مذہب جس جس راستے سے گزرا، مختلف اقوام نے قبضہ گروپ کی طرح اُسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا اور نتیجہ

یہ ہوا کہ message of the God (خدا کا پیغام) وہ آفاقیت اور universal attitude (کائناتی رویہ) ختم ہوگیا۔

اسکے علاوہ ایک اور بڑی بدقسمتی پیش آئی، وہ بدقسمتی یہ تھی کہ ہم نے خدا کو صرف اپنے زمینی مسائل سے سمجھا۔ ہم نے خدا کو صرف اپنی آنکھوں سے سمجھا۔ Greek mythology (یونانی دیومالا) میں جب بُرائی بہت بڑھ گئی تو تمام برائیاں Zeus God (یونان کا سب سے بڑا دیوتا) کے ساتھ منسوب ہوگئیں۔ Homo sexuality (ہم جنسی) اُس کے نام لگ گئی۔ کثرتِ بدکاری اُس کے نام لگ گئی۔ لوگ جب اپنی کمزوریوں کو نہ نبھا سکے تو انہیں اپنی ذات سے باہر نکال کے دیوتاؤں کے نام دے دیئے اور پوری کی پوری mythologies کی adjustment (دیوتاؤں کے قصوں کی ترتیب) اس وجہ سے ہوئی کہ لوگوں نے اپنی کمزوریاں، اپنے گناہ چونکہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اسلیئے خداؤں کے نام دے کر اُن کو کبھی Zeus کہا، کبھی Hefastus (ہیفاسٹس) کہا، کبھی Afrodite (افروڈائٹ) کہا اور ان کے نام وہ تمام غلاظتیں منسوب ہوگئیں جو انسان liberty (آزادی) کے نام پر حاصل کرنا چاہتا تھا، جو انسان مذہبی بندشوں سے ہٹ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کچھ لوگ جو armed chair intellectuals تھے وہ اپنی روشن خیالی میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ انہوں نے مذاہب سے ہٹ کر ان بتوں کے نام پر داخل کر دیا اور اسی طرح Indian mythology, (ہندو دیومالا) میں شروع میں Aryans (آریا) ایک دیوتا لے کر، ایک خدائے واحد لے کر ہندوستان میں آئے اور اس کا نام "اندرا" تھا مگر تھوڑے عرصے کے بعد آتے ہی اُس کی دو شادیاں "ورونا" اور "متھرا" سے کروادیں اور پہلی trinity وجود میں آئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد پہلی trinity کو زوال ہوا تو اُس کے کچھ عرصے بعد برہما، شیوا اور وشنو trinities وجود میں آگئیں اور multiply (بڑھتے) ہوتے ہوئے دیوی اور دیوتاؤں کا ایک ایسا جنگل بن گیا کہ پورے کا پورا دین، پورے کا پورا معاشرہ اسی دیوتائی نظام کی نذر ہوگیا۔

جہاں تک اللہ کہہ رہا تھا وہ کچھ different بات تھی۔ خدا نے فرمایا کہ شروع میں سب مواحد تھے۔ بعد میں انہوں نے بت پرستی شروع کی، خواتین وحضرات! اگر آپ نے یہ جاننا ہو کہ شروع میں سب مواحد تھے کہ نہیں تھے تو آپ کو عمومی تاریخ سے پیچھے جانا پڑے گا۔ آپ کو "علم الاصنام" سے پیچھے جانا پڑے گا۔ علم الاصنام بھی ایک recorded history (محفوظ

شدہ تاریخ) ہے مگر اس history سے بھی پیچھے جانا پڑتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ تمام mythologies (دیومالائی قصوں) کی اساس میں single God (ایک خدا) ہے۔ Greek mythology کے پانچ بڑے دیوتاؤں اور اولمپائی نظام کے پیچھے ایک خدا ہے جسے ہم Chronus (کرونس) کہتے ہیں۔ داستان دلچسپ ہے کہ Chronus نگلتے ہی اپنے بچوں کو کھا جاتا تھا۔ جب Zeus پیدا ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ کر اپنے بہن بھائیوں کے پاس crete (کریٹ) چلا گیا۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی پرستش پہلے ایک fundamental faith (بنیادی عقیدہ) تھی اور وہ اپنے کسی مخالف کو پیدا نہیں ہونے دیتی تھی۔ پھر لوگوں نے center (مرکز) سے ہٹ کر کریٹ کے جزیرے میں اُس خدائے واحد کے نظام کو مسترد کرتے ہوئے دیوتائی نظام حاصل کر لیا اور یہ جتنے بچے پیدا ہوئے، یہ جتنی دیومالائی complications (پیچیدگیاں) پیدا ہوئیں یہ اُس نظام سے ہٹ کر پیدا ہوئیں۔

یہی بات اللہ نے نوحؑ کو کہی، جب ایک دفعہ ساری زمین اہل کفر سے صاف کر دی تو پھر اللہ نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ آج تُو اور تیرے بچے اور یہ کشتیِ نوح کے مسافر خدائے واحد کے پرستار ہیں مگر یہ پھر اسی طرح کی غلطیاں کریں گے، اسی طرح کی حماقتیں کریں گے۔ یہ میری توحید میں شریک لائیں گے اور پھر میں ان پر وہی قانون نافذ کروں گا جو پہلی قوموں پر کیا اور پھر ان پر وہی عذاب و ثواب گذریں گے جیسے میں نے پہلی گستاخ قوموں پر کیے۔

اگر ہم خدا پر اعتبار رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے This is not a practical question. This is an intellectual question. (یہ ایک عملی سوال نہیں ہے یہ ذہانتِ عالیہ کا سوال ہے۔) خدائے واحد مابعد الطبیعاتی reality ہے۔ یہ حقیقتِ کبریٰ ہے۔ یہ creation (تخلیق) نہیں، creator (تخلیق کار) ہے۔ قرآن کتابِ تخلیق ہے اور science کتابِ تحقیق ہے۔ جب آپ تحقیق سے آگے بڑھتے ہو اور تخلیق کار کی بارگاہ میں جانے کی کوشش کرتے ہو تو سب سے پہلا سوال یہ نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے۔ سب سے پہلے تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ میں اُسے تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنی غلامی کی سند خود نہیں لکھنا چاہتا۔ میں ایسے خدا کو کیسے مان سکتا ہوں جو میرے ابتدائی سائنس میں مداخلت کرتا ہے، جو میرے آخری سائنس میں مداخلت کرتا ہے، جو مجھے ہر چیز کے manners (طریقِ کار) سکھاتا ہے، جو مجھے business (کاروبار) کے قواعد سکھاتا ہے۔ "وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا

"الـمِیزَان" (۹:۵۵) جو میرے اعمال کی ایک ایک چھوٹی سے چھوٹی شق میں جاتا ہے کہ جب کسی گھر کے دروازے پر جاؤ تو اندر مت جھانکو۔ اجازت لو اور اجازت نہ ملے تو پلٹ جاؤ۔ میں ایسے خدا کو کہاں لے کر جا سکتا ہوں جو راہ چلتے ہوئے مجھے پیام دیتا ہے کہ اگر کوئی تمہیں دُعا دے تو اُس سے بہتر دُعا دو۔ اگر بہتر نہ دے سکو تو کم از کم برابر کی دو اور پھر مجھے کہتا ہے کہ یہ کیا اصول تم نے اپنا رکھا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے قومِ شعیبؑ کو صرف اسلئے تباہ کیا کہ لیتے ہوئے زیادہ مال لیتے تھے اور دیتے ہوئے کم دیتے تھے۔ جو خدا زندگی کے ہر شعبے میں اتنی گہری مداخلت رکھے It's not a western faith. (یہ مغربی عقیدہ نہیں ہے۔) جو اسلام کا، قرآن کا، مصدقہ ترین version (روائت) کا خدا ہے وہ آپ کے ہر سانس میں مداخلت کرتا ہے۔ آپکی آرزوؤں میں مداخلت کرتا ہے۔ آپکی جستجو میں مداخلت کرتا ہے۔ خواہش و ارادے میں مداخلت کرتا ہے:

"وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ"

(تم نہیں چاہ سکتے اگر میں نہ چاہوں)

اب ایسے خدا سے آپ کیسے مفاہمت کر سکتے ہیں؟ You got one basic question in life to settle. (آپ نے زندگی میں صرف ایک سوال حل کرنا ہے۔) کسے علم کہیں؟ کسے عالم کہیں؟ کسے عقل کہیں؟ کسے عقلمند کہیں؟ آپ کا خیال ہے کہ میں رسل کو عقلمند کہوں گا۔ میں "برگسان" اور "نیطشے" کو عقلمند کہوں گا۔ میں "واٹسن" کو عقلمند کہوں گا؟ جب ان میں سے کسی نے زندگی کے آغاز سے اپنے آپ سے وہ سوال ہی نہیں پوچھا تو میں کسے عقل مند کہوں؟

زندگی کو شروع کرنے سے پہلے اگر آپ نے اس مسئلے کو حل نہیں کیا تو پھر ساری زندگی آپ پگڈنڈیوں پر گھومیں گے۔ آپ کو کبھی رستہ نصیب نہیں ہوگا۔ وہ کون عقل مند ہے جو زندگی گزارنے سے پہلے یہ فیصلہ نہ کرے کہ میں آزاد ہوں کہ غلام ہوں۔ اگر میں کسی خدائے واحد کو مانتا ہوں تو پھر میں غلام ہوں۔ اگر میں خدا کو نہیں مانتا، اگر میں اللہ کو نہیں مانتا تو میں آزاد ہوں۔ میں جو چاہوں کروں۔ میں شراب پیوں گا، اگر خدا نہیں ہے تو پھر میں ہر قسم کی وہ برائی کروں گا جس سے خدا مجھے رات کو روکتا ہے اور اگر وہ ہے تو پھر میں آزاد نہیں ہوں۔ میں نے اپنی تمام تر زندگی اس شعور سے گزارنی ہے کہ کوئی مجھ پر نگران ہے کسی نے مجھے ضابطہ حیات دے رکھا ہے اصول اور conduct دے رکھا ہے اور میں نے اس اصول اور conduct کے مطابق اگر زندگی نہ گزاری تو میرا انجام billions اور trillions (لاکھوں اور کروڑوں) سالوں کی جہنم

ہے۔ خواتین وحضرات! یہ بڑا بُرا سودا ہے۔ ان ساٹھ برسوں کے بدلے یہ بڑا برا سودا ہے۔ Trillion years of galaxial life, good or bad, acceptable or not acceptable. اگر میں ان trillion years of the life (کھربوں سالوں کی زندگی) بلکہ unimaginable (خیال سے ورا) ایک طویل زندگی کا سودا ان ساٹھ سالوں سے کر رہا ہوں تو I'm a very bad businessman. (میں بہت برا دکاندار ہوں) میں بہت بُرا انسان ہوں جو واضح طور پر ایک بہت بڑے سودے کو ignore (نظر انداز) کر رہا ہے، جس کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے کہ وہ اس زندگی مختصر کا سودا بہت بڑی اور طویل زندگی کے عذاب وثواب سے کر رہا ہے۔

یورپ میں اور ہم میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ فرق بھی اللہ ہی کی وجہ سے ہے۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ We live only once. (ہم صرف ایک بار زندگی پاتے ہیں۔) اُن کا خیال یہ ہے کہ جیسے قرآن نے کہا کہ ''جب ہم مر جائیں گے تو بھلا بوسیدہ ہڈیوں میں بھی کبھی جان پڑ سکتی ہے۔'' یہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے! نیٹشے نے خدا پر غور کیا یا نہیں کیا، برگساں نے خدا پر غور کیا یا نہ کیا مگر دونوں ایک چیز پر متفق ہیں لیکن ذرا سے رجحان بدل کر...... ایک کہتا ہے کہ زمانہ ہمیں energy (توانائی) کی شکل میں exhaust (صرف) کر رہا ہے۔ ہم سب energy کی شکلیں ہیں اور زمانہ ہمیں exhaust کر رہا ہے۔ جب ساری shapes ختم ہو جائیں گی تو زمانہ دوبارہ ہمیں تخلیق کرنا شروع کر دے گا۔ (ہو سکتا ہے کہ ارب بارب سال کے بعد اسی سٹاف کالج میں اسی طرح ہم آمنے سامنے بیٹھے ہوں۔ تو کوئی پائندہ نشان کیوں نہ بنایا جائے یہاں تاکہ پھر کبھی آئیں تو پہچان سکیں) اور دوسرا concept یہ ہے کہ ایک فلم ہے جو already بن چکی ہے جیسا کہ برگساں Stream of consciousness (Elan vital) میں کہتا ہے۔ یہ دونوں کے دونوں حضرات، یہ معتبر فلاسفرز زمان ومکاں کو بنیادی، تخلیقی اکائی قرار دیتے ہیں مگر دیکھئے خداوندِ کریم نے قرآن میں کیا فرمایا...... This long before "Bargsaan" was born, long before "Nittshay" was born, long before "Whitehead" and "Russel" was born. (برگساں کے پیدا ہونے سے لمبا عرصہ پہلے، نیٹشے وائٹ ہیڈ اور رسل کے پیدا ہونے سے بھی پہلے، بہت پہلے) اللہ کہتا ہے کہ ''یہ دانشور یہ خیال کرتے ہیں کہ زمانہ ہمیں زندہ رکھتا ہے اور زمانہ ہمیں مارتا

ہے۔ اُن کا علم جو کم ہے۔'' اللہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ جاہل مطلق ہیں، یہ نہیں کہا کہ انہوں نے سوچنے کی کوشش نہیں کی مگر ایک بات بڑی خوبصورتی سے کہی کہ ان کا علم جو کم ہے۔ اگر ان کو زیادہ علم ہوتا تو یہ بہتر بات کرتے۔ جہاں کہیں بھی ربّ کریم کسی کو challenge دیتا ہے (برابری کی بات تو وہ کر نہیں سکتا) مگر جہاں بھی کسی اعلیٰ ترین عقلی محاسبت کی بات کرتا ہے تو یہ ضرور کہتا ہے کہ یہ بے چارے کیا کریں، ان کا علم جو کم ہے۔ خواتین و حضرات! یہ کونسا خدائے مطلق ہے جو بار بار ہم کو، آپ کو علم کی کمی کا طعنہ دیتا ہے۔ ادھر ہم لوگ blind faith (اندھے معتقد) ہیں۔ ہم لوگ blind faith کو بڑا معتبر سمجھتے ہیں۔ بہت سے حضرات کہتے ہیں کہ ہمیں سوچ ووچ سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمیں تو بس یہ پتہ ہے کہ خدا ہے اور ہم نے اُسے مان لیا ہے۔ مگر یہ کوئی faith (یقین) نہیں ہے۔ اگر یہ faith ہوتا تو اللہ اس کی تعریف میں ایک جملہ کہہ دیتا مگر تعریف تو بڑی دور کی بات ہے، وہ تو طعنہ زن ہے۔ اہل کفر پر وہ طعنہ زن ہے کہ اگر تم میں عقل ہوتی، اگر تمہیں شعور ہوتا تو تم آباؤ اجداد کے مسلک پر نہ جاتے۔ وہ اہل کفر کو طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم عقل و شعور اور فہم و تدبر سے کام لیتے تو تم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر نہ جاتے بلکہ تم غور و فکر کرتے کیونکہ ربّ کائنات کی بے شمار نشانیاں ہیں، آیاتِ الٰہی ہیں، علامات ہیں۔ تم ان میں سے کسی نہ کسی طریقے سے اپنے اللہ کو پہچان لیتے۔ میں ایک سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں کہ کیا خدا اتنا انصاف ہے کہ جو طعنہ وہ اہلِ کفر کو دے رہا ہے وہ آپ کو نہیں دے گا کہ

؎ میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد

اے قومِ مسلم! اے! کہ ہم اور آپ تمام اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم ہیں۔ اس کی خدا کے نزدیک کیا value (قدر) ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے کبھی توحید پر غور نہیں کیا، کبھی ایمان پر غور نہیں کیا سوائے اس کے کہ میراث میں ہمیں اللہ مل گیا۔ ہم نے اللہ کو دیکھا سنا بالکل کوئی نہیں ہم نے اُسے اپنی زندگی میں داخل نہیں کیا۔ ہمارے پاس ایک ایسا اللہ ہے جو نہ ہمیں زنا سے روکتا ہے، نہ ہمیں چوری سے روکتا ہے، نہ ہمیں جھوٹ بولنے سے روکتا ہے، نہ رشوت سے روکتا ہے، ہمیں کسی کام سے یہ اللہ نہیں روکتا۔ یہ میراث میں آیا ہوا اللہ...... اس کا کوئی effect (اثر) ہماری practical (عملی) زندگی میں نہیں ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ ہاں ایک advantage ضرور ہو سکتا تھا۔ ایک advantage (فائدہ) اس اللہ کیلئے ضرور ہو سکتا تھا کہ جب ہمارا دین مشرکانہ ہو تو خدائے واحد کی طرف آتے ہوئے ہمیں دشواری ہوتی...... اگر ہم

denial (انکار) کے فلسفے پر ہوں تو accept (تسلیم) کرنا ہماری ضد اور انا کا مسئلہ بن جاتا۔ ایک آسانی بحیثیت مسلمان کے آپ کو نصیب تھی کہ آپ کو خدا کے تصور سے پہلے سے آشنائی تھی اور آپ allergic نہیں تھے۔ جیسے اب لوگ allergic ہیں پہلے لوگ allergic نہیں تھے۔ تو پھر اس advantage (فائدہ) کو آپ کو غور و فکر کیلئے استعمال کرنا چاہیے تھا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا اور جب آپ کو خدا ملا یا اللہ کا تصور ملا تو آپ نے اُسے جزدان میں سمیٹ خوبصورت خوشبوئیں لگائیں اور طاقچوں میں رکھ دیا...... بالکل ان مزاروں کی طرح جن کی چادریں چوم کر آپ کی زندگی کو سکون مل جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کو اور اس کی تعلیمات کو آپ نے اتنی دور رکھ دیا کہ وہ آپ کی زندگی میں کوئی حصہ نہیں رکھتا۔

کوئی ایسا thesis (نظریہ) زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا جو زمان و مکاں کی پرکھ پر پورا نہ اُترے۔ اگر آپ نے اللہ کے بارے میں سوچا نہیں، اگر آپ نے یقین و اعتقاد کے بارے میں نہیں سوچا، اگر خدائے واحد کے بارے میں آپ کا غور و فکر نہیں ہے تو آپ کبھی بھی "برأتِ عاشقاں" نہیں پا سکتے۔ You will never reach the God.

"لَن تَنَالُو ا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّو نَ "(۳: ۹۲)

تم کبھی بھی مجھے نہیں حاصل کر سکتے۔ تم میری برأت حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ میری راہ میں محبتیں قربان نہ کرو۔ جب تک کہ میرے لیے اثاثے نہ دو۔

دیکھئے! عجیب سی بات ہے خداوندِ کریم نے جب ایمان بالغیب ذکر کیے تو اس کے مظاہر کیا رکھے:

"وَالَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقنٰهُم يُنفِقُونَ"(۲: ۳)

(وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

کہ جس کو غیب پر یا جس کو غیب میں موجود اللہ کا خیال ہے وہ ظاہر میں دو باتیں ضرور کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ نماز پڑھتا ہے۔ ایسا کوئی بھی انسان باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھ سکتا جس کو غیب میں اللہ پر یقین نہ ہو اور دوسری بات یہ کہ وہ خرچ کرتا ہے۔ آپ خود سوچو کہ یہ ایمان بالغیب کونسا پہلو ہے۔ مگر اگر آپ تھوڑی سی وضاحت سے سوچو تو آپ اس بات پر حیران ہو جاؤ گے کہ وجودِ غیب پر ایمان بڑا ضروری ہے اس لئے کہ خرچتا وہ ہے جسے یہ یقین ہے کہ کوئی غیب میں ایسی ہستی موجود ہے جو میرے خرچ کا مجھے معاوضہ دے گی۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ میں جو راہِ خدا میں خرچتا ہوں، جو

مال میں لگا رہا ہوں، کوئی ہستی موجود ہے، اللہ موجود ہے اور وہ یقیناً میرے نقصان کا ازالہ کرے گا اور خداوندِ کریم نے اس خرچنے کے aspect (پہلو) کو بھی ایمان بالغیب کا حصہ قرار دیا ہے۔ Which you don't be practical. (جو آپ عملی طور پر نہیں ہو) اور جو جتنا بڑا بخیل ہوگا اتنا ہی وہ اللہ سے دور ہوگا کیونکہ بخیل کو یقین نہیں ہے کہ میں جو خرچوں گا وہ پورا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کو یہ یقین نہیں ہے تو اُسے اللہ پر ایمان بالغیب بھی نہیں ہے۔ جسے اللہ پر یقین ہے اُسے اللہ کی باتوں پر بھی یقین ہے۔ "مَنْ ذَالَّذِی یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً" (البقرہ ۲: ۲۴۵) خدا کہتا ہے کہ جو مجھے قرض دیتا ہے جو میرے نام پر خرچتا ہے میں اضافہ کر کے اُسے لوٹا دیتا ہوں۔ We don't believe, so we don't spend. (ہمیں یقین نہیں ہے اس لئے ہم خرچتے نہیں ہیں۔) یعنی زندگی کے دو بڑے aspects ہیں ایک عبادات کا اور دوسرا خرچ و اخراجات کا اور اگر خدائے واحد پر یقین نہ ہو تو انسان ان دونوں پر عمل نہیں کر سکتا۔ دیکھئے! جب عرب میں عبادات ہوتی تھیں تو ایک عجیب سا concept (تصور) تھا۔ وہ عجیب سا concept اب بھی ہمارے اندر موجود ہے کہ ایک بے چارہ خدا کیا کیا کام کرتا ہوگا۔ How long can he do? ایک خدا ......! کہ اتنے سارے دنیا کے بکھرے ہوئے کام ہیں۔ وہ سارے کام اکیلا کیسے سرانجام دے گا۔ اہلِ کفرِ مکہ جو تھے وہ اللہ کے نام سے پہلے بھی آشنا تھے۔ اُنکے پاس "اللہ" نام موجود تھا۔ وہ خدائے واحد کا نام تھا۔ آخر وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے خدائے واحد سے آشنا تھے۔ اُن کا اصرار یہ تھا کہ ایک خدا سارے کام کیسے کر لیتا ہے اس لئے انہوں نے خدا کی تین بیٹیاں بنائیں۔ لات، منات اور عزیٰ......! اور یہ تین بیٹیاں خدا کے مختلف کام نپٹانے کے لئے تھیں۔

> "شرک یا خدائی میں شریک کرنا بنیادی طور پر اس کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ خدائے واحد سے اپنے تعلق کو بہت مشکل سمجھتے ہوئے بیچ میں ایسے رابطے پیدا کرتے ہیں جو اسی dignity (مرتبے) کے حامل ہوں جس کا خدا حامل ہے۔"

وہ اس کے گروہ، اس کی برادری، اس کے اشکال ایسے پیدا کرتے ہیں جو توحید پر براہِ راست ضرب مارتی ہے اور اس کی بنیادی وجہ انسان کا یہ concept ہے کہ ایک خدا آخر اتنی بڑی کائنات کا کیسے احاطہ کرتا ہے۔ جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ انسان کی سب سے بڑی

غلطی یہ ہے کہ وہ خدا پر اپنے angle (زاویے) سے غور کرتا ہے۔ اپنی limitations (حدود) سے غور کرتا ہے، اپنی محدود ذہانتوں سے غور کرتا ہے۔ کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا کہ اللہ کتنا بڑا ہے اور اس کا وجودِ عالی کتنا مکرم و معتبر اور معزز ہے۔ چونکہ ہم خدا کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے اسلیے ہمیں خدا سے ایک اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ Does God feel the same? I don't think so. (کیا خدا بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہے؟ میں ایسا نہیں سمجھتا۔) بلکہ اگر ہم اللہ کی طرف سے دیکھیں تو بہت ساری مخلوقات زمین و آسمان میں سے، ملائکہ، جنات ہر قسم کے شیاطین جو بھی اُس نے پیدا کیے تجرباتی ادوار سے گذرتے ہوئے کائنات میں اُس نے سب کو محدود intelligence (ذہانت) سے نوازا۔ کسی کو ایک کام کیلئے memory دی اور کسی کو دوسرے کام کیلئے ----- But he was looking for something very very different. (لیکن وہ کوئی بہت ہی انوکھی چیز ڈھونڈ رہا تھا۔) کسی نے سید ہجویرؒ سے پوچھا کہ اللہ ظاہر کیوں نہ ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ ظاہر ہو جاتا تو ایمان جبر ہو جاتا۔ پھر آپ اُس سے انکار نہ کر سکتے۔ مگر اگر جبر ہو جاتا تو پھر بھی آپ گناہ کرتے، گستاخیاں کرتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آدم سے خطا ہوئی۔ ہمیں معلوم ہے کہ شیطان نے حکم خداوند سے انکار کیا۔ اگر ایسی صورتحال پیدا ہوتی تو نسلِ انسان کی بقاء کیلئے کوئی حجت نہ رہتی اس لیے خدا نے کرم فرمایا۔ یہ اُس کی رحمتِ کبیر کا ایک حصہ تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو اوجھل کر دیا۔ خواتین و حضرات! سوال یہ ہے کہ کیا پھر اللہ نے اپنے حقیقی وجود یا موجودگی کیلئے کوئی ثبوت چھوڑا۔ There are two aspects which we can discuss. (یہ دو پہلو ہیں جن پر ہم بحث کر سکتے ہیں۔) ایک وجودِ خداوند ----- اور دوسرا موجودگیِ خداوند -----

ہم جو اپنے گلی اور محلے کے لوگوں کو پورا نہیں جانتے With the best of installations, with Huble in the skies and with the best instruments of sensitivity which we have created in sciences we are not yet able to understand things around us. (بہترین آلات کے ساتھ آسمانوں میں اور جدید سائنسی حساس ترین آلات کے ساتھ بھی ہم اپنے اردگرد کی چیزوں کو جاننے کے قابل نہیں ہیں۔) ہم میں اپنے سماجی شعور مکمل

نہیں، اخلاقی شعور مکمل نہیں، آپ اندازہ کیجئے کہ زندگی کبھی اتنی غیر محفوظ نہیں تھی جتنی آج ہے۔ اس ترقی اور تمدن کے باوجود، اس دعویٰ، عزت کے باوجود جس کی وجہ سے انسان پچھلے زمانوں پر تفاخر محسوس کرتا ہے، زندگی کبھی بھی اتنی غیر محفوظ نہیں تھی جتنی آج ہے۔ اتنا بڑا risk (خطرہ) زندگی، انسان کو پہلے کبھی نصیب نہیں تھا اور آج جب کہ طبعی ہلاکت کے بے پناہ سامان موجود ہیں۔ We can finish ourselves any time. (ہم اپنے آپ کو کسی بھی وقت ختم کر سکتے ہیں۔)

قرآن کی آیت ہے کہ: اگر یہ دوبارہ ایسا کریں گے تو ہم زمین پر ان کے ہاتھوں سے ان کو سزا دیں گے (مائدہ: ۱۱۵) اور وہ وقت یقیناً اتنا قریب نظر آ رہا ہے کہ اس حقیقت سے کوئی انکار ممکن نہیں ہے۔ اپنی اصطلاحات، اپنی دانشوری اور عقل کے باوجود ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم احاطہ وجودِ خداوند کریں اور پھر اگر ایک شخص یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں خدا کے بارے میں کچھ جانتا ہوں تو کم سے کم اُس کو اُن چھ بلین لوگوں کے مختلف احساسات وخیالات کا بھی جائزہ لینا ہوگا جو ہر فردِ واحد خدا کے بارے میں رکھتا ہے۔ تب کہیں جا کر اللہ کے وجود کے بارے میں ایک معمولی سی miss judgement (غیر حتمی رائے) create ہوگی مگر دوسرا طریقہ بڑا واضح ہے۔ اگر ہم وجودِ خداوند سے شناسائی نہیں رکھتے تو کم از کم اسکی موجودگی ہم ضرور پرکھ سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کوئی romantic reason (خیالی وجہ) دیں۔ ہمارے پاس ایک perfect scientific reason (مکمل سائنسی وجہ) موجود ہے جسکو کوئی شخص کسی بھی وقت چیک کر کے خدا کے وجود اور موجودگی کے بارے میں discuss (بحث) کر سکتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جو سب سے بڑے اعتراضات اللہ کے وجود کے بارے میں آئے وہ پانچ تھے۔ اُن میں سے کچھ قابلِ غور تھے اور کچھ قطعاً قابل غور نہیں تھے۔ Anthropologists (ماہرین علم الانسان) نے کہا:

There is no God and if there had been no God man would have created one.

چونکہ خدا ضرورتِ انسان تھا اسلیئے اگر خدا نہیں ہے اور نہ بھی ہوتا تو انسان اپنے لئے خدا کو ضرور تخلیق کر لیتا، کیونکہ کسی بڑی سی super concept (اعلیٰ ترین ہستی) کے خوف کے بغیر society کسی قیمت پر چلتی نہ تھی اسلیئے معاشروں کو خدا کے تصور کو تخلیق کرنا پڑتا کہ کسی نہ کسی

مافوق الفطرت کا خوف، کوئی taboo یا کوئی totem انسانوں کو قابو میں رکھے اور پھر اُن کو قانون کے مطابق کام کرنے پر مجبور کرے۔ communists (کمیونسٹ) نے کہا: religion is opium (مذہب تو افیون ہے) یہ تو غریب لوگوں کی تسکین کیلئے امراء نے ان کو ایک "پاکھنڈ" دیا ہوا ہے تا کہ یہ بغاوت پر آمادہ نہ ہوں تا کہ thesis (نظریہ) کے الٹ Anti thesis (ردِ نظریہ) نہ پیدا ہو جائیں۔ غلام اور آقا کی آپس میں جنگ نہ ہو۔ پھر semantics (ماہرینِ لسان) والوں نے کہا کہ خدا ایک لفظ ہے۔ اس لفظ کا کوئی وجود نہیں۔ پیاز کے چھلکے ہیں، اتارتے جاؤ، آخر میں خلا رہ جائے گا۔ آپ رحمان و رحیم کو چھوڑو بہت بڑے الفاظ جو صبح و شام آپ بولتے رہتے ہو ان کو چھوڑو۔ اگر ان کی جستجو کرو گے تو خالی سی شے نکلے گی۔ ہم نے خود ہی ایک تصور کو بڑی طاقت بخشی ہوئی ہے ورنہ خدا ہے ہی نہیں۔ مگر سب سے معتبر اعتراض logical positivists نے دیا۔ منطقی استدلال والوں نے کہا کہ ہمارے ذہن میں ہر چیز کا ایک logical construct (منطقی خاکہ) ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ یہ میز ہے میرے ذہن میں میز کا ایک construct ہے۔ اس قسم کے میز ہر جگہ نہیں ہوتے مگر میز دو ٹانگوں والا ہو، ایک ٹانگ والا ہو یا دس ٹانگوں والا ہو جب بھی میں کوئی ایسی چیز دیکھوں گا جو اس سے مشابہ ہوگی تو میں اسے میز کہوں گا کیونکہ میرے دماغ میں ایک logical construct موجود ہے، ایک جزوِ منطق موجود ہے کہ اس قسم کی چیز کو ہم میز کہیں اور خدا کے بارے میں کوئی logical construct موجود نہیں۔ قطعاً نہیں، ہاتھی کتنا بڑا ہے مگر جس اندھے نے زندگی بھر نہیں دیکھا آپ اُسے ہزار convince (قائل) کرو اُسے کوئی پتہ نہیں کہ ہاتھی کیا ہے۔ logical positivists یہ کہتے تھے کہ خدا کا کوئی data (اعداد و شمار) زمین پر موجود نہیں ہے اسلئے خدا کوئی نہیں ہے۔ It's a nonsense. (یہ خدا بے عقلی کی بات ہے۔) یہاں جملہ لوگ غلط بیانی کر رہے تھے اسلئے کہ انہوں نے خدا کو کبھی تلاش نہیں کیا تھا، کبھی ڈھونڈا نہیں تھا کبھی اُس کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہوئے تھے اسلئے جملہ لوگ ایک غلطی کر رہے تھے خدا کا بہت بڑا data زمین پر موجود تھا۔ جس کو خدا claim (دعویٰ) کر رہا تھا۔ اگر خدا یہ claim کرے کہ یہ چیز میری ہے پھر ہم اُس چیز میں سے نقص نکال دیں تو پھر کم از کم خدا کی fallibility یا اُس کی غلطی تو ہمارے سامنے آ جائے گی اور یہ یاد رکھئے کہ انسان ہزار غلطی کرے تو اُس کی انسانیت ختم نہیں ہوتی وہ انسان ہی رہتا ہے مگر خدا ایک بھی غلطی کرے تو خدا نہیں رہتا، سو جب اللہ یہ claim کر

رہا ہے کہ دیکھو ساری کتابوں میں سے میں کسی کو own نہیں کر رہا۔ میں تورات نہیں own کر رہا یہ کتاب میری تھی مگر میں اب اسکے پیچھے نہیں ہوں۔ میں اسکی قبولیت نہیں دیکھ رہا۔ یہ mistrust (بے یقین) ہو چکی ہے۔ اسکے facts ' corrupt (حقائق مسخ) ہو چکے ہیں۔ I am not being presented by this book so i wouldn't say. (اب میں اس کتاب سے ظاہر نہیں ہوں گا اس لئے اب میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ مجھ پر arguement (دلیل) دیتے ہوئے اس کتاب کو consult (رجوع) کرو۔ یہی تورات، تالمود، انجیل، صحف ابراہیم و موسیٰ کا حال تھا مگر ایک کتاب ایسی ہے جو میری ہے اور میں اسکی پوری پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔ اس کا ایک ایک لفظ میرا ہے اور نہ صرف میرا ہے بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ قیامت تک اس کی حفاظت رہے گی۔ یہ میرے بارے میں غیر متغیر، مستند اور معتبر ترین data ہے۔

”اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُون“ (۱۵:۹)

(ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم اسکی حفاظت کر رہے ہیں۔)

اگر ہم پر حجت چاہیئے تو پھر اس کتاب کو سند بنا لو۔ قرآن سے کچھ غلط کر لو۔ قرآن کی کسی بات کو جھٹلا لو، کسی fact کو جھٹلا لو۔ کسی انداز کو جھٹلا لو تو تمہیں خدا سے نجات مل جائے گی خواتین و حضرات یہ عجیب و غریب کتاب ہے جس کی پہلی آیت کا دعویٰ یہی ہے کہ

”الٓمّٓ o ذٰلِکَ الکِتَابُ لَا رَیبَ فِیہِ“ (۲:۲)

یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ بے شک تو نکال لو۔ یہ کتاب ابتداء ہی میں ہر سوچنے سمجھنے والے کو ایک چیلنج دیتی ہے۔ دیکھئے آگے خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ

”ذٰلِکَ بِاَنَّ اللہَ نَزَّلَ الکِتَابَ بِالحَقِّ“ (۲:۱۷۶)

(اس کتاب کو ہم نے سچائی سے اتارا ہے)

مگر شروع میں یہ نہیں کہا، شروع میں یہ کہا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو تمہارے تجسس، تمہارے تفکر، تمہارے انداز، seminars سارے مل کر بھی غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ اے جہلائے زمین اور اے فضلائے وقت! آؤ اور مل کر اس کتاب پر غور کرو اور اس میں سے کوئی، شک کی بات نکال دو...... اور یہ تمہیں میں کہہ رہا ہوں۔ میں خدائے واحد یہ کہہ رہا ہوں۔ میں جو تمہارا اللہ ہوں، یہ کہہ رہا ہوں کہ: ”الٓمّٓ o ذٰلِکَ الکِتَابُ لَا رَیبَ فِیہِ“ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر ہم

اسے پرکھیں گے کیسے......؟ فرض کرو اللہ کہتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ میں کہتا ہوں: "نہیں پڑھتا۔" تو پھر اس سے judgement (پرکھ) کیسے ہو سکتی ہے کہ یہ کتاب صحیح ہے یا غلط ہے۔
اس کتاب میں بے شمار احکامات ہیں:

"یَسئَلُونَکَ مَاذَا یُنفِقُونَ" (۲:۲۱۵)

(تم سے پوچھتے ہیں کہ خرچ کیا کریں)

"قُلِ العَفوَ" (کہہ دو کہ جو ضرورت سے بچے خرچ کرو) چلو ضرورت میں بھی اگر تھوڑا آسائش کے لیے رکھنا چاہو تو وہ بھی رکھ لو پھر خرچ کرو۔ یہ نہ ہو کہ ایک صدی کے تحفظات لے کر پھر خرچ کرنا شروع کر دو۔ اگر یہ بھی کرنا ہے تو کر لو...... پھر اس کے بعد ہزارہا سوالات ایسے پوچھے جاتے ہیں جو اعمال کے ہیں جو conduct پر ہیں جن سے خدا کی judgement نہیں ہوتی مگر اسی کتاب میں ہزارہا ایسی آیات ہیں جو سکہ بند سائنسی حقائق پر ہیں اور وہ حقائق جو ابھی تک ثابت نہیں ہوئے۔ ایسے حقائق اس کتاب میں موجود ہیں کہ جملہ سائنسدان، جملہ ترقی یافتہ تہذیبوں کے انسان اگر چاہیں تو اس کتاب کو judge (پرکھ) کر سکتے ہیں۔ صرف دو آیات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ بے شمار آیات ہیں مگر ہمارا دستورِ عمل یہ ہونا چاہیے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ آزاد لوگ ہیں تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ قرآن اور خدا سے آزادی حاصل کرتے If you want to live your own life, the way you want to live your life you must get rid of God first. اور اگر نہیں ہے تو پھر آپ کو دوبارہ سوچنا ہوگا کہ جس خدا سے کسی قیمت پر نجات نہیں ہے تو پھر اس کی تعمیلِ ارشاد کے سوا آپ کیا کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایک عقلی مجبوری ہے۔ ذہانت کی commitment ہے۔ اللہ نے فرمایا:

"اَوَلَم یَرَ الَّذِینَ کَفَرُوا"......

How dare you deny me. ذرا انداز دیکھیے...... کہ تمہیں جرأت کیسے ہوئی۔ تمہیں خیال کیسے ہوا کہ تم ربِ کائنات کے انکار کی مجال رکھتے ہو۔ In the beginning heavens and earth were one mass. یہ تمام کائنات ایک وجودِ مطلق تھا پھر ہم نے اسے پھاڑ کے ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا This was the origin of universe (یہ کائنات کا آغاز تھا)

"وَجَعَلنَا مِنَ المَآءِ کُلَّ شَیءٍ حَیٍّ" (۲۱:۳۰)

And we created all life out of water.

(اور ہم نے تمام زندگی کو پانی سے پیدا کیا ہے)

خواتین و حضرات! یہ عبادتی علم تو نہیں ہے۔ یہ Scientific (سائنسی حقائق) facts ہیں۔ پندرہ سو برس پہلے کوئی لیبارٹری تو نہیں تھی۔ کوئی مجنوں تو تھا نہیں ...... یہ کسی Psychopath (ذہنی مریض) کے لفظ تو نہیں تھا ...... یہ خدا نے ایک بات کہی تھی اور اس نے آپ کو ایک آزادی دے دی کہ زمانہ آخر تک Check کرو سوچو سمجھو، کیا سوچنے اور اسے جاننے کے لئے یہ دو آیات ہی کافی نہیں تھیں۔

اس کتاب میں اُسنے سماجی قانون دیئے، Social قانون دیئے۔ ذرا Anthropologist سے پوچھ کر بتایئے کہ بھائی! زندگی کیسے بچی ......؟

"ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب ، لعلکم تتقون" (۲:۱۷۹)

اے اہل عقل! اگر تم غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھی ہے۔ اگر شروع سے انسان، انسانوں کو اسی طرح قتل کرتے رہتے اور وہ ایک آدمی کے بدلے ایک قبیلہ قتل کر دیتے تو تم یہاں اکیسویں صدی تک چھ ارب ہو کر نہ پہنچتے۔ ہم نے پھر اصول دیا۔ ہم نے قصاص زندگی کا قانون دیا کہ دیکھو قتل میں زیادتی نہ کرو جس نے ایک دانت نکالا ہے اس کا ایک دانت نکالو۔ جس کا کان کاٹا ہے وہ کان کٹوائے۔ جس نے مکہ مارا ہے وہ ایک مکہ کھائے۔ جس نے جان لی ہے وہ جان لے مگر اس سے زیادہ زیادتی نہ کرو کیونکہ اس سے زیادہ اگر آگے بڑھو گے تو پھر تمھارا معاشرہ، تمھاری زندگی، تمھارا کردار حیات تمام تباہ ہو جائے گا اور تم ایک صدی سے دوسری صدی تک جانے کے قابل نہیں رہو گے پھر عجیب سی بات فرمائی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ مدتوں بعد وہ بات آئن سٹائن کو سمجھ آ گئی مگر ہمارے کسی مسلمان عالم نے جستجو ہی نہیں کی۔ نہ کسی کتاب حقیقت میں اسے لکھا کہ باقی باتیں تو درست ہیں مگر ہمارا اللہ تو فرما رہا ہے کہ:

"وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ"

(ہم نے آسمان کو اپنے زور بازو سے بنایا ہے)

ہم بنانے والے ہیں ہم میں طاقت ہے اسے بنانے کی۔

"وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" (۵۱:۴۷)

(اور ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں)

پندرہ سو برس پہلے پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے ارد گرد جو کائنات بنائی ہے ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں۔ یہ سائنس کی وہ باتیں ہیں جو پہلے سے درج تھیں اور ایسی بے شمار باتیں اور بھی ہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسانوں کا علم، ان کی Sciences اتنی ترقی کر چکی ہیں کہ حرف خدا تمام ہو چکا ہے یا ہمیں یہ طعنہ دیا جائے کہ ادھر سائنس کی دریافت ہوتی ہے اُدھر قرآن سے تم آیتیں نکال لیتے ہو۔ یہ کہاں کے اصول ہیں کہ ادھر Science نکلی اُدھر مسلمانوں نے زورا زوری کر کے قرآن کی آیت اس پر تھوپ دی۔ مگر ابھی تو قرآن پورا ہی نہیں ہوا، ابھی تو اللہ ہی کی باتیں پوری نہیں ہوئیں اور خداوند کریم کے علم کی مثال...... یہاں چھوٹے سے جملہ میں آپ کو ضرور سنا دوں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس کائنات میں زمین کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی بہت بڑے جنگل میں ایک چھلا پھینک دو اور پھر اُسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ اب ذرا دیکھئے کہ James Jeans کیا کہتے ہیں۔ مثالوں کا تطابق آپ دیکھئے گا، بڑی دور کی بات ہے کہ اللہ تو اللہ ہے مگر اس کا رسول بھی علم میں بے پناہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جو source (سرچشمہ) ہے اُسی نے یہ علم اسے ٹرانسفر کیا ہے...... James Jeans کہتا ہے کہ یہ ساری کائنات اور سارے دنیا کے صحرا اگر اکٹھے ہو جائیں تو پھر ہماری زمین صحرا کے ایک ذرّے کی طرح ہے۔ اگر آپ تطابقت دیکھیں تو جیسے خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر سارا گھنا جنگل ہو جائے اور اس میں ایک چھلا پھینک دیا جائے تو وہ چھلا کبھی بھی آپ کو نہیں ملے گا یعنی اس مثال میں ایک بہت بڑے سائنسدان کی تمثیل اور ایک پیغمبر عظیم کی تماثیل ایک جیسی ہیں مگر خداوندِ کریم ان تماثیل میں بڑے exactitude (درست) سے کام لیتا ہے۔ اُس کو معلوم ہے کہ قرآن واحد کتاب ہے کہ جس کی language کے pattern (انداز) ہر زمانے میں ایک جیسے ہیں۔ سولہویں صدی میں جیفری چوسر (Jeffery Chaucer) ماڈرن انگریزی کا بانی سمجھا جاتا تھا۔ مگر چوسر کی انگریزی اور آج کی انگریزی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ چار سو برسوں میں زبان کی transformation (تبدیلیِ صورت) کتنی بدل جاتی ہے۔ کیا قرآن بھی اتنا changeable (قابلِ تغیر) ہے؟ کیا پندرہ سو برس کے زمانی و مکانی فاصلوں کے بعد آج بھی ایک بچے کو، بڑے کو، بوڑھے کو قرآن ایسے ہی لگتا ہے جیسے "جیفری چوسر" کی language آج ہمیں لگتی ہے؟ یہ کبھی نہیں ہوا۔ یہ الہیاتی زبان ہے۔ خدا کہتا ہے کہ تمام زمان و مکان کے جائزے لے کر ہم نے ایک ایسی زبان میں اسے لکھا جو قابلِ تغیر

نہ تھی ہم نے اسکی ایک ایک آیت کو پرکھ لیا۔ یہ کسی زمانے میں ناقابل فہم نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ قدیم ادب وعلم کا کوئی شخص خصوصاً اگر اسی علم وادب کی شاخ کو جائے، اس میں post graduation کرے تو پھر اُسے "چوسر" کی سمجھ آجائے گی کہ یہ کیا ہے مگر یہ قانون قرآن پر لاگو نہیں ہوتا۔ قانون میں نوزائیدہ بچہ چار چھ سال کے بعد سب سے پہلے جس کتاب پر گرفت حاصل کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ قرآن ہے۔ "کیا سہل کی ہم نے زبان......!" کیا اللہ نے فرمایا نہیں کہ ہم نے اس زبان کو، اس کتاب کو، اس کے خیالات کو سہل کردیا۔ یہ وہ خدائے حکیم ہے جو مستقبل کی خبر دیتے ہوئے کہتا ہے...... دیکھئے ایک چھوٹی سی آیت ہے مگر اگر انسان غور کرے تو سمجھ آتی ہے اور نہ غور کرو تو نہیں سمجھ آتی۔ جب آپ کائنات کی بات کرتے ہیں تو آپکو یہ سمجھ نہیں آتا کہ کائنات سے اللہ کی مراد کیا ہے مگر دیکھئے تو کسی جو بظاہر اس بڑی عظمت سے issue ہوتا ہے وہ اشارہ بڑا معمولی سا ہے فرمایا:

"اِنَّ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنیَا بِمَصَابِیحَ" (۶۷:۵)

(ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے۔)

جب آپ آنکھیں اٹھا کے پوری کائنات کو دیکھو تو وہ آپ کے vision میں ہوتی ہے۔ جہاں جہاں نظر جائے وہاں وہاں آسمانِ دنیا ہے۔ اگر آپ scientific (سائنسی) اصطلاح میں جائیں تو خدا پوری کائنات کی بات کرتا ہے۔ وہ صرف ایک constellation کی بات نہیں کرتا۔ صرف ایک چھوٹی سی galaxy کی بات نہیں کرتا بلکہ

"اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الاَرضِ مِثلَهُنَّ" (۶۵:۱۲)

اللہ تو وہ ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کیں اور اسی کی طرح کی سات زمینیں اور وہ زمینیں مردہ (dead) نہیں ہیں۔ ہم تو بڑے خود پسند لوگ ہیں۔ ہماری عورتیں خود پسندی کا شکار ہیں۔ ہمارا intellectual خود پسندی کا شکار ہے۔ جو پوری انسانی محکم شخصیت ہے وہ خود پسندی کا شکار ہے اور بدترین خود پسندی یہ ہے کہ ہم زمین پر اپنے آپ کو واحد سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ ایک زمین بنا کر تھک گیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ We are the only life belt in this universe ہمیں اردگرد جب زندگی کے آثار نظر نہیں آتے تو ہم اس تفاخر کا اور اس نرگسیت کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اے خدائے واحد ہم بڑے نازاں ہیں کہ تو نے صرف ہمیں پیدا کیا ہے اور پھر اپنے تخلیقی process کو اتنے خوبصورت لوگ پیدا کر کے بند کر دیا ہے۔ ان خوبصورت چھ بلین

میں سے پانچ بلین اللہ سے بالکل گریزاں ہیں مگر خداوند کریم کیلئے judgement اور جانچ پرکھ کا ایک scientific طریقہ ہے۔

"اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الاَرضِ مِثلَھُنَّ "(۶۵ : ۱۲)

ازل سے سات زمینوں کے دوائر جاری ہیں، تو کیا یہ زمینیں خالی ہیں؟ کیا صرف ہماری life belt زندہ ہے اور باقی بنجر ہیں؟ نہیں ......

"وَیَتَنَزَّلُ الامرُ بَینَھُنَّ "

(ان ساری زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے)

" لِتَعلَمُوآ اَنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیر ......"

(تاکہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کتنا بڑا اور کتنی قدرت والا ہے۔)

We can't imagine, We just can't imagine. (ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، بالکل نہیں کر سکتے) ہماری imaginations (تصورات) کو ان علمائے دین نے محدود کیا ہے کہ جو کنویں میں مینڈک کی طرح ہیں۔ آپ اندازہ کرو کہ ہمارا جنت کا کیا تصور ہے، ہمارا دوزخ کا کیا تصور ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تین باغ ہیں جنت کے اوپر کھڑے، ان کی limitations (حدود) ہیں مگر خدا سے تو پوچھ کر دیکھو کہ جنت ہے کیا؟ وہ کہتا ہے کہ تمہیں ایک ایسی جنت کو بھیجا جائے گا کہ:

"عَرضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالاَرض"(۳:۱۳۳)

جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی لمبائی کے برابر ہے، صرف ایک کائنات کو آپ نے ابھی پوری طرح نہیں دیکھا۔ اُس کا قریب ترین یا دور ترین یا اسکے border سے قریب ترین ستارہ جو اس وقت ہمیں نظر آرہا ہے وہ پندرہ کھرب نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ fifteen trillion light years آپ اندازہ کرو کہ وہ جنت کتنی بڑی ہوگی۔ اللہ نے وہ جنت کتنی بڑی بنائی ہوگی جس کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ اتنی بڑی جنت کا تصور ایک مسجد کا ملا کیسے کر سکتا ہے؟ How would he do it? اُس کے آنے جانے کیلئے کوئی بگھیاں گھوڑے تو نہیں ہونگے۔ ظاہر ہے کہ کوئی براقی طریقہ ہوگا۔ کوئی conversion (تغیر) ہوگی، کوئی اور ذرائع ہوتے ہونگے ایک گھر سے دوسرے گھر جانے کیلئے۔ جنت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک گھر سے دوسرے گھر کا فاصلہ پانچ سو برس کا

ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کا نبی ﷺ time کے scale (پیمانے) میں بات کرتا ہے۔ یعنی اُس scale میں جہاں سائنسدان بات کرتے ہیں وہ light year (نوری سالوں) میں بات کرتے ہیں۔

He is not talking in miles, He is talking in time scale that one house from the other house is five hundred light years away. پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! "وہاں سفر کیسے ہوگا"۔ فرمایا: "براق ہے"...... اسی طریقے کے کوئی electronic (برقیاتی) ذرائع ہونگے یا کوئی conversion کے ذرائع ہونگے۔ اگر زمین پر بھی conversion کا ایک process ہوا تھا کہ ملکہ بلقیس کا "تختِ سبا" fusion (آمیزش) اور diffusion (پھیلاؤ) کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گیا تھا تو ظاہر ہے کہ جنت میں معقول ترین ذریعہ مواصلات بھی یہی ہوگا۔ fusion ہوگا اور diffusion ہوگا اور آنِ واحد میں ایک گھر سے آپ دوسرے گھر کو پہنچ جائیں گے اس کے علاوہ تو پھر جنت cover (طے) ہی نہیں ہو سکتی۔ حضراتِ گرامی! اتنے بڑے خدا کا مقابل ڈھونڈنا یا اتنے بڑے خدا کے اقتدار میں ساجھی بنانا کیا عقل و ہوش کا شیوہ ہے؟ اتنے بڑے پروردگارِ عالم کے بارے میں سوچتے ہوئے ہماری imaginations (قوتِ خیال) محدود ہو جاتی ہیں۔ اس کی high limits تک پہنچنا ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔

اسکا تمام جبر انسانوں کی بہتری کیلئے ہے۔ ہم اُسے مطلق خدا سمجھتے ہیں مگر مجھے حیرانی ہے اُس خدا پر کہ اتنی بڑی طاقت اور عروج...... ناقابلِ بیان سرحدوں سے گزرتا ہوا اُس کا جاہ و جلال اور دیکھو زمین پر اپنا نشان کتنا سادہ بناتا ہے۔ کیا یہ سبق نہیں ہے اقتدارِ اعلیٰ کیلئے؟ کیا آپ نے کعبہ دیکھا ہے؟ چار دیواریں ملگجے اندھیروں سے بنی ہوئیں جیسے ٹوٹے پھوٹے پتھروں کو اِدھر اُدھر جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ اتنی بڑی قدرت والا رب......! اور اتنا سادہ اظہارِ خدائی......! کیا سبق نہیں ہے اُن علمائے اقتدار کیلئے، ان بادشاہانِ وقت کیلئے جو اقتدار کو اپنی ذاتی خواہشات، تمرد اور تکبر کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اُس سے بڑی طاقت کس کو نصیب ہے مگر زمین پر اپنا symbol کتنا سادہ رکھتا ہے۔ شاید زمین پر اپنے بندوں کو اُس اقتدار کی مثال دے رہا ہے کہ میرے پاس تو سارا زر و مال ہے، ساری کائنات ہے۔ میں چاہتا تو اپنے لئے زمرد اور سونے کا گھر تخلیق کر سکتا تھا مگر میں نے تمہیں کتنی سادہ سی مثال دی ہے کہ طاقت کو خلافِ نفس استعمال کرو۔

"وَاَمَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ "(۴۰:۸۰)
(وہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا)
"وَنَھَی النَّفسَ عَنِ الھَوٰی"
(اور اُس نے اپنے نفس اور خواہش کی مخالفت کی)

خواتین وحضرات! نفس repeat کرنے والا ہے۔ دہرانے والا......نفسیات کا نفس اور ہے اور اللہ جس نفس کی بات کرتا ہے وہ اور ہے۔ نفسیات کا نفس انسان کو بےکاری، تساہل psychosis, neurosis, depression اور tension میں ڈالتا ہے۔ یہ اسکے بعد گولیاں کھانے سے ٹھیک بھی ہو سکتا ہے، تھوڑی سی medicine (دوائی) لی اور ٹھیک ہو گئے نیند آ گئی مگر یہ ہمیشہ اسلیئے ہے کہ ایک بےکار self (ذاتی) کو ایک باکار self بنا دیتا ہے۔ زندگی سے گریز کرنے والے ایک وجود کو دوبارہ زندگی کی main line (اہم راستے) میں دھکیل دیتا ہے۔ اسکے علاوہ psychology کا کوئی مقصد نہیں۔ نفسیات خدا کے بندے پیدا کرنے کیلئے نہیں ہے۔ Psychology if applied to your own self is mysticism, if applied to others is a science. اگر آپ اپنے بارے میں آگہی چاہتے ہو، اگر اللہ کے بارے میں آگہی چاہتے ہو تو نفسیات کو دوسروں پر استعمال کرنے کے بجائے سب سے پہلے اپنی ذات پر استعمال کرو اور یہ دیکھنے کی کوشش کرو کہ آپ کی تحقیق وجستجو میں وہ کونسے عوامل ہیں جو آپ کی fully inquiry (مکمل تحقیق) کو روکتے ہیں، جو آپکو ایک نتیجہ پر پہنچنے سے روکتے ہیں۔ خواتین وحضرات! علم، دانش، عقل، برہان آپ کی intellectualism (دانشوری) کا صرف ایک natural (قدرتی) نتیجہ ہے اور وہ یہ کہ انسان چلتا چلتا ایک بہتر سمت سے خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر آپ علم ودانش سے خدا تک نہیں پہنچے تو ذرا واپس آیئے۔ check کیجئے کہ approach کہاں غلط ہو گئی۔ کہیں possessions (احساسِ ملکیت) تو نہیں آ گئیں۔ کوئی inferiority (احساسِ کمتری) تو نہیں آ گئی۔ کوئی ایسی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی approach (رسائی) میں جس نے آپکی علمی تحقیق کے دروازے روک دیئے ہوں یا غلط کر دیئے ہوں یا اسے پکی سڑک سے کسی پگڈنڈی پر ڈال دیا ہو۔ آپکو پتہ چل جائے گا اور دوبارہ جب سمت درست ہو گئی تو خدا اعبدِ کریم تک اور توحید تک آپ ضرور پہنچ جاؤ گے۔

ایمان اس سے بھی زیادہ سادہ ہے، ایمان variable (تغیر پذیر) ہے۔ باوجود اللہ پر اعتبار کرنے کے انسان کی اضطرابی کیفیتیں changeable (بدلنے والی) ہیں اسلئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی خطا یا گناہ کرتا ہے تو اُسکا ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر دوبارہ واپس آجاتا ہے۔ اسلئے ایمان ایک ہاتھ سے جانے والی چیز ہے۔ جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ قرآن ایک رسی سے بندھا ہوا خارشتی اونٹ کی طرح ہے۔ اسکو اگر نہ پڑھو گے، نہ دہراؤ گے تو رسی تڑا کر بھاگ جائے گا۔ کسی نے حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے پوچھا کہ یا حضرت! یہ تو بتایئے کہ ایک لاکھ چھبیس ہزار احادیث آپ کو اسناد سے کیسے یاد ہیں؟ (امام بخاری کو لوگ امیر المومنین فی الحدیث بھی کہتے تھے اور امام مسلم نے کہا کہ "ہذا پیغمبر فی الحدیث") اتنی memory کیسے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نظر کرتا رہتا ہوں۔ This is one of the most wonderful law of memory. (یادداشت کا یہ ایک خوبصورت اصول ہے۔) امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نظر کرتا رہتا ہوں۔ میں ایک دفعہ نہیں دیکھتا بلکہ ساری زندگی ہو گئی کہ میں اس کو دہراتا رہتا ہوں، جس سے میری memory fresh رہتی ہے۔ This is one of the most valid law of memory. کہ جب آپ کسی چیز کو یاد کر رہے ہیں اور اُسے محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اُس پر نظر کرتے رہیں تو وہ آپ کے حافظے میں ضائع نہیں ہوگی۔ ایمان کے بارے میں بھی سب سے پہلی حدیث بڑی لطیف ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو وسوسے بہت آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہی ایمان ہے"۔ حضور ﷺ کے اس بیانِ مبارک کی مصلحت یہ تھی کہ بھلا شیطان آپ کو باہر تنگ کیوں کرے گا۔ جب آپ اُس کے ساتھ ہو تو وہ آپ کو کیوں تنگ کرے گا۔ جب آپ جھوٹ بول رہے ہو تو وہ آپ کو کیوں تنگ کرے گا۔ جب کم تول رہے ہو تو کیوں تنگ کرے گا۔ جب لوگوں کو تنگ کر رہے ہو تو کیوں تنگ کرے گا۔ وہ آپ کے ساتھ ہے وہ بلکہ بڑا خوش ہے کہ آج بندگانِ پروردگار جو ہیں وہ میرا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ آپ اس دوران ایک حماقت کے مرتکب ہوتے ہو کہ وہاں سے نماز میں کھڑے ہو جاتے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ہنگامہ ہے، یہ کیا نالائقی ہے۔ اچھے بھلے میرے ساتھ وقت گزارتے ہوئے سارا دن گپ شپ جھوٹ، سچ بولتے، مکر وفریب کرتے ہوئے اچانک ہی نماز میں چلا گیا۔ یہ تو بہت بڑی غلطی کی اس نے ...... So he will only concentrate at the time when you are standing in the Nimaz. کیونکہ یہ اُس کو پسند نہیں۔ اگر آپ نے قرآن کی جملہ آیات نماز پر غور کیا ہو تو ایک آیت میں مستقل ایک ہی جملہ آتا ہے "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ" "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ" "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ" (۲۰ : ۱۴) یعنی خشوع و خضوع کی ہدایات بہت کم ہیں اور نماز قائم رکھنے کی ہدایات مسلسل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز کوئی ایک تسلسل، ایک مزاج اور ایک موڈ سے نہیں پڑھ سکتا۔ آپ کے جملہ اوقات میں جملہ tension اور انداز فکر جدا جدا ہوتے ہیں۔ صبح کسی اور فکر میں پڑھی جاتی ہے۔ دوپہر مستی اور کسل مندی میں پڑھ جاتی ہے عصر عجلت میں پڑھی جاتی ہے۔ مغرب تھکن میں پڑھی جاتی ہے اور عشاء......عشاء کا تو مالک ہی اللہ ہے۔ یہ سارے موڈ اتنے different ہوتے ہیں کہ انسان کبھی ان میں باقاعدگی حاصل نہیں کر سکتا اور ایک دن دوسرے دن کی طرح نہیں ہوتا۔ ایک ہفتہ دوسرے ہفتے کی طرح نہیں ہوتا۔ معاملات تو انسان مسلسل متغیر رہتے ہیں، سکون محال ہے......بس ایک تغیر ہے جو مستقل رہتا ہے۔

؎ سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ایسے عالم میں اللہ نے خوب دیکھ لیا کہ اگر میں ان سے یہ کہوں کہ ہر وقت تم خدا کے خوف میں نماز پڑھو تو یہ نہیں پڑھ سکیں گے۔ اللہ جاننے والا ہے کہ خدا کی محبت میں بھی نہیں پڑھو گے۔ ہزار ہا سال کے بعد شاید یا ہزار ہا نمازوں کے بعد شاید ایک نماز آپ کو نصیب ہو جائے گی بقول اقبال کہ

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ بھی ہزار سجدوں کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ ہزار سجدے تو بس سر پٹکنے کے برابر ہو گئے مگر لازم یہ ہے کہ یہ دور قائم رہے۔ "وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ" مگر اس سے کچھ بڑی باتیں بھی اللہ آپ سے demand کرتا ہے کہ اگر آپ نے خدا کو جانا ہوا ہے مانا ہوا ہے اگر خدائے واحد کی تسلیم آپ کے دل و دماغ میں آ گئی ہے تو ایمان یہ کہتا ہے کہ کچھ جدوجہد personal relations (ذاتی تعلق) کے لیے ضروری ہے۔ دیکھئے اللہ ہو یا اُس کا رسول ﷺ ہو personal relationship کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ زمین و آسمان میں حاصل ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں تکّی ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ غلط تھے، عمرؓ صحیح تھے۔ تھوڑے عرصے کے بعد حضرت ابوبکرؓ

حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میں معافی چاہتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ عمرؓ نے کہا کہ میں تو نہیں معاف کرتا اور آپ کو پتہ ہے کہ عمرؓ عادت میں سخت تھے۔ حضرت ابو بکرؓ گلہ لے کے رسول اکرم ﷺ کے پاس گئے اور کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! دیکھیں! مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے عمر سے معافی بھی مانگی مگر یہ مجھے معاف نہیں کرتا"۔ جلالِ پیغمبر عروج پر آ گیا۔ سرکارِ ماآب ﷺ مسند پر طلوع ہوئے۔ آلِ ابو بکر کے احسان گنوائے اور ایک جملہ بار بار دہرا رہے تھے: "اے لوگو! تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے اے لوگو! تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور اے لوگو! تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے" جب مسلسل عمر فاروقؓ نے یہ بات سنی تو روئے اور اپنے گھٹنوں کے بل سسکتے ہوئے بیٹھ گئے اور کہا کہ میری توبہ جو میں آئندہ آپ کے دوست سے کوئی شکایت کروں۔ یعنی personal relationship اتنی valueable (قیمتی) ہوتی ہے کہ یہ خدا کو بھی پسند ہے اور اسکے رسول کو بھی پسند ہے اور personal relationship (ذاتی تعلق) پر اخلاص کی بنیاد ہے۔ جب اللہ اپنے بندے سے personal relationship طلب کر رہا ہے تو اُس کا ایمان اُس پر مکمل ہو جاتا ہے۔

مُسلم کی آخری حدیث ہے کہ بے شمار لوگ، بڑے علماء، عمامہ......جبہ......دستار...... مقدس بن وقت، مطہر بن زمانہ کو جب ملائکہ جنت میں لے جا رہے ہوں گے تو آواز آئیگی: "اے میرے ملائکہ! ان کو جہنم میں پھینک دو" ملائکہ عرض کریں گے: "صرف اپنی تسلی اور تجسس کیلئے اگر اجازت ہو تو ہم آپ سے پوچھیں کہ ان کے نامہ اعمال کی نیکیاں لکھ لکھ کے ہمارے کاغذات شرفاغر یا ختم ہو گئے اور آپ ارشاد فرماتے ہو کہ انہیں جہنم میں پھینک دو۔" اللہ نے فرمایا کہ میرا اور میرے بندے کا ایک معاملہ ہے جسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ خواتین و حضرات! آٹھ چیزوں پر نارِ دوزخ حرام ہے اور ان میں سے ایک وہ جوان یا وہ شخص ہے جس کی آنکھ سے اللہ کیلئے ایک آنسو نکلے۔ "برأت تو عاشقاں" بہت کم ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئیگی۔ فرمایا، جب زمین پر ایک بھی "اللہ اللہ" کہنے والا نہیں رہے گا۔ یہ اس لیبارٹری کا انجام ہے۔ دیکھئے! ہر فیکٹری سے کچھ income (آمدنی) چاہیئے ہوتی ہے۔ کچھ out come (نتائج) چاہیئے ہوتے ہیں۔ اگر مطلوب حاصل ہو رہا ہو تو نقصان کے باوجود فیکٹری جاری رہ سکتی ہے۔ ذرا یقین فرمایئے کہ اس پوری زمین کا معیار production (پیداوار) یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کے مطابق اگر ایک شخص بھی اللہ کو "اللہ اللہ"

کرنے والا مل گیا تو یہ فیکٹری قائم رہے گی۔ Lowest possible standards of production (پیداوار کے کمترین معیار) کو آپ چیک کیجئے کہ ایک شخص بھی اگر یہاں خدا کا شناسا ہوا، محبت کرنے والا ہوا، صاحبِ اخلاص ہوا، صاحبِ ایمان ہوا، تو یہ دنیا اُس شخص کے صدقے میں قائم رکھی جائیگی۔ اتنا کم standard ہے مگر خداوندِ کریم اس تعلق کو محبت سے قائم رکھنا چاہتا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

اللہ کے بارے میں تمام رجحانات غلط پھیلائے گئے۔ اُسی کو ہم پر ٹھونسا گیا۔ اُدھر خداوندِ کریم ارشاد فرما رہا تھا کہ میں نے تمام کائنات اور دنیا و تخلیقات اور اے حضرتِ انسان تجھے پیدا کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کرلیا کہ میری رحمت میری تمام چیزوں پر غالب آئیگی اور اُس پر بازی لے جائے گی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنے بندوں پر مہربان ہوں۔ کمال کی بات ہے خواتین و حضرات! کہ اُس نے فیصلہ کیا کہ میں ہر حال میں اپنے بندوں پر مہربانی فرماؤں گا اور آپ نے اُسی کو challenge (چیلنج) کردیا۔ آپ نے اُسے غضب سے present ((پیش) کیا۔ آپ نے اُسے جابر وقہاری بنادیا آپ نے صرف اس کے عذاب وثواب سے لوگوں کو آشنا کیا۔ وہ رحمت کی بات کررہا تھا، وہ محبت کی بات کررہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ جس نے مجھ سے ایک لمحہ کیلئے اخلاص برتا، اُسکے لئے میں نے دوزخ کی آگ حرام کردی اور جملہ مقدسین علم فرمارہے تھے کہ اللہ بہت سخت ہے۔ اللہ بہت جابر ہے۔ ظالم ہے، قاہر ہے کیا عجیب بات ہے کہ قرآن کو اتنا mis represent (غلط پیش) کیا گیا۔

“قُل یٰعِبَادِیَ الَّذِینَ اَسرَفُوا عَلٰی اَنفُسِہِم”(۳۹:۵۳)

تم نے بہت اسراف کیا۔ میں نے صلاحیتیں کسی اور کام کی خاطر دی تھیں۔ تم نے کسی اور کام میں خرچ دیں۔ میں نے تو جنس reproduction (نسل) کیلئے دی تھی بیوی بچوں کیلئے دی تھی تم نے اسے اتنے واہیات کاموں میں لگادیا۔ میں نے تمہیں مال خدا کیلئے خرچنے کو دیا تھا تم نے اسے بخل کی نذر کردیا۔ تم نے اسے possession اور حرام کاری کی نذر کردیا۔ یہ اسراف ہے۔ جو کوئی جبلت غیر ضروری کاموں میں صرف ہو کے خرچ ہو جائے گی تو یہ اسراف ہے، ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ "لا خیر فی الاسراف"(اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے) فالتو خرچنے میں خیر نہیں، شان و شوکت، نام و نمود پر خرچ میں کوئی خیر نہیں، مگر دوسری طرف خیر کے باب میں کہا:

"لَا اِسرَافَ فِی الخَیرِ" (خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے) جو مرضی خرچ کرو، جتنا مرضی دے دو، اللہ کیلئے دے دو، خدا کی رضا کیلئے دے دو، تسلی قلب کیلئے دے دو۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ شخص جہنمی ہے جس نے ذاتی نام و نمود کی خاطر خرچا مگر دوسری طرف قرآن میں ایک عجیب و غریب بات فرمائی کہ:

"اَلَّذِینَ یُنفِقُونَ اَموَالَھُم بِالَّیلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُم اَجرُھُم عِندَ رَبِّھِم وَلَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ" (۲:۲۷۴)

یعنی چھپا کر دیا یا بتا کر دیا دونوں میں اجر ہے۔ بتا کے اسلئے دیا کہ اگر کوئی شخص کام اللہ کیلئے کر رہا ہے مگر بتا کے بھی کر رہا ہے تو بھی اللہ اُسے قبول کرتا ہے مگر ایک شخص جس نے خیرات و صدقات ذاتی تمرد کیلئے کی، ذاتی تکبرات کیلئے کی اُس میں خدا کا نام و نشان نہیں تھا تو اُس کا ٹھکانہ اُس کے مال کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کچھ نہیں۔ پروردگار عالم اسی محبت کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تمہارے ایمان کی علامت یہ ہے کہ personal relationship قائم کرو۔ بہت سے لوگ اعمال صالحہ کو بھی ذکر سمجھتے ہیں مگر خدا ایسا نہیں سمجھتا۔ اعمال علیحدہ ہیں اور اذکار اپنی جگہ ہیں۔ نماز ذکر ہے، قرآن ذکر ہے، قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: "اُتلُ مَا اُوحِیَ اِلَیکَ مِنَ الکِتٰبِ" (کتاب کی تلاوت کرو۔ ۴۵:۲۹) پھر فرمایا "نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُونَ" (۱۵:۹) یہ ذکر ہے، پھر نماز کا ذکر فرمایا: "وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ" نماز قائم کرو۔ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنھٰی عَنِ الفَحشَآءِ وَالمُنکَرِ" (۲۹:۴۵) یہ تمہیں فحش و منکر سے یعنی اعمال شری سے روکتی ہے۔ ساتھ ہی یوں بھی فرمایا: "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکرِی" (۲۰:۱۴) نماز میری یاد کیلئے قائم کرو۔ یعنی قرآن بھی ذکر ہے نماز بھی ذکر ہے اور ان کے functions (کام) علیحدہ علیحدہ ہیں مگر اسی آیت میں فرمایا: "وَلَذِکرُ اللّٰہِ اَکبَرُ" (۲۹:۴۵) مگر میری یاد تو بہت بڑی بات ہے۔ یعنی قرآن پڑھو، نماز قائم رکھو مگر اگر تمہیں personal relationship چاہیے تو "وَلَذِکرُ اللّٰہِ اَکبَرُ" (میری یاد تو بہت بڑی بات ہے) یہ یاد والے کون ہوتے ہیں؟ کیا "نخرے" لگے ہوئے ......؟ اللہ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ Not at all, these are not manners which were taught by the prophet.

علم ایک اصول ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا علم غیر معتدل میں ہے؟ کیا علم کسی extremist (شدت پسند) میں ہے؟ کیا علم کسی below the cadre میں ہے؟ نہیں۔

علم یہ ہے کہ قرآن بہترین علم ہے اور محمد ﷺ اُس کے حامل ہیں۔ اس لئے اگر بہترین علم کا حامل جو ہے وہ بہترین اعتدال میں ہے تو All extremists are not knowledgeable (تمام شدت پسندی قابلِ علم نہیں ہے) یہ بات یاد رکھئے کہ بہترین علم قرآن ہے اور بہترین اعتدال حامل قرآن میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (دیکھئے کیا انداز ہے.....!) "اعتدال اختیار کرو اور اگر مکمل اعتدال نہ اختیار کر سکو تو اُسکے قریب ترین رہو۔" یہ رسول ﷺ تھے جنہوں نے دنیا میں پہلی بار یہ بتایا کہ اعتدال ایک rigidity اور سختی نہیں ہے۔ اعتدال وہ ہے جس میں آپ زیادتی کرو گے، کچھ نہ کچھ خطائیں کرو گے۔ وہ اعتدال کو نہیں توڑیں گی۔ اعتدال اُس وقت ٹوٹتا ہے جب تم "حدود اللہ" کو cross کرو گے۔ "تِلکَ حُدُودُ اللہِ وَمَن یَّتَعَدَّ حُدُودَ اللہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُونَ" (۲:۲۲۹) تو تم روشنیوں سے اندھیروں میں چلے جاؤ گے۔

خواتین و حضرات! شرع کیا ہے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ ایک طاقتور خدا نے جبراً شرع آپ پر ٹھونس دی اور اس کو کوئی غرض نہیں تھی کہ بندے کیا ہیں؟ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ وہ narcissist (نرگسیت پسند) خدا بیٹھا ہوا تھا۔ اذیت پسند خدا ہے اور اس نے تم کو بھی اذیت دینی چاہی۔ اس نے کہا کہ تھوڑا روزے رکھو! تھوڑا یہ کرو! تھوڑا یوں کرو! مگر خدا اس قسم کا کوئی تصور نہیں رکھتا۔ اُس نے انسان کو چلایا ہے۔ آدمؑ سے لے کر آخری انسان تک اُس نے کچھ rules بنائے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کن چیزوں کے گریز سے societies ختم ہوئیں۔ ایک society نہیں بلکہ بے شمار ختم ہوئیں..... دیکھو ذرا زمین گھوم کر..... کتنی بستیاں الٹی پڑی ہوئی ہیں۔ موہنجوداڑو، ہڑپہ، میسوپوٹیمیا..... ساری دنیا بھری پڑی ہے۔ "پومپیائی" کو دیکھو کہ ہر جگہ تباہی و ہلاکت کے مناظر بھرے ہوئے ہیں کیونکہ چند اصولوں سے انہوں نے مطابقت نہ کی۔ چند اصول انہوں نے توڑے اور کچھ اپنے اصول بنائے۔

بپاسِ خاطرِ آشفتہ حالاں
بنامِ شبلِ روشن خیالاں

کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو جدید تر اور معتبر سمجھتے ہوئے ایسے قوانین بنا لئے۔ خدا کے قوانین میں اپنے قوانین داخل کر لئے تو معاشروں کی حفاظت کیلئے خدا نے انہیں تباہ کر دیا۔ جو معاشرہ اللہ کے قوانین پر چلتا ہے وہ لمبی عمر پاتا ہے۔ امن و سکون پاتا ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی history پر نگاہ

ڈالیں تو All histories of the world will tell you. (دنیا کی تمام تواریخ آپ کو بتائیں گی) کہ کوئی culture ڈیڑھ سو، دو سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ Greeks نہیں رہے۔ Eliens نہیں رہے۔ Troyens نہیں رہے۔ Carthagians نہیں رہے۔ Indians نہیں رہے۔ Aryans نہیں رہے۔ Hunds نہیں رہے ----- If you look at your spots of the history, all these nations did not stay. یہ برباد ہو گئے مگر مسلمان رہا۔ پندرہ سو برس مسلمان رہا۔ تیرہ سو برس مسلمان مشرق و مغرب میں حکمران رہا۔ اگر سلطنتِ بغداد کو زوال آیا تو عبدالرحمٰن الداخل اسپین میں جا گھسا۔ وہاں سے مسلمان بچے، تو پھر آپ سلطنت عثمانیہ کو دیکھئے۔ سلطنتِ عثمانیہ کیا تھی ------؟ where nothing was important (جس کا کچھ بھی اہم نہ تھا۔) مگر ایک اصول تھا ------ مظلوم پر رحم کرنے کا ------ "سلطان ارطغرل" اناطولیہ کے میدان میں داخل ہوا۔ That's the beginning of the Ottoman Empire (یہ سلطنتِ عثمانیہ کا آغاز تھا) جس نے دنیا پر تین سو سال بالکل ایک super power (سپر پاور) کی طرح حکومت کی۔ یہ ابھی کل کی بات ہے۔ ترکی کبھی غلام نہیں ہوا۔ ترکی خراب تو اس وقت ہوا جب وہ secular (سیکولر) ہوا۔ بے چارے کی آن بان ہی جاتی رہی مگر جب تک اس پر اسلام کا غلبہ تھا، وہ حکمران تھا۔ اسکا آغاز حیران کن ہے۔ اسکا آغاز اسلامی ہے۔ سلطان ارطغرل دو سو بندے لے کر اناطولیہ کے میدان میں اترا تو دیکھا کہ جنگ ہو رہی ہے اور منگول ایک غریب سے بادشاہ کو بالکل برباد کرنے والے ہیں۔ اس نے ہمراہیوں سے مشورہ کیا کہ ہم کیا کریں۔ ہم بھی بھوکے ہیں۔ ہمیں بھی کھانا پینا چاہیئے، انہوں نے کہا کہ سلطان، بات یہ ہے کہ اب شکست تو ہو ہی چکی ہے تو ہم جیتنے والوں کے ساتھ مل جاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ حصہ ہمیں بھی مل ہی جائے گا۔ اس پر سلطان ارطغرل نے کہا: "یہ مردوں کا کام نہیں ہے۔ ہم اس غریب کیلئے لڑیں گے چاہے زندگی رہے چاہے نہ رہے۔" سلطان ارطغرل اپنے دو سو ساتھیوں کے ساتھ منگولوں کے عقب سے آیا اور اُن پر جا پڑا۔ منگولوں کو شکست ہوئی اور سلطان علاؤالدین نے اسکے بدلے میں اناطولیہ کی ساری زمین ان کو بخشی اور اُس کے بیٹے سلطان عثمان کو اپنی بیٹی دی اور پھر یہ Ottoman Empire (سلطنت عثمانیہ) وجود میں آئی جس نے یورپ کے دل میں ہنگری، بوڈاپسٹ، بلغاریہ، رومانیہ وغیرہ یورپ کی ریاستیں فتح کیں اور کبھی یہ دستور تھا کہ یورپ کی مائیں بلی چوہے سے بچوں کو نہیں ڈراتی تھیں بلکہ

کہتی تھیں: Hush! the Turks are coming. (چپ کر جاؤ! ترک آ رہے ہیں۔) آج آپ Bush (بش) سے ڈراتے ہو۔ ہم تو نہیں ڈرتے مگر ڈرانے والے بہت ڈراتے ہیں۔

یہ ایک دستورِ زندگی ہے۔ یہ قوموں کے اصول تھے جن کو شرع میں ڈھال دیا گیا۔ شرع اُس زادِ راہ کو کہتے ہیں جو کم سے کم ہو۔ یہ سفر کیلئے وہ سامان ہے جو کم سے کم ہو جسے افعال و اعمال میں انجام دے کر آپ زندگی کی آخری منزل تک آرام و سکون اور حفاظت سے پہنچتے ہو اور اگلی منزل کی پہلی منزل تک آپ آرام سے جاتے ہو۔ جب آپ قبر میں جاتے ہو، The passport to Hell and Heaven (جہنم اور جنت کا پاسپورٹ) یہ قرنطینہ ہے۔ جیسے باہر سے آئے ہوئے کو پہلے قرنطینہ میں ڈالا جاتا ہے کہ pollution اتنی نہ ہو کہ باہر پھیل جائے۔ تھوڑی دیر کیلئے جب آپ نئی دنیا کو جا رہے ہو تو قرنطینہ میں لاش ڈالی جاتی ہے پھر اٹھا کے پوچھا جاتا ہے کہ Who are you? where you are going? تمہیں رزق ملا، زندگی ملی۔ اعزہ و اقارب ملے۔ یہ بتاؤ کیا لے کے آئے ہو؟ Who is your God. "مَنْ رَبُّکَ" اگر آپ نے اللہ کو مانا ہے اور اخلاص سے ایک مرتبہ بھی لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کہا ہے تو آپ کو کبھی قبر کے اُس test میں مایوسی نہیں ہوگی۔ خدانخواستہ اگر آپ بھول گئے...... آخر stress (دباؤ) پڑ رہی ہوتی ہے تو پھر آپ سے دوسرا سوال پوچھا جاتا ہے۔ مَــنْ نَبِیُّکَ تمہارا نبی کون ہے؟ خواتین و حضرات یہ یاد رکھئے کہ ایمان تین چیزوں میں ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ خدا کو ایسے مانو جیسے اُسے ماننے کا حق ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندے پر اللہ کا ایک حق ہے کہ تعویذ، جادو اور سحر ٹونہ نہ مانا جائے۔ اللہ کا اقتدار بانٹا نہ جائے۔ تقسیم نہ کیا جائے۔ گلی کوچے میں حساب کتاب والے آپ کا مقدر ترتیب نہیں دیتے۔ اللہ دیتا ہے۔ یہ مت کہو کہ کسی کے سحر کی وجہ سے رزق بند ہو گیا۔ شادی بند ہو گئی۔ ایسا مت کہو۔ یہ کفر ہے۔ خالص کفر ہے۔ اللہ کی حاکمیت کو cancel کرنا ہے۔ اُس کی طاقت کو کسی دوسرے کے نام کر دینا ہے ورنہ آپ اہلِ مکہ کی طرح ہو جاؤ گے کہ خدا سارے کام آپ نہیں کر سکتا۔ اُس نے نیچے کسی جادوگر کے ذمے لگا دیا ہے۔ کسی تعویذ والے کو یہ department (شعبہ) دے دیا ہے۔ ایسا قطعاً نہیں ہوتا۔ اللہ کے احکامات اٹل ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ جس کو اللہ پر اعتبار نہ رہے تو خدا پھر اُسے شیاطین کے حوالے کر دیتا ہے۔

“وَمَن یَعشُ عَن ذِکرِ الرَّحمٰنِ “
(جو اللہ کے ذکر سے غافل ہوا۔)
“نُقَیِّض لَہٗ شَیطٰناً “(۴۳:۳۶)
(ہم اُس پر ایک شیطان کو غلبہ دیتے ہیں)
“فَھُوَ لَہٗ قَرِینٌ “
(پس وہ اس کے قریب رہتا ہے۔)

جب آپ اللہ کی توہین کر رہے ہو، جب آپ اللہ کے اقتدار کو challenge کر رہے ہو، جب اسکی محبتوں سے ہٹ کر ان لوگوں کی صحبتیں پا لو گے، سحر و جادوگری کو پا لو گے تو پھر خدا آپ کے ساتھ نہیں رہے گا۔

احتیاط کیجئے گا کہ اللہ کو تقسیم نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا ایک حق ہے بندوں پر اور وہ یہ ہے کہ وہ اسے اللہ ہی مانیں۔ اسکے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کریں۔ اپنی آرزومندی کا مرکز صرف اور صرف اللہ کو بنائیں اور پھر بندوں کا اللہ پر ایک حق ہے“ پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! بندوں کا کیا حق ہے اللہ پر۔“ فرمایا: ''جو اللہ کو اس طرح مانے تو پھر بندوں کا یہ حق ہے کہ اللہ انہیں کسی قسم کا کوئی عذاب نہ دے“۔ پھر بندوں کا یہ حق بن جاتا ہے کہ وہ خدا کو چیلنج کر کے کہہ سکیں کہ میرے اللہ جیسے تو نے چاہا میں نے تجھے ویسے مانا تو پھر خدا کہتا ہے کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اگر تم نے مجھے میرے انداز میں چاہا جیسے میں نے کہا ویسے مجھے چاہا، تو مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دوں۔ ''اِن شَکَرتُم وَاٰمَنتُم“ اگر تم شکر والے ہو اور شکر کا مطلب ہے یاد والے ہو۔ اگر تم ہمیں اپنی زندگی کا ایک حصہ بنائے رکھتے ہو، اگر تم ہمیں اپنی یادوں میں بسائے رکھتے ہو تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دیں۔ “اِن شَکَرتُم وَاٰمَنتُم'' یہی شکر ہے، یہی ایمان ہے “فَاذکُرُ واللہَ “ جب تم کام کاج ختم کر لو۔ “فَاِذَا قَضَیتُم مَنَاسِکَکُم فَاذکُرُ واللہَ: کَذِکرِکُم اٰبَآءَکُم“ (البقرہ ۲۰۰) مجھے ایسے یاد کرو جیسے belongings کو کرتے ہو، جیسے ماں باپ کو کرتے ہو۔ بتائیے! کیا خدا نے یہ کہا کہ خوف سے یاد کرو، اذیت سے یاد کرو۔ مجھے جبر اور قہر سے یاد کرو بلکہ کہا کہ مجھے ایسے یاد کرو جیسے ماں باپ کو کرتے ہو۔ محبت سے، انس سے ......
کیا مہربان کریم رب ہے! جو آپ سے وعدہ کیے بیٹھا ہے۔ “قُل یٰعِبَادِیَ الَّذِینَ اَسرَفُو اعلٰی اَنفُسِھِم“ جتنے مرضی بھی تم نے گناہ کیے ہوئے ہیں مگر ایک بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا۔ بہت بڑا گناہ “لا

تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ "(۳۹:۵۳) یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ جتنے مرضی خطا کار ہو، جتنے مرضی گناہ گار ہو مگر میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یہ وہ طلسماتی پتھر ہے۔ یہ وہ touch stone ہے۔ یہ وہ پارس ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو دے رہا ہے: "قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ" چاہے تم نے کچھ بھی کیا ہو بہت بڑی خطا نہ کر بیٹھنا۔ بہت بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا، "لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ" میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ کیوں؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک اصول بنایا ہوا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا" میں نے یہ اصول بنایا ہے کہ تمام گناہ معاف کر دوں گا اور اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ اس statement میں تخصیص نہیں کی کہ یہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے۔ لفظ جَمِیۡعًا سے مراد ہے کہ total گناہ معاف ہیں۔ مگر یار معاف کرنے والے کا تو تمہیں پتہ ہو کہ کون کرے گا۔ یہ تو پتہ ہو کہ کرے گا کون۔ اگر تم کو یہ ہی نہیں پتہ کہ معاف کرنے والا کون ہے تو بخشش کس سے کراؤ گے۔ وہ قبر میں جا کے جب کسی ہندو، کافر یا صاحب تثلیث سے سوال کریں گے تو سب سے بڑا confusion یہی ہوگا۔ کیوں بھئی! کون تھا تمہارا رب، شیوا؟ no اندرا؟ no وشنو؟ نہیں۔ گھنشام؟ نہیں۔ سرسوتی؟ نہیں۔ درگا؟ نہیں پاروتی؟ یعنی confusion یہ ہے کہ consulting authority کا ہی نہیں پتہ۔ اُس کو یہ نہیں پتہ کہ معاف کرنے والا کون ہے۔ اُس کو نہیں پتہ کہ Holy ghost ہے کہ christ ہے کہ AlGod ہے اُس کو نہیں پتہ......

ہندوستان میں جتنے بھی مذہب آئے ہندو ازم ان سب کو کھا گیا۔ یہ اتنا چالاک مذہب تھا کہ جین مت کو کھا گیا، بدھ مت کو کھا گیا، shintoism شنتو ازم کو کھا گیا۔ یہاں سارے کے سارے مذاہب تباہ ہو گئے۔ پھر اسلام آیا۔ اس عفریت نے اسے بھی کھانے کی کوشش کی۔ رسم و رواج کھا گیا۔ آنتوں میں داخل ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی رسم و رواج میں داخل ہو گیا۔ برادری ازم میں داخل ہو گیا۔ برہمن، کھشتر یہ، شودرا اور ویش کی تقسیم آ گئی۔ inferiorities بڑھ گئیں، رتبوں میں داخل ہو گیا مگر ایک چیز بچ گئی، ایک کام یہ نہیں کر سکا...... Encyclopedia of religion کے مصنف نے کہا: There was such a geometrical precision, about the oneness of God in Islam that no mythology was possible. (اس سختی سے اسلام اپنے نظریہ وحدانیت کی حفاظت کرتا ہے کہ اس میں کوئی اصنام پرستی ممکن نہیں ہے۔) مگر اب ہے کہ خدائے واحد کو قادرِ مطلق سمجھتے

ہوئے بھی، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک سمجھتے ہوئے بھی اُسکی قوتیں اور اُس کے مظاہر کی تقسیم مسلمانوں نے عام کر دیں۔ Astrologists (نجومیوں) کے سپرد کر دیں۔ جادوگروں کے سپرد کر دیں۔ حساب کتاب والوں کے سپرد کر دیں۔ پڑھے لکھوں نے سپرد کیں۔ ان پڑھوں نے سپرد کیں۔ ایسے لگتا ہے خواتین و حضرات کہ اس ملک کی جو داستان میں سمجھتا ہوں جو میرے پاس محفوظ ہے کہ آدھا ملک جادو کروا رہا ہے اور آدھے ملک پر جادو ہو رہا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے faithers (ماننے والوں) کا......؟ کہاں کا اسلام، کہاں کی یہ دوستی ہے پروردگار سے...... وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ" مجھے ایسے یاد کرو جیسے محبت سے ما دادا کو کرتے ہو۔ جیسے اماں ابا کو کرتے ہو، جیسے اپنے پیاروں کو کرتے ہو، محبوبوں کو کرتے ہو، ہاں، مگر برابر کا نہیں "اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا" ذرا زیادہ...... اے میرے بندے! ذرا زیادہ کرنا تا کہ مجھے معلوم ہو کہ تم ہر چیز سے بڑھ کے مجھے یاد کرتے ہو۔ مجھ سے پیار کرتے ہو۔

خواتین و حضرات! رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی حلاوت تین چیزوں میں ہے۔ اگر ایمان کا مزہ چکھنا ہے تو تین چیزوں میں ایمان کا مزہ ہے۔ ایک تو خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرنا اور دوسرا مجھے اپنی جان اور مال ہر چیز سے زیادہ عزیز تر سمجھنا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر اللہ نہیں ملتا۔ کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جیسے حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا کہ تم میرے دوست کو بھی نہیں چھوڑتے، تو اگر تم رسول ﷺ کے بغیر کھڑے ہو گئے اور خدا نے پوچھا کہ میرا دوست کہاں ہے۔ اُس کی نسبت کہاں ہے۔ اُس کی معرفت کہاں ہے۔ تو پھر کیا کرو گے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر خدا کی مہربانی کا نہیں سوچا جا سکتا کیونکہ اُس نے یہ تو ضرور کہا: "وَكَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ رَحْمَةَ" کہ میں نے حضرتِ انسان تجھے پیدا کرنے سے پہلے تیرے نصیب میں اپنی رحمت لکھ دی ہے مگر یہ ساری رحمتیں سمیٹ کر کیا بنایا...... "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" رحمت اللعالمین کے بغیر رحمتِ خداوند کا کیا تصور ہوگا؟ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم جان و مال اور اپنی عزتوں سے بڑھ کر مجھ سے پیار نہیں کرو گے تو ایمان نہیں چکھ سکتے۔ حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے۔ رسول ﷺ نے پوچھا: "عمر! میں تمہیں کتنا عزیز ہوں"۔ فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہر چیز سے بڑھ کر۔ میری اپنی جان سے کم اور ہر چیز سے زیادہ۔" فرمایا: "عمر! ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی عزیز نہ ہو جاؤں"۔ عمر بن خطابؓ نے فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! آج کے بعد آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔"

ایک دفعہ ایک مسئلہ پڑ گیا۔ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئیگی۔ فرمایا: ”تم نے قیامت کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ کیا نمازیں بہت پڑھی ہیں“؟ اس نے کہا کہ بس پوری ہی پڑھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا روزے بہت رکھے ہیں۔ اس نے کہا: ”واجبی واجبی رکھے ہیں، کوئی چھوٹ بھی جاتے ہیں۔ خیرات وصدقات تو تھا ہی نہیں پلے۔ کیا دیتا“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کس برتے پر قیامت کو پوچھتے ہو، کس برتے پر......اور ہے کیا جس کی بنا پر قیامت کا پوچھتے ہو۔ اس نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ سے محبت بہت ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر قیامت کے روز لوگ اُسی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جس سے انہیں محبت ہوگی“۔ خواتین وحضرات ایمان کی حلاوت اسکے بغیر نہیں کہ اسم گرامی محمد ﷺ آپ کے جذبوں میں ارتعاش نہ پیدا کردے مگر آج کل کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اُسکے بدن سے نکال دو

یہ seculars کا خاصہ ہے۔ They can't understand how much we love our Prophet, they have no sense. ان کو گمان ہی نہیں ہوتا۔ ان کے تصور میں ہی نہیں ہے کہ یہ مسلمان اپنے Prophet سے کیوں اتنی محبت کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ جہنم کے گڑھوں پر کھڑے ہیں اور میں ان کو پیچھے دھکیل رہا ہوں۔ لوگوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر میں ان کو آگ سے بچا رہا ہوں۔ حضرات گرامی جو پیغمبر، جو ہمارا مربی، جو ہمارا باپ، جو ہمارا محسن ہمیں جہنم کے گڑھے سے اُرے کر رہا ہے۔ کھینچ کھینچ کر، جان ہار ہار کے......تو کیا ہم اُس سے محبت نہ رکھیں۔ کیا ہم اُس سے اُنس نہ رکھیں تو ایمان بنیادی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کا نام بھی ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ جب ہدایت نصیب ہو جائے، جب عقل نصیب ہو جائے، جب معرفت نصیب ہو جائے تو پھر حماقت کو پلٹنا ایمان کے خلاف بہت بڑی بات ہے۔ پھر دوبارہ حالتِ کفر وشرک کو جانا ایمان کا مزہ ختم کر دیتا ہے کہ جب ایک دفعہ آپ ایمان وہدایت وروشنی پا جائیں تو پھر سب سے زیادہ نفرت اس بات سے ہو کہ خدا وہ پہلی حالت دوبارہ مجھ پر نہ لائے۔ وہ جاہلیت مجھ پر نہ لائے۔ جب یہ centericity (مرکزیت) قائم ہو جاتی ہے۔ جب خدا یاد رہتا ہے محبت سے، اُنس سے تو پھر love labour is very sweet. اس بات کی سمجھ جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھ کر آتی

ہے کہ راتیں آنکھوں میں، دن آنکھوں میں۔ زمین و آسمان میں، بازاروں میں، گلیوں میں، کوچوں میں ہر وقت محبوب ہی سامنے ہوتا ہے اور اگر کوئی ایسا لمحہ حیات آ جائے کہ خدا سامنے ہو اور خدا کی تعریف سامنے ہو اور اخلاص و محبت سے اللہ کو چاہا جائے تو پھر نماز کس کو بوجھل لگے گی۔ پھر محبت کی محنت سے زیادہ کون سی محنت اچھی لگے گی۔ پھر بندہ ہر وقت چھپے نہیں کھا سکتا، خدا دور جاتا لگتا ہے، پھر بندہ اس کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ پھر دنیا میں honesty ساڑنے جلانے والی نہیں ہوتی، بد خلقی والی نہیں ہوتی۔ وہ کیسا ایماندار ہے جو ایمان برتا ہو، دیانتدار ہو اور سڑا ہوا ہو۔ کیا ایمان خوشی نہیں، کیا ایمان اور محبت خوشی نہیں۔ ایمان میں اتنی بڑی خوشی ہے کہ ساری زندگی خدا کے اس اطمینان کے سہارے گزاری جا سکتی ہے۔ "اَلَآ اِنَّ اَولِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ" (۶۲:۱۰)

کیا خدا کے بندوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ امیر و رئیس ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے تو اولیاء کی تعریف ہی بڑی مختصر کی ہے کہ "لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ" کہ ہم ان پر fears اور frustrations (خوف و غم) نہیں رہنے دیتے۔ خواتین و حضرات اگر ایک شخص پر fear اور frustration نہیں ہیں تو اس پوری دنیا میں اس پورے زمانے میں جس کا نام ہی age of fear and frustration (غم و حزن کا دور) ہے۔ اگر اس میں کوئی ایسا پھرتا ہے کہ جس کو fear اور frustration نہیں ہے تو وہ اگر اللہ کا ولی ہے تو وہ خدا کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کسی نے شیخ ابو حداد سے پوچھا...... خواتین و حضرات یہ مشکل بات ہے، یہ صرف آپ کو تحفۃً سنا رہا ہوں...... جنیدؒ کے پاس ابو حداد آئے اور پوچھا کہ "حضرت مروّت کیا ہے، مردانگی کیا ہے۔" یعنی وہ عمل کیا ہے جسے ہم جرأت کا عمل کہتے ہیں تو فرمایا جو تمہارے ذمے لوگوں کا حق ہے اُسے پورا پورا ادا کرو اور جو تمہارا حق لوگوں کے ذمے ہے اُسے بھول جاؤ "اَدَاءُ الِانصَافِ" یہ ہے مردانگی...... خواتین و حضرات! اگر ہم اس درجہ عالیہ تک نہ جا سکیں تو کم از کم ہم ایک درجہ نیچے یہ تو کر سکتے ہیں کہ لوگوں کا حق پورا دیں اور اپنا حق پورا لیں مگر ہم اپنا حق پورا لے لیتے ہیں اور لوگوں کا حق پورا ادا نہیں کرتے accountability (خود احتسابی) کا center (مرکز) حکومت نہیں ہو سکتی۔ سرزنش نہیں ہو سکتی۔ کوئی department نہیں ہو سکتا۔ کوئی department کا head نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کی accountability کا center صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اگر آپ کا رجحان، آپ کی

طلب، آپکے اعمال کا سرچشمہ خدا کی محبت (خوف نہیں) ہے تو آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اُس وقت سے آپ ضرور ڈرو، ایسے اعمال سے ضرور ڈرو......ایسا نہ ہو کہ آپ خدا کے نسیاں میں چلے جاؤ۔ خدا جس پر سب سے بڑا neglect (نسیاں) برتتا ہے۔ جسکو ترک کرنا چاہتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ انہوں نے مجھے بھلا دیا، میں نے انہیں بھلا دیا۔ دیکھئے فراق میں محبت زیادہ چمکتی ہے۔

تو نہ می دانہ ہنوز شوق بمیرد ز وصل

تو نہیں جانتا کہ وصال سے شوق مر جاتا ہے۔

چیست حیاتِ دوام سوختنِ نا تمام

اور زندگی کی بقا تو ساری زندگی جلنے میں ہے۔ خدا کی آرزو میں ہے۔

فصیلِ دل کے کلس پر ستارہ جو تیرا غم
تیری طلب تجھے پانے کی آرزو، تیرا غم

We should accept this true thing and reality that Allah is for us. (ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہئے کہ خدا ہمارے لئے ہے۔) کاش کہ آپ یہ جان سکو کہ سو روپے کا نوٹ کمانا مشکل ہے اور اللہ کا حصول آسان ہے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ بایزید نے کہا: ”میں نے چالیس برس اللہ کی تلاش کی، جب میں نے اُسے پایا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا“۔ یہ خالی بایزید کا قول نہیں ہے۔ The truth is that he is looking for you. (بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہماری تلاش میں ہے۔) دیکھئے قرآن میں ہم پر خدا حسرت کرتا ہے: ”یٰحَسرَۃً عَلَی العِبَادِ“ اے لوگو! مجھے حسرت ہے، میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

جلتے ہر شب ہیں آسمان پہ چراغ
جانے یزداں ہے منتظر کس کا

آپ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہا ہے کہ کب کوئی بھولا بھٹکا، زندگی کے تواتر سے ہٹتا ہوا، مصروفیات زندگی سے، شہوات و ذات سے ہٹتا ہوا کب کوئی خیال کرے کہ میں ان کاموں کیلئے نہیں بنا۔ میں تو صرف اور صرف خدا کی محبت و انس کیلئے بنا تھا۔

”زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالبَنِینَ وَالقَنَاطِیرِ المُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

وَالفِضَّةِ وَالخَیلِ المُسَوَّمَةِ وَالاَنعَامِ وَالحَرثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الحَیٰوۃِ الدُّنیَا۔ "(العمران ۱۴:۳)

وَمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا اِلاَّ قَلِیل" ان مختصر سے ساٹھ سالوں کی کیا اوقات ہے۔ اس چھوٹی سی مشغولیت میں عقل دھوکہ کھانا تسلیم نہیں کرتی۔ یہ سب چھوٹی چھوٹی مصروفیات ہیں جنھوں نے آپ کو گھیرا ہوا ہے۔ قبر تک کون پہنچا ہے آسانی سے...... وہی جس کا ذہن ان چیزوں سے آزاد ہو۔ رشتوں سے، ناطوں سے، زندگی کے المیوں سے گذرتے ہوئے آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ موت تک پہنچنے کا ذریعہ صرف ایک ہے۔ possessions سے آزادی......

وَمَا عَلَینَا اِلاَّ البَلاَغ

سوال و جواب

سوال: تقدیر یا جبر و قدر کیا ہے؟

جواب: پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ زندگی اور آسمان و زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہم نے جو کچھ بھی ہونے والا تھا، جو کچھ مہیا کیا جانے والا تھا، جو کچھ چھینا جانے والا تھا، سب کتاب محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اسی کے مطابق تمام واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ "وَمَا مِن دَآبَۃٍ فِی الاَرضِ اِلاَّ عَلَی اللہِ رِزقُھَا وَیَعلَمُ مُستَقَرَّھَا وَمُستَودَعَھَا – کُلٌّ فِی کِتَابٍ مُّبِینٍ" (ہود:٦) کہ رزق کہاں کہاں ہیں۔ sources کہاں ہیں۔ زندگی کہاں ہے۔ آنا جانا کہاں ہے۔ تو determinism جسکو تقدیر کہتے ہیں دراصل اس کا وہ مطلب نہیں۔ اسم "جبار" کے تحت اللہ نے زمین کو arrange کیا ہے۔ ایک لمحہ زمانہ کو ایک مقامِ زمین میں سمونے کا نام تقدیر ہے۔ اگر time and space کو ایک ترتیب سے نہ رکھا جاتا۔ انہیں سمیٹا نہ جاتا تو آج اس مقام پر کبھی بھی ہم اکٹھے نہ ہو سکتے اور زمان و مکان کا توازن different ہوتا۔ زمین کسی اور جگہ ہوتی، زمان کسی اور جگہ ہوتا۔ تو سب سے بڑا کام تقدیر کے تحت جو اللہ نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ زمان و مکاں میں ایک دوسرے کو اس ترتیب سے سمیٹا ہے کہ انسان کیلئے بہتری ہو۔ دوسری بات خواتین و حضرات کہ ہم جبرِ مطلق کے جتنے بھی ذرائع دیکھتے ہیں جیسے آسمان ہے، زمین ہے جیسے سورج اور چاند ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کا تمام جبر سہولت ہے۔ اگر سورج ایک لاکھ میل ادھر آ جائے تو زندگی جل کے خاک ہو جائے۔ اگر ایک لاکھ میل پرے چلا جائے تو زندگی freeze ہو جائے۔ اگر چاند اپنے اس مقام سے نکل جائے تو اس کے فوائد ختم ہو جائیں۔ سمندر طغیانیوں کی نذر ہو جائیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اردگرد ایک life belt کو قائم رکھنے کیلئے (اس زمین کو ہم life belt کہیں گے) زندگی کی افزائش کیلئے، اس کی حفاظت کیلئے سب سے پہلے ایک کائناتی جبر قائم کیا گیا۔ ستاروں کو ایک جگہ رکھا گیا اور تمام galaxies کو اس کے مطابق مرتب کیا گیا تا کہ زمین پر انسانی زندگی بہتر ہو جائے۔ اسکے بعد اللہ نے زمین کو بنایا۔ جب زمین کو بنایا تو اس کے بعد اس نے کہا کہ دو دن لگائے ہم نے زمین بنانے میں اور دو دن لگائے ہم نے اس میں اسبابِ ضرورتِ انسان رکھنے میں۔ مثلاً اس نے اُس وقت جو lead crystal (سیسہ) زمین میں رکھی وہ آج کے دن uranium (یورینیم) میں تبدیل ہوئی اور چونکہ اس کی ضرورت آج تھی تو جو پہلا انسان اترا نہ اس کو کھیتی باڑی آتی تھی، نہ اسکو کوئی ہنر آتا تھا۔ اس کو کچھ

بھی نہیں آتا تھا۔ مدتوں زمانے میں انسان ایسے رہا کہ نہ وہ پیدائشی طور پر قابلِ ذکر تھا نہ وہ عملی طور پر قابلِ ذکر تھا۔ اگر اسوقت اللہ وہ اسباب زندگی مہیا نہ کرتا جو اسکے جینے کیلئے ضروری تھے یا ان پھلوں کو نہ رکھتا، اُن درختوں کو نہ رکھتا جو اُسکی زندگی کیلئے ضروری تھے تو شاید انسان وہیں ختم ہو جاتا۔ "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ہ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ہ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ" (۹۵ : ۳-۱) خدا اُن تخلیقات کی قسم اسلیئے کھاتا ہے کہ جب زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔ انسان میں کوئی ہنر نہ تھا۔ تخلیقی مراحل سے ابھی انسان نہیں گذرا تھا تو مدتوں اُسکو پالنے کا کام صرف اور صرف Alien interference (بیرونی مداخلت) سے کیا گیا۔ اس کیلئے خدا نے چاہے ملائکہ بھیجے، چاہے آدمؑ کو کسی طرف راغب کیا یا اشارہ اور کنایہ دیا۔ تیسرا مقدر خواتین و حضرات اُس وقت آیا جب اُس نے آپ سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کو کہاں بھیج رہا ہوں۔ تمام انسانوں پر ایک تیسرا جبرِ مطلق یہ تھا کہ آپکو نہ ماں باپ کی خبر تھی، نہ بہن بھائیوں کی، نہ ماحول کی۔ اگر انسانوں کے پاس choice ہوتی تو سارے شاید آج "بل گیٹ" کے گھر پیدا ہونے کی آرزو کرتے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ چونکہ انسان کے بچے میں اور جانور کے بچے میں ایک بنیادی فرق ہے اور یہ فرق بہت نمایاں ہے کہ جانور کا بچہ ماں کے پیٹ سے نکل کر فعال ہو جاتا ہے۔ سانپ کا بچہ انڈے سے نکل کر سرسراتا ہوا غائب ہو جاتا ہے۔ بکری کا بچہ آدھی گھڑی کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کے تلاش زندگی کرسکتا ہے۔ This same does not happen with the child of men. اُسکو وقت چاہئے۔ اُس کو کوئی نہیں پال سکتا ماں باپ کے سوا۔ نہ صرف ایک دن بلکہ پندرہ سولہ برس تک وہ اپنی زندگی میں سر اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اُسکو ایک محفوظ تر family چاہئے۔ ایک programming چاہئے۔ اس programme کیلئے اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے دلوں میں محبتیں اور باپ کے دل میں شفقتیں ڈالیں تاکہ وہ اپنے بچوں کی نگہبانی کریں حالانکہ ان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک individual units ہوتے ہیں جن کو زمین میں آنا اور اپنے اپنے مراحلِ تربیت و آزمائش سے گذرنا ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اللہ نے ماں اور باپ کے دل میں یہ انس تخلیق کئے۔ آپ اگر یورپ کو دیکھیں تو سولہ سال تک ایک بچہ انتظار کرتا ہے کہ کب اُسے ماں باپ نکال دیں اور ماں باپ انتظار کرتے ہیں کہ کب سولہ برس ہوں اور ہم بچوں کو گھروں سے نکالیں۔ یہ وہ ہے جو انسان کی خود غرضی اور اُسکی دانست میں ایک سوچا سمجھا قدم ہے۔ جس کی وجہ سے non descript, non behaving generations پیدا ہوتی ہیں جن کو نہ ماں ملتی ہے نہ باپ ملتا ہے بلکہ اب تو یہ حال ہے کہ رشتہ داری اور رابطہ داری میں شادی کا لفظ ہی یورپ میں گناہ سمجھا جاتا ہے اور وہاں اُسکی بجائے partnership کا تصور آ گیا ہے اور illegality of children is so common (غیر قانونی بچوں کی پیدائش اتنی عام ہے) کہ اُسے کوئی خاندان بھی ڈھونڈنے میں مدد نہیں مل رہی۔

اسکے باوجود خواتین وحضرات ایک چوتھا مرحلہ ایک بہت بڑا مرحلہ ہے کہ ہم ہمیشہ مقدر کے اوپر un scientific (غیر سائنسی) انداز میں سوچتے ہیں۔ یہ صرف ہم پر لاگو نہیں ہے۔ ہمارے علاوہ ایک بلین مخلوقات اور بھی ہیں زمین پر۔ اگر ہم تھوڑے سے عرصے کیلئے یہ دعویٰ بھی کریں کہ مقدر ہم نے built کیا ہے یا ہمارے قبضہ قدرت میں ہے یا ہم نے یہ کام کیا ہے یا ہم نے یہ کام کرنا ہے۔ تو What about a bird, what about an animal, what about an ant, what about a mosquito. یعنی کیا آپ کو اُن کی زندگی میں بھی مقدر کے حصول کی ایسی چیز، ایسی intelligence نظر آتی ہے جیسے بندے اپنے لیے claim کرتے ہیں۔ خداوندِ کریم نے اُن کا بھی بندوبست کرنا تھا آپکا بھی کرنا تھا۔ زمین میں تمام ذخائر، انداز، تمام sources اس لحاظ سے رکھے گئے تو کچھ sources زمانوں کے ساتھ reveal (ظاہر) ہوتے گئے۔ جب انسانوں کی آبادیاں بڑھ گئیں جب جنگِ عظیم میں بے شمار انسان قتل ہو رہے تھے اور کوئی سبب نہ تھا زندگی بچانے کا تو اللہ نے حادثتاً، اتفاقاً miraculously (معجزانہ طور پر) الیگزینڈر فلیمنگ کو penicillin (پینسلین) دے دی اور وہ اسکی ہمت کا حصہ نہیں تھا۔ وہ اس کی ریسرچ کا حصہ نہیں تھا۔ بس ایک بڑھیا نے کھڑکی کھولی۔ اُوپر سے ڈبل روٹی پھینک دی اور اس کا ایک ذرہ اُڑ کر اُسکی culture، plate میں آ گیا اور culture، plate کے جراثیم مر گئے۔ ڈاکٹر نے دیکھا کہ یہ کہاں سے واقع ہوا۔ کیسے ہو گیا۔ جب اُس نے research کی تو penicillin دریافت ہوئی۔ یہی حال mycene (مائی سین) کا تھا۔ یعنی زندگی کے بڑے بڑے مراحل میں خداوندِ کریم نے انسانوں کی سہولت کیلئے اسے نت نئی ایجادات سے نوازا اور اس میں ایمان والے اور غیر ایمان والے کی تخصیص نہیں تھی۔ ہر وہ آدمی جو خلوص سے محنت کرتا تھا اُسکو خداوندِ کریم نے صلہ دیا۔ یعنی آپ دیکھو کہ نیوٹن نے بارہ سال کے بعد law دریافت نہیں کیا جب تک کہ اُس کے وجدان

میں اللہ نے اشارہ نہیں ڈال دیا اور اس نے کشش ثقل دریافت کر لی۔ بات یہ ہے کہ مقدر کے بارے میں:

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی

We don't know what happened in the past. ہمیں نہ اپنی ابتدائے حیات کی خبر ہے، نہ ہمیں مستقبل کی خبر ہے۔ جب زندگی کے دور سے گذرے، activity سے گذرے، پھر دوبارہ dependence شروع ہو گئی بیٹوں پر، بچوں پر ...... علامات تو زندگی نہ رہی، بینائی ختم ہوئی۔ سننے کی طاقت گئی۔ Sans taste, sans teeth, sans everything. یعنی وہی دور جو بچپن کا دور تھا، جہاں ہمیں protection اور زندگی کی ضرورت تھی۔ یہ خطلہ، جوانی العمری ختم ہوا اور اب پھر وہی مسکینی و محتاجی بوڑھوں میں شروع ہو گئی۔ کوئی شوگر سے پڑا ہے، کوئی anxiety سے مردہ پڑا ہے، کوئی اپاہج ہوا ہے، یعنی صرف تھوڑے سے عرصے کیلئے انسان یہ خیال کرتا ہے کہ جو کچھ کر رہا ہوں میں کر رہا ہوں اور میں اپنی زندگی کیلئے responsible ہوں۔

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا کی خبر

خواتین و حضرات! مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اب ایک اور بات سنیے! فرض کرو کہ آپ قبر تک گئے اور اللہ نے کہا کہ تمہارا رب کون تھا۔ آپ نے کہا: "Sorry" اللہ میاں! آپ نے فرصت دی ہوتی تو میں سوچتا، آپ نے مجھے پیدا کیا مصیبتیں ڈال دیں، روٹی میرے ذمے لگا دی، محنت کرنی میرے پلے ڈال دی، میں کام کاج کرتا رہا۔ میں ماں باپ سنبھالتا رہا۔ میں نے بہن بھائیوں کی ذمہ داریاں اٹھائیں اور پھر اسکے بعد نوکری علیحدہ، اوپر Bosses کی سرگرمیاں سنبھالتے میری عمر تمام ہوئی۔ خداوندا گر تو فرصت دیتا تو میں جاننے کی کوشش کرتا کہ تو کون ہے کیا ہے؟"" آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ reason اچھی نہیں ہے؟ میرا تو خیال ہے کہ یہ بڑی معقول reason ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر انسان واقعی ایسا سب کچھ کرتا ہے اور خدا کے سامنے یہ عذر رکھے کہ میں مصروف تھا۔ مجھ پر تو نے قرض رکھا ہوا تھا زندگیوں کا ...... لوگوں کے مسائل رکھے ہوئے تھے۔ ماں باپ کے فرائض رکھے ہوئے تھے۔ I didn't have much time, i didn't have much time to do all this to know about you. تو ربّ کعبہ کی قسم ہے کہ انسان کی ڈیل میں وزن تھا مگر خدا کہتا ہے کہ بندہ جھوٹ بولتا ہے۔ اسکے ذمے کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ اسکے ماں باپ، نہ اسکے بہن بھائی، نہ اسکے بچے، نہ اسکا رزق، نہ اسکی عزت، نہ اسکی توہین، نہ اسکے مراتب سفلیہ، نہ اسکے درجات عالیہ۔ اس میں کچھ بھی اسکے ذمے نہیں تھا۔ پھر لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم کرتے کیا ہیں؟ ہم کیوں بھاگتے دوڑتے پھرتے ہیں؟ (بے سود کشمکش میں پڑے ہوئے کبھی ادھر کی نوکری کبھی اُدھر کی) آپ ﷺ نے فرمایا اور بہت سچ فرمایا:...... "قال اللہ" اور "قال الرسول" دیکھئے۔ فرمایا: "مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم" (ھود:۵۶) کہ تمہارا ربّ سیدھے رستے پر ہے اور تمام ذی حیات کا ماتھا اُس نے تھام رکھا ہے۔ خواتین وحضرات! The modern researches will tell you. کہ ماتھے کے پیچھے fore brain ہے۔ forebrain قوت وارادہ کا center ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام تخلیقات کے fore brain میں اللہ نے ایک ریموٹ کنٹرول رکھا ہوا ہے ورنہ کوئی حادثہ نہ ہو، کوئی سانپ کیوں کاٹے؟ کوئی بچھو کیوں ڈنگ مارے، کوئی غلطی کیوں ہو؟ کوئی کوتاہی کیوں ہو کہ جبر مطلق کا جو سلسلہ اللہ نے چلایا ہے۔ وہ بغیر ریموٹ کنٹرول کے نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی کی فطرت میں اس نے ایسا نہیں ڈالا بلکہ وہ اپنی حکمت عالیہ سے fore brain پر کنٹرول رکھتا ہے اور جو کچھ انسان اعمال کرتے ہیں وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اُس fore brain کے کنٹرول سے کرتے ہیں۔ وہ انسان کو چھ جگہ apply کروا رہا ہے۔ اِدھر بھگا رہا ہے۔ اُدھر بھگا رہا ہے۔ کوئی سفارش ڈھونڈ رہا ہے. کوئی توکل کر رہا ہے۔ یہ سارے اعمال آپ نے کرنے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی کام کرانے ہوتے ہیں تو ارادہ اور قوت (drive motives) کو قبضے میں لے لیتا ہے۔ انسانوں کے drive motives کو وہ قبضے میں لے لیتا ہے اور پھر جو چاہتا ہے وہ ان سے کراتا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اُن سے کراتا ہے۔ خواتین و حضرات اگر یہ سارا protocol تسلیم کرلیا جائے تو پھر ایک بہت بڑا سوال کیا جائے گا Why God has created us? اگر اس روٹین سے گزارنا تھا تو پھر خدا نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ What for we are here? What does he mean to do with us? یہ کیا تمسخر ہے؟ یا جان بارڈی کا قول ہے کہ "ہم گیندوں کی طرح ہیں جنہیں وہ اپنے کھیل میں مارتا ہے۔" خواتین وحضرات یہ مقصد نہیں تھا...... "واذ قال ربک للملئکۃ انی

جاعل فی الارض خلیفة" (البقرہ ۳۰) کہ میں نے زمین پر ایک بڑی معزز ہستی کی بنیاد رکھی ہے۔ میں نے اُسے اپنی کائنات کا مالک ومختار بنانا ہے۔ یہ واحد مخلوق ہے جسے میں نے artificial intelligence دے دی۔ باقی مخلوقات کو نہیں دی۔ فرشتوں کو نہیں دی۔ باقی سب اپنی routines (عادات) کے قیدی ہیں۔ وہ تجربہ جو آج کا انسان اپنے روبوٹس پر نہیں کرنا چاہتا پروردگار عالم نے، خدائے مطلق نے اس انسان پر کیا کہ اسے artificial intelligence دے دی۔ اسکو decision power (قوتِ فیصلہ) دے دی۔ اسکو فیصلہ کرنے کی طاقت دے دی مگر دی بڑے عجیب اور انوکھے کاموں کیلئے......خواتین وحضرات! سورۃ دہر کی آیات کا مطالعہ فرمایئے:

"ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شَیاءً مَذکُورًا" (الدھر ۷۶:۱)

بلاشبہ ارب ہا ارب سال انسان زمانے میں ایسے رہا کہ کوئی قابل ذکر شے نہیں تھا۔ پھر اللہ نے کہا کہ میں نے چاہا کہ (پہلے یہ single cell میں تھا) single cell سے یہ double cell میں چلا جائے۔ "ان خلقنا الانسان من نطفة امشاج" پھر ہم نے اس کا نطفہ مخلوط کر دیا۔ پہلے ایسا Amoeba کی صورت میں تھا۔ اب ہم نے اسکو double cellular (دوہرے نطفے) کی صورت دے دی۔ female (مادہ) اور male (نر) بنا دیئے تاکہ production (نسل) کی بہتری ہو جائے۔ ہم اسے آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ "نبتلیہ فجعلنہ سمیعا بصیرا" ہم نے اسے بڑا special gene دیا تھا۔ اس مخلوق کو ہم آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ اس سے ہمارا ایک خاص مقصد وابستہ تھا۔ ہم نے اسے سماعت اور بصارت کے system دے دیئے۔ but not yet, he was not able to do what ever God present to do. پھر ایک آخری stage آئی Homo-habilis مکمل ہو گئی Homo-erectus سے Homo-habilis، Homo sapiens sapiens ہو گئی۔ انسان ترقی کرتا ہوا جسمانی وجود میں بالغ ہو گیا مگر ابھی اُسکو تعقل سے واسطہ نہیں تھا۔ وہ جو شعورِ آدم ہے وہ ابھی اُس میں پیدا نہیں ہوا تھا لیکن pre-neolithic age (ماقبل دورِ حجری) کے بعد انسان اچانک بستیاں بساتا نظر آتا ہے۔ میاں بیوی نے کام بانٹ لیے ہیں۔ اچانک لگتا ہے اس کو عقل کی معرفت نصیب ہو گئی ہے۔ اس پر دو اقوال ہیں۔ "شاگردِ محی الدین ابن عربی" نے کہا:

"پھر انسان کو بنا کر اللہ نے اسے چالیس ہزار سال سے دیکھا کیا۔ پھر اس پر ناگہاں تجلی یزداں فرمائی اور یہ سوچتا ہوا انسان ہو گیا۔"

will Durant نے کہا:

We only know this much about human beings, ” perhaps after the ice-age he was such a kind of person. (ہم انسان کے بارے میں صرف اتنا جانتے ہیں۔ شاید برفانی دور کے بعد جو انسان تھا وہ ایسا ہی تھا) Some where heavy electric shock came from the skies and heaven and he had more brain. (کہیں آسمانوں سے ایک بجلی کا جھٹکا آیا اور اس کا دماغ بڑھ گیا) پھر اسکے ذہن کی مقدار بڑھ گئی تو یہ سوچنے کے قابل ہو گیا۔ مگر اسکا مقصد کیا تھا؟ صرف قرآن یہ واضح کرتا ہے۔ خواتین و حضرات یاد رکھیئے کہ دنیا کا کوئی بھی thesis (نظریہ) زندگی کی کسی happening (آغاز) کی مکمل تعریف نہیں کر سکتا۔ کسی بھی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہوئے آپکی معلومات بھی نامکمل رہ جائیں گی۔ خیال بھی نامکمل رہ جائے گا تمام حقائق معمولی بن جاتے ہیں سوائے خدا کے ----- جب missing links (درمیانی رابطے) بیکار ہو جائیں تو پھر قرآن کو جانا پڑتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس چوتھی stage پر ہم نے اسے ذہن عطا فرمایا، دماغ دیا۔ صلاحیت فکری دی اور ایک مقصد بتایا: "اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" (۷۶:۳) چاہو تو ہمیں مانو چاہو تو ہمارا انکار کر دو۔ خواتین و حضرات یہ زندگی کی top priority (ترجیح اوّل) ہے۔ یہ thinking (فکر) کی priority ہے۔ یہ existence (بقا) کی priority ہے۔ اعمال کی priority ہے۔ We only come here to admit to one major fact, do we have God or do we not? اسکے علاوہ زندگی کا کوئی اور prior (بڑا) مقصد نہیں ہے۔ باقی تمام protocol (سہولت) ہے۔ یہ سہولتیں اللہ نے دی ہیں۔ مقدر یہاں نہیں ہے خواتین و حضرات ----- کیا ساٹھ برس مقدر ہے جسے اللہ نے interfere (مداخلت) ہی نہیں کیا، جہاں ظالم ظلم سے آزمایا جا رہا ہے مظلوم، مظلومیت میں اپنے رجحانات سے آزمایا جا رہا ہے۔ جہاں قاتل بخشا جا رہا ہے۔ مقتول سزا پا رہا ہے۔ جس کے بارے میں نیات کا آپ کو علم ہی نہیں ہے وہ کیسے جائیں گے امتحان گاہ میں ----- کیسے result کی interference ہو سکتی ہے؟ اصل میں مقدر تو قبر کے

بعد شروع ہوتا ہے۔ قبر کے بعد آپ کا اصلی مقدر ہے۔ آپ نے جنت جانا ہے یا دوزخ جانا ہے۔ یہاں کونسا مقدر ہے؟ یہاں تو صرف سہولتیں ہیں جو اللہ نے آپ کو سوچنے کیلئے دی ہیں اس لیے میرا نہیں خیال کہ مقدر آپ کو کسی چیز سے روکتا ہے یا نہیں روکتا۔ آپ کے اسباب متعین، آپ کا رزق متعین، ہر چیز متعین...... جس نے مقدر کا انکار کیا اُس نے اپنے آپکا انکار کیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کو ایک حالت میں رہنے نہیں دیا جاتا۔ "تِلکَ الایَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاس" (ہم لوگوں پر ایک جیسے دن نہیں رہنے دیتے۔) کسی کو غربت سے امارت کو پلٹایا جاتا ہے۔ کسی کو امارت سے غربت کی طرف پلٹایا جاتا ہے۔ کسی کو درمیان میں رکھا جاتا ہے۔ There are only three ways (یہ صرف تین راستے ہیں) جسے آپ تقدیر کہتے ہیں۔ Three ways of existence are being tested. (بقا کے تین طریقوں سے آزمایا جاتا ہے) جب آپکو غریب بنایا، دشوار تر زندگی دی تو آپکے اندر qualities جمع کردیں۔ آپ نے کبھی تاریخ کا قول سنا کہ Adversity is the school of all greatness. (غربت ہی تمام عظمت کا گہوارہ ہے) کسی کو غربت دے کے اُسے عظیم qualities دے دیں۔ کسی کو امارت دے کے اُسے tension اور گھبراہٹ دے دی۔ وہ سب کا حساب برابر رکھتا ہے۔ کسی کو درمیان سے گذارا تو نیچے سے تکبر اور اوپر سے inferiority (احساسِ کمتری) دے دی۔ He is checking the people only within these stages till we believe there is a God and we believe in him and we go to grave. اور مسئلہ وہی ہے کہ میں نے ایک شخص کو پیسے دیئے اور کہا کہ "لاہور میں میرا کام کر آنا۔ یہ ہیں کرائے کے پیسے...... یہ ہوٹل میں ٹھہرنے کے پیسے...... یہ تفریح کے پیسے...... فلم دیکھ لینا، سیر کر لینا، کھانا ٹھیک ٹھاک کھانا۔ یہ letter deliver کر کے آجانا" اور خواتین و حضرات وہ واپس آئے تین دن کے قیام کے بعد...... کہے "جی میں نے بہت enjoy کیا۔ میں نے سنتوش کماری کی پرانی فلم دیکھی بہت مزہ آیا۔ میں نے فلاں جگہ تماشا دیکھا۔ الحمراء میں ڈرامہ دیکھا اور میں نے کھایا بھی بہت اچھا جی......! میں تو food street میں جاتا رہا ہوں۔ بڑا enjoy کیا۔ پیسے میرے پاس خوب تھے۔ بندوبست خوب تھا"...... "بھئی! میرے letter کا کیا کیا۔ وہ دے کے آئے؟"

"OH, sorry, I forgot to deliver", that's exactly was going to happen to us after the end of this world and Allah is going to ask this question. "normally I gave you life, facilities, children, I gave you a very strong system of living, I gave you so much comforts. I gave you courage to overcome all difficulties of the way... Now tell me have you done your job. Do you know who is your God?" "Sorry, Allah mian! I was too busy. I could not have time to think over this question".

خواتین و حضرات! پروٹوکول facility (سہولت) ہے اور اصولاً یہ decision making (فیصلہ کرنے) میں آپکو مدد دیتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں creator (خالق) ہوں یا میں نے یہ facilities create کی ہیں یا یہ اسباب اور ذرائع میری تخلیق ہیں۔ سب اللہ کا ہے اور آج سے پچاس سال پہلے ان professions میں جواب موجود ہیں کوئی adjust نہیں کرتا تھا۔ قدرتی طور پر جو انسانوں کی تعداد بڑھتی ہے، انداز زندگی بڑھتے ہیں تو اسکے ساتھ نئے professions (پیشے) تخلیق ہوتے ہیں۔ یہ سارا اللہ کا کام ہے کہ اُسنے انسانیت کو بڑھتے ہوئے مدد دی اور اُس کو مختصر کرتے ہوئے بھی مدد دی۔

سوال: انسانی جسم کے اندر روح، دماغ، عقل، نفس اور شیطان کا آپس میں کیا تعلق ہے اور consciousness یعنی زندہ ہونے کا احساس کیا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! اتنا بڑا سوال! حال ہی میں مَیں نے چار پانچ گھنٹے کا ایک لیکچر کیا ہے اور اسکا عنوان تھا۔ Self Satan and Man (نفس، انسان اور شیطان) اور ان میں سے ایک ایک چیز بھی بہت تفصیل مانگتی ہے اور میں مجبور ہوں کہ اس مختصر سے وقت میں شاید اس کی تفصیل میں نہ جا سکوں۔ کیونکہ میرے جتنے بھی لیکچرز ہیں وہ عام طور پر اُن موضوعات پر ہوتے ہیں جو کسی وقت کسی ایک آدھ confusion کا نتیجہ ہوں تو میں مختصراً آپ کو بتاؤں گا۔ اگر آپ میری کتاب ''مقدمۃ القرآن'' دیکھ لیں تو اس میں پہلی دفعہ self کو میں نے جبلتوں کے پیکٹ کے طور پر explain کیا ہے کیونکہ ہم بہت عرصہ جانوروں میں رہے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہم زمین پر کوئی اسّی لاکھ سال سے شعوری طور پر exist کر رہے ہیں اور patterns میں

exist کر رہے ہیں اُس وقت تو ہم آج جیسے انسان نہیں تھے یعنی اگر آپ primates (بندر نما انسان) کو دیکھیں کہ جس شکل میں انسان موجود تھا۔ تو primate کو دیکھ کے بچے ڈر تو سکتے ہیں اور خوفزدہ ہو سکتے ہیں مگر primates کو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارے آباؤاجداد تھے۔ وہ اتنے بدہیئت ہیں تو اسی لاکھ سال پہلے مخلوق زمین میں ایک فیصلہ ہوا۔ کچھ زمین کے بلوں میں گھس گئے۔ کچھ اوپر چڑھنے والے تھے۔ اُن میں ہم بھی تھے، حضرت انسان بھی تھا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم آسمانوں کو بلند ہوں۔ This was the first effort (یہ وہ پہلی کوشش تھی) یعنی فیصلہ کرنے کی...... جسکے بعد انسان درختوں پر چڑھے، اُن کی آنکھیں گھومنی شروع ہوئیں۔ And we made this decision مگر اسکے باوجود جب تک ہدایت ہم کو نہ پہنچی تھی، جب ہم ایک جسمانی تربیت کے مراحل سے گزر رہے تھے تو اس وقت یہ لازم تھا کہ ہم جانوروں کی عادات لے لیں کیونکہ لاکھوں برس ہم جانوروں کے ساتھ رہے تھے۔ جانوروں کی جس جبلی اقدار کے ساتھ ہم نے وقت گذارا ہے، چالیس ہزار برس جو ہم نے زندگی گذاری ہے جہاں ہم تھوڑا سا شعور بھی حاصل کر چکے تھے تو پھر بھی ہم اُن جانوروں کی صحبت سے گریزاں نہیں تھے۔ اس لئے ہماری عادتیں defence (حفاظت) کی، grab (چھینا جھپٹی) کی، لالچ اور انس کی، قبضے کی، یہ ساری انہیں کی طرف سے آئی ہیں۔ ان سب سے ایک self بنتا ہے۔ It is a packet of instincts (یہ جبلتوں کا ایک پیکٹ ہے) جس نے مل کر ہمارے نفس کی تخلیق کی ہے مگر پھر ان سب سے اوپر عقل کی حکمرانی اللہ نے آدمؑ کے ذریعے انسان کو دی اور ان میں فرق کیا مگر یہ نفس جو ہے ہمیشہ ہمیں retrogression (مراجعت) اور نیچے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ مہذب ترین بھی کیوں نہ ہو پھر بھی retrogression کو جاتا ہے۔ نفسیات میں یہ فرق ہے کہ یہ اس کو بہتر self کہتی ہے مگر اللہ اسے ہر حال میں حریف گنتا ہے۔ حدیث قدسی ﷺ ہے کہ انسان کے نفس کی شکل میں اللہ نے اپنا سب سے بڑا دشمن تخلیق کیا کیونکہ بہر حال اللہ کی معرفت عقل سے ہے اور جبلتیں عقل کی دشمن ہیں۔ یہ emotional stance (جذباتی ترتیب) پر ہیں۔ self (نفس) کو ہوا دینے والی دو چیزیں ہیں۔ self کا اور شیطان کا میں آپ کو بنیادی فرق بتا دوں کہ self وہ ہے جو repeat کرتا ہے۔ یہ recurrent (متواتر وقوع پذیر) ہے۔ جب آپ کے اندر ایک خواہش پیدا ہوتی ہے تو یہ بار بار repeat کرے گا۔ اگر آپ نے ٹی وی لینا ہے تو آپ بھول نہیں سکتے۔ ہر روز یہ آپ کو ٹی وی یاد کرائے گا۔ ''یار ٹی وی

لیتے کیوں نہیں۔ یار گاڑی چاہیئے، گاڑی لیتے کیوں نہیں، دیکھو فلاں کے پاس آ گئی آپ کیوں نہیں گاڑی لیتے ہو۔ یار کتنا برا لگتا ہوں پیدل چلتے ہوئے، دیکھو ساری دنیا گاڑیوں پر سے گزرتی ہے۔" یہ آپ کو بار بار repeat کریگا۔ اتنی بار repeat کرے گا کہ یہ state of anxiety، (بے چینی کی حالت) پیدا کر دے گا۔ جہاں اُٹھو گے گلہ لے کے، جہاں بیٹھو گے گلہ لے کے، اور یہ آپکی عمر گھٹا دے گا۔ خواتین و حضرات اسکی مثال ایک بڑے مشہور چھوٹے سے افسانچے میں دی گئی کہ ایک خاتون کو بڑا شوق تھا۔ مارکیٹ میں گئی، اُسنے دیکھا کہ ایک چمچماتی ہوئی خوبصورت نئی گاڑی کھڑی ہے، وہ بہت افسردہ اور بے چین ہوئی کہ کتنی خوبصورت ہے، وہ قریب گئی تو اُس نے دیکھا کہ ایک بڑی بد ہیئت قسم کی بڑھیا اُسے چلا رہی ہے تو اُسکے دل میں خیال آیا۔ بھلا یہ بھی deserve کرتی ہے گاڑی کو۔ اس گاڑی میں تو میں deserve کرتی ہوں۔ میں جو اس قدر خوبصورت ہوں۔ I'm such a beautiful women, such a graceful girl. میں deserve کرتی ہوں تو اُسنے عہد کیا کہ میں گاڑی خرید کر چھوڑوں گی ...... پھر اُس نے پیسے بچائے، محنتیں کیں۔ اُس نے رنگ اجاڑ لیا۔ اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالا۔ After about ten or twelve years she was able to buy a car. تو اس میں اسکی خوشی کی کیا انتہا ہوگی۔ وہ car خرید کر مارکیٹ میں گئی تو قریب سے گزرتے ہوئے دو شوخ لڑکیوں نے کہا: "دیکھو! گاڑی کتنی خوبصورت ہے اور یہ کتنی بدصورت ہے۔" دراصل self یا نفس آپکی کسی خواہش کو آسیب کی طرح آپ پر مسلط کر دیتا ہے۔ اسی طرح neurosis (اعصابی خلل) اور psychosis (نفسی بیماریوں) میں آپ دیکھتے ہو کہ ذہن ایک خیال کو بار بار پلٹا رہا ہوتا ہے۔ بار بار آپ پر obsessions (وہم) ڈال دیتا ہے۔ تمام psychological diseases are born because of the repetitive self. (تمام نفسیاتی بیماریاں نفس کی تکرار سے پیدا ہوتی ہیں۔) یہ کسی بھی possession یا کسی خیال کو repeat aggressively کرتا ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں سوائے اللہ کے...... ڈاکٹروں کے پاس بھی کوئی علاج نہیں (معاف کرنا) میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ کوئی بھی Pshychological Obsession fully curable (نفسیاتی وہم مکمل طور پر قابل علاج) نہیں ہوتا صرف اسکے سلسلے توڑنے ہوتے ہیں جیسے پرانے زمانے میں لوگ جنات کے مریضوں کو جوتیاں مارتے تھے یا الٹا لٹکاتے تھے، یا دھونی دیتے تھے

مرچوں کی، تو اصل میں وہ اس لیے دیتے تھے کہ اس کو موت کا ڈر پیدا ہو کیونکہ موت کا ڈر واحد ڈر ہے جو اس قسم کے بگاڑ پر غالب آتا ہے۔ پھر آخر مار کھا کے بیچاری کوئی لڑکی، لڑکا پکار کے کہتا ہے۔ "نہیں جی! بس جن چلا گیا۔" I'm OK. یہ حال آجکل ڈاکٹر کرتے ہیں۔ From synthetic to electric shock وہ اتنے زور کے جھٹکے دیتے ہیں کہ آپ کے centre of brain (مرکز دماغ) میں جو thought یا خیال repeat ہو رہا ہوتا ہے وہ اُسے shift کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چاہے سزا سے کریں ----- But this is not fully curable. (لیکن یہ مکمل طور پر قابل علاج نہیں ہوتا۔) یعنی ابھی ہم دیکھتے ہیں کہ پورے امریکہ میں بھی schizophrenia نا قابل علاج ہے۔ صرف وقتی طور پر heavy matter سے سوسلا کے تھوڑا آرام دے کر اس کی شدت کو کم کر دیا جاتا ہے۔

سوال: قرآن مجید، فرقان حمید قلب محمد ﷺ پر اتارا گیا تو کیا قلب کا درجہ دماغ سے بلند ہے؟ کیا قلب دماغ سے زیادہ مضبوط ہے؟ اور کیا قلب سے مراد وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جسے medical science جانتی ہے؟

جواب: خواتین وحضرات! اصل میں اس سوال کے حوالے سے کچھ چیزیں فرض کر لی گئی ہیں۔ باقی جو وحی کے آثار ہم تک پہنچتے ہیں اس میں دل کی بجائے دماغ receptive (قبولیت) کا نشان ہے کہ حضور گرامی مرتبت ﷺ کو سخت پسینہ آیا کرتا تھا اور اُن کی جبین مبارک عرق آلود ہو جایا کرتی تھی اور وہ بڑی اذیت محسوس کرتے تھے تو اصل میں کسی بھی چیز میں دل جو ہے وہ emotions (جذبات) کا مرکز ہے۔ اس سلسلے میں میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ feelings احساسات، جذبات، emotions سب sciences ہیں چونکہ بعض چیزوں تک ہماری نظر نہیں گئی تو ہم اُن کو non scientific کہتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان تمام کا تمام انتہائی delicate نزاکت کے اصول پر بنایا گیا ہے اور دل سے چلا ہوا emotion یا ایک directive (حکم) دماغ میں آدھے سیکنڈ تک پہنچتا ہے۔ یہ ایک blind, emotion (اندھا جذبہ) ہوتا ہے جس کو دماغ interpret (واضح) کرتا ہے۔ اسکے علاوہ یہ کچھ نہیں۔ اگر آپ نے اس میں پلاسی کا سن نہیں ڈالا ہوا تو آپ جتنا مرضی زور لگا لو یہ پلاسی کا سن آپ کو نکال کے نہیں بتا سکتا۔ یہ fully fed computer ہے (مکمل تربیت یافتہ) اور کسی بھی emotion کو یہ interpret کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی دل اُداس ہے اور دماغ کو

سگنل بھیجے کہ میں کیوں اُداس ہوں تو یہ بتائے گا کہ آپکی بکری کا بچہ مرگیا، اسلئے اُداس ہو۔ یہ سارا brain کا stance (خاص انداز) ہے۔ یہ وہ نفیس ترین computer ہے خواتین وحضرات کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ You cannot imagine کہ اسکے connections اتنے نازک ہیں کہ ان کی تعداد 9×10^{36} ہے بلکہ جب ایک کاغذ پر آپ کاغذ رکھتے ہو اور اس پر دوسرا کاغذ رکھتے ہو تو پندرہ ارب سال تک اگر کاغذ رکھتے چلے جاؤ تو پھر کہیں جا کر یہ brain connections (ذہن کے رابطے) پورے ہوتے ہیں۔ ہمارے اندر اس قدر نازک ترین وسعت ہے۔ اصل میں ہمارا پورا دماغ 007 (وولٹ) چارج پر چل رہا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ دماغ کا اس قدر نازک ترین نظام 007 چارج پر چل رہا ہے۔ دماغ کے کسی حصے میں جب fixation (مرکزیت) پیدا ہوتی ہے تو charge بعض حصوں کو جانا بند ہو جاتا ہے اور کچھ حصے کو زیادہ جانے لگتا ہے۔ یہ تمام ذہنی گڑبڑ اس charge کی concentration کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے نہ اس قسم کی کوئی specification (تفصیل) موجود ہے کہ اگر حضور ﷺ کے دل پر یہ اترتا یا الفاظ میں القاء ہوتا۔ اگر چہ یہ بھی ایک صورت موجود ہے کہ اُن کو القا بھی کیا گیا۔ وحی کے چونکہ بہت سے ذرائع ہیں کہ جس میں باہر سے ایک شخص (جبرائیل) نے آ کے کوئی بات کہی۔ یا دل کے اندر سے نکلا۔ براہ راست ہم تک وحی کی صرف ایک صورت پہنچی ہے جو رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں بتائی ہے کہ جیسے زنجیروں کے “کھنکنے” کی آواز ہوتی ہے تو بڑی اذیت سے ذہن کی ایک خاص frequency (رفتار) پر یہ خیال اترتے تھے۔

یہاں میں ایک بات بتاتا چلوں کہ بہت سے لوگ حدیث کا مرتبہ نہیں جانتے۔ اصل میں قرآن establish ہی نہیں ہوتا جب تک ہم حدیث پر آسرا نہیں کر لیتے۔ اگر رسولِ اکرم ﷺ ہمیں نہ بتائیں کہ یہ قرآن ہے تو ہمارے پاس کوئی source بھی نہیں ہے یہ جاننے کا کہ قرآن کیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ حضور ﷺ کی زبان سے دو الفاظِ مبارک نکلتے ہیں۔ ایک قرآن ہے اور دوسرا حدیث ہے۔ اگر ہم حدیث پر trust (اعتبار) نہیں کریں گے تو ہم قرآن پر trust نہیں کر سکتے البتہ ہمارے پاس ایک liberty (آزادی) موجود ہے کہ جب کسی کو حضور ﷺ نے قرآن کہہ دیا تو اُس پر ہم questioning (اعتراض) نہیں کر سکتے۔ مگر جب یہ کہا جائے کہ یہ حضور ﷺ کا دوسرا قولِ مبارک ہے تو بھی ہم اُس پر

discussion کرنے میں احتیاط کرتے ہیں اور حدیث کی افادیت اتنی زیادہ مضبوط ہے کہ وہ شخص جو قولِ رسول ﷺ کا منکر ہے وہ قرآن کا بھی منکر ہے اسلیئے کہ اسکے علاوہ ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ قرآن، قرآن ہے۔ اگر آپ یہ کہو کہ اُسکی عربی اچھی ہے تو وہ تو میرا خیال ہے چند ایک معزز عربی دانوں کو ہی سمجھ آئیگی۔ ہمیں تو اُس آدمی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اُسکی عربی زیادہ اچھی ہے یا بُری ہے۔ اگر آپ یہ کہو کہ اُس کا style جدا ہے تو میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بے شمار لوگ عربی کا style سرے سے جانتے ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ کہو کہ اُس میں خدا بولتا ہے تو خدا تبھی سمجھا جائے گا جب عربی پر گرفت ہوگی۔ اُس میں بے شمار ایسی باتیں ہونگی جن تک ہماری رسائی نہیں ہے مگر اس قرآن کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے messanger کی صداقت کو ثابت کیا۔ چالیس برس تک صادق اور امین صرف اسلیئے رسول اللہ ﷺ کو کہلوایا کہ جب یہ شخص بات کرے تو لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ شخص کوئی غلط بات نہ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے اور جو کچھ یہ دے رہا ہے یہ سچ ہے حتیٰ کہ جب ''کوہ فاران'' پر حضور ﷺ نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ اِس پہاڑ کے پیچھے فوج ہے تو آپ کو پتہ ہے کہ لوگ بھاگنا شروع ہو گئے کہ اگر یہ گمان بھی کر رہے ہیں تو سچ ہوگا۔ یعنی انہیں اتنا اعتقاد اور اتنا یقین اُس صداقت و امانت پر، اِس اللہ کے رسول ﷺ پر تھا۔ جب لوگ آپ ﷺ کی بات کے قائل ہو گئے تو لوگوں نے یہ کہا کہ ان پر جنات آ گئے ہیں۔ ان میں جادوگری آ گئی ہے مگر کسی شخص نے رسول کرام ﷺ کی صداقت و امانت کو شبے کی نظر سے نہیں دیکھا۔ یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ ایمان رسول ﷺ کے بغیر ہے ہی نہیں کہ ہم نے اُن کی بات مان کر خدا کو تسلیم کیا ہے۔ غیب ہماری نظر میں نہیں تھا۔ ہم جاننے والے نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بغیر کسی کو جاننے والے نہیں تھے۔ ایک سلسلہ چل رہا تھا کہ کسی نے کہا کہ موسیٰ ''کلیم اللہ'' ہیں۔ کسی نے کہا کہ عیسیٰ ''روح اللہ'' ہیں۔ اُن میں کلمہ پھینکا گیا۔ اب ہمارے رسول ﷺ کی باری جب آئی تو اللہ نے کہا کہ کم از کم ایک تو witness (گواہ) ہو جو visual witness create کرتا ہو۔ (بصری گواہی رکھتا ہو) ایک natural progress (قدرتی سلسلہ) ہے کہ ایک رسول کو کلام دے دیا گیا۔ اگلے رسول کو روح یعنی جبرئیل امینؑ عطا کر دیئے گئے کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ "وَاَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ" اب آگے کیا رہ گیا تھا establish کرنے کیلئے سوائے vision (بصری شہادت) کے اور پوری کائنات میں اور پورے زمین و آسمان میں اگر اللہ کے اُوپر ایک بھی

personal witness (ذاتی گواہی) نہ ہوتی تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ سارے کا سارا آسیب ہے۔ خدا نے چونکہ اپنی ذات گرامی پر شہادت مکمل کرنی تھی اسلیئے شب معراج کو یہ آخری degree (درجہ) پوری کر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ ذات پروردگار کے eye witness (بصری گواہ) ہیں۔ اور پھر وہی امانت وصداقت کی بات ہے کہ بہت سے انبیاء کے process (تسلسل) سے گذرتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ واحد eye witness ٹھہرے اور اللہ پر شہادت دینے والے ٹھہرے، شاہد ٹھہرے اور نذیر ٹھہرے۔ ویسے بھی اگر آپ قرآن حکیم پڑھو تو اسکی ایک آیت بڑی واضح ہے۔

”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاسلامَ دِیناً“ (۵:۳)

کہ آج ہم نے دین بھی مکمل کر دیا اور نعمت بھی تمام کر دی۔

خواتین وحضرات! دین کتاب ہے اور نعت رسول ﷺ ہیں۔ وہاں کتاب ختم ہوئی اور یہاں صاحب کتاب ختم ہو گیا۔

سوال: ہم اسلام کو کیوں follow کریں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اسلام کو نظر انداز کر کے زیادہ کامیاب ہیں اور زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں؟

جواب: اوّل تو یہ ساری judgement (فیصلہ) سرسری ہے۔ ابن بطوطہ کسی ساحل سے گزرا تو اُس نے کہا کہ ”وہ ہم نے کون دیکھا کہ جو بوزنیوں سے بات کر رہا تھا“ ...... ہو سکتا ہے کہ بے چاروں کے ہاں کوئی دعوت ہو تو یہ ابن بطوطہ قسم کی statement (بیان) ہے کہ ہم نے دیکھا کہ لوگ بڑے خوش ہیں۔ بڑا enjoy کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے بھی پوچھ کے دیکھ لو۔ میں جو ہزاروں لوگوں سے ہفتے میں ملتا ہوں یا دیکھتا ہوں۔ میرے نزدیک I can simply call it an age of fear and frustration (میں اسکو صرف خوف وحزن کا دور کہوں گا۔) مشرق اور مغرب سے ایک ہی report آ رہی ہے۔ میں آپ کو ایک حیران کن بات بتاؤں کہ جب میں امریکہ گیا تو بہت سی christians خواتین اور مرد جو مجھے ملنے آئے اُن کا ایک ہی claim مسلسل تھا، کوئی کہتا تھا کہ میں بائیس سال سے جاگ رہا ہوں، کوئی کہتی تھی کہ میں بیس سال سے جاگ رہی ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی اس بات کی ...... اتنی بے چارگی ......! آپ سوچ نہیں سکتے کہ کس بے چارگی سے مجھے joice نے کہا ہو گا کہ ”پروفیسر I have not slept for the last twenty one years. (میں اکیس سالوں سے نہیں سوئی۔) تو کون کہتا ہے کہ وہ enjoy کر رہی تھی۔ ایک صاحب مجھے ملے وہ fine arts کے تھے۔ میں نے انہیں کہا Have you ever thought of the bigger realities of life. (کیا تم نے زندگی کی بڑی حقیقتوں کے بارے میں کبھی سوچا ہے۔) تو اُس نے مجھے کہا کہ چالیس سال تو میری عمر ہو گئی ہے۔ ابھی تک تو مجھے خدا کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا، نہ مجھے ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب آدمی ایک frustration میں، ایک frustrated pattern میں اتنا دور آگے جا چکا ہو مگر یہ کیا پتہ کہ اکتالیس سال میں برأت یوں لگ جائے اور میرا خیال یہ ہے کہ ہم سب transition میں (گزران) فیصلہ دیتے ہیں۔ ہم کسی کی زندگی کو پوری طرح نہیں جانتے۔ مثلاً لوگ کتنے حیران ہوئے ہوں گے جب ذوالفقار علی بھٹو Prime Minister (وزیر اعظم) بنے ہوں گے۔ کتنی حیران کن اور تیز رفتار ترقی تھی مگر کیا کسی کو کچھ پتہ تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے تو اس کی زندگی کا صرف ایک حصہ دیکھا ہے۔ کیا پوری زندگی دیکھ کے آپ اُسکو خوش بخت کہہ سکتے ہو یا نواز شریف کو دیکھ کر جب وہ fullest importance سے جیتے ہوں گے تو آپ نے کہا کہ یہ تو دس سال گزارے گا۔ کیا اُس نے دس سال ہی گزارے۔ کیا موجودہ دور حکومت میں جب آپ دیکھتے ہو کہ

دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا پادشاہ
تختِ زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے

Do you think they will always stay? do you think? (کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے؟) یہ ساری حرکات و سکنات اسی طرح رہیں گی؟ ہم زندگی کو transition میں دیکھتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے وقفوں سے دیکھتے ہیں۔ packets میں دیکھتے ہیں۔ ہم چونکہ frustrated (اداس) ہوتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی ذات کے بحران سے دوسروں کی زندگی دلچسپ نظر آتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ Why Islam? اسلام مجبوری ہے۔ پہلا سوال اپنی جگہ موجود ہے۔ no Islam, no religion, no budhisim, no christianity. Questian yourself, God or no God? (نہ اسلام، نہ مذہب، نہ بدھازم، نہ عیسائیت، اپنے آپ سے سوال کرو کہ خدا ہے یا نہیں ہے۔) مذہب تو بعد کی بات ہے، جس نے خدا کی طرف جانا ہے، جس نے خدا کا حصول

رکھتا ہے، جس نے خدا کی محبت اور انس پالئی ہے اُسکی مجبوری ہے کہ وہ اسلام اختیار کرے۔ اسلام ہی واحد راستہ ہے۔ Islam is the only way. اگر مجھے christianity میں خدا مل جاتا تو میں christian ہو جاتا۔ اُس میں تھوڑی زیادہ آزادی ہے۔ اگر Budhism میں خدا مل جاتا تو میں بدھسٹ ہو جاتا۔ میری مجبوری یہ ہے کہ خدا نے سختی سے Ban کر دیا۔ اُس نے کہا دیکھو! پہلی کتابیں جزوی ہیں۔ پانچویں چھٹی کی ہیں، قرآن مکمل کتاب ہے۔ اب اس کتاب کے بغیر میں کوئی reference قبول نہیں کرتا۔ کتاب کا استاد اپنے اپنے معیار کا ہوتا ہے۔ چونکہ قرآن کا استاد محمد ﷺ ہے۔ میں محمد ﷺ کی متابعت کے بغیر تمہیں accept نہیں کر سکتا۔ "وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً "میرے پاس اگر تم اسلام کے سوا کسی اور دین پر چل کے آئے، فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ" (۳:۸۵) تو میں قبول نہیں کرونگا۔ خواتین و حضرات! اسلام مجبوری ہے۔ choice نہیں ہے۔ choice صرف اللہ ہے۔ choice وہی پروردگار عالم ہے جسکی محبت اور انس میں یہ رستہ ہے۔ اسلام رستہ ہے۔ اس رستے پر چل کر ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں ہاں یہ سوال ضروری ہے کہ اللہ یا stutue of liberty (مجسمہ آزادی)؟ میں نیو یارک سے گذر رہا تھا تو state of liberty دیکھ کر مجھے بہت ہنسی آئی۔ میں نے کہا: "اللہ تو باز رہ ہی نہیں سکتا۔ تو رہ ہی نہیں سکتا کہ اگر لات و مناۃ و عزیٰ نہ ہوں"۔ اب statue of liberty کے نام پر وہ سب خرافات جاری ہیں جو پہلے لات و منات و عزیٰ کے نام پر جاری تھے۔ یہ تو نے آزمائشیں دی ہیں۔ اب وہ "پتھروں کے خدا" نہیں رہے۔ اب ہمارے اندر ہزاروں خدا پیدا ہو چکے ہیں۔ ہمارے تکبرات ہمارے خدا ہیں۔ ہماری شہوات ہمارے خدا ہیں۔ ہماری آزادیوں کی خواہش، ہماری "بسنت" ہماری خدا ہے۔

سوال: جادو اور سحر ہمارے مذہب میں ایک حقیقت ہے اس سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! پہلے میں یہ غلط فہمی رفع کروں کہ جسکو کہو سحر باطل ہے وہ آگے سے کہہ دیتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر ہوا۔ جی ہاں، ہوا...... مگر مجھے بتائیے کہ استاد کسے کہتے ہیں؟ اگر ایک استاد کم علم ہے، اگر ایک استاد کسی مرض کی شناخت نہیں رکھتا، ایک specialist جو ہے کسی چیز کو جانتا نہیں تو اُسکی دلیل کیا وزن رکھے گی۔ اُس کا علم کیا وزن رکھے گا۔ جب رسول اکرم ﷺ سے لوگ سحر کا پوچھتے تو آپ ﷺ کیا بتاتے؟ اتنا بڑا استاد، زمانوں بھر کیلئے اُس نے شناخت چھوڑنی تھی تو اگر میرے رسول ﷺ سے کوئی پوچھتا کہ آپ ﷺ بتائیے کہ سحر کیا ہے، اس کا علاج کیا ہے

تو رسول ﷺ کیا بتاتے؟ اتنے بڑے استاد پر کسی قسم کے نفاق علیہ کا گمان نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ نے حضور ﷺ کے باطن سے سحر گزارا اور کہا: ''محمد ﷺ! یہ سحر ہے، یہ اثرات ہیں، یہ علاج ہے''۔ اسکے بعد جب استاد محترم باہر آئے تو نہ صرف سحر کی علامات ان کے علم میں تھیں بلکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ یہ دماغ کو متاثر کرتا ہے یہ یادداشت کو بھلا دیتا ہے۔ اسکے اندر confusion یہ ہے کہ یہ نظر کو control کر لیتا ہے۔ پورے کے پورے آسیب کا اثر نظر اور خیال پر ہوتا ہے۔ اسکی concentration build کر لیتا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے عرش کے نیچے سے دو چمکتی ہوئی سورتیں عطا کی گئیں اور یہ ''والناس'' اور ''فلق'' تھیں۔ یہ دافع سحر ہیں۔ خواتین و حضرات! اگر سحر ہو اور آپ والناس اور فلق پڑھ لیں۔ اس پر مزید یہ کہ ساتھ سورۃ اخلاص بھی پڑھ لیں تو آپ کا سحر کیوں نہ جائے؟ نہیں جائے گا...... کیوں؟

Do you know why? Because you don't believe in God.

(کیونکہ آپ کو خدا پر یقین نہیں ہے۔) یہ کوئی جادو ٹونے کی بات نہیں ہے۔ مگر یہ کہ آپ خدا پر یقین نہیں کرتے بلکہ آپ اس شخص پر یقین کرتے ہیں جو کہہ رہا ہوتا ہے کہ تم پر جادو ہوا ہے۔ آپ یقین اللہ پر نہیں رکھتے۔ اس لئے آپ پر سے اثر نہیں جائے گا۔ مگر جادو......؟ ''وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر'' (۲:۱۰۲) اللہ کہتا ہے کہ سلیمان نے تو کفر نہیں کیا۔ یہ شیاطین تھے جو اس کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔ کونسا کفر؟ ''یعلمون الناس السحر'' لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ ابتدائے قرآن میں سحر کی آیات کو رقم کرتے ہوئے اللہ نے ایک بات کی بالکل وضاحت کر دی کہ میرا پیغمبر نہیں سحر سکھاتا۔ میرے پیغمبر کو سحر سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ سلیمان کو کوئی سحر نہیں آتا تھا مگر شیاطین کفر کرتے تھے۔ کونسا کفر؟ کہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ ''وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت'' اگر آپ غور کرو تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم نے ہاروت و ماروت کو اسلیے نہیں اتارا تھا کہ وہ لوگوں کو سحر سکھائیں۔ تو پھر اللہ میاں اتارا کیوں تھا؟ اسلیے کہ نینوا و Babylonian (بابل) اس وقت اپنی عظمت اور خلاقیت کی انتہا پر تھیں اور یہ اپنی تہذیبوں کے عروج پر تھے۔ بے انداز مال و اسباب کی فراوانی تھی۔ یہ بڑے لطیفے کی بات ہے کہ جب لوگ امیر ہو جائیں تو ان میں debauchery (شہوت پرستی) بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح کارتھیجیا کے لوگ لڑنے سے اتنے عاری تھے کہ Carthagian Empire (کارتھیجیا کی سلطنت) نے اپنے آپ

کو بچانے کیلئے ایک فوجی بھی نہیں رکھا ہوا تھا بلکہ باہر سے لوگوں کو درآمد کر کے فوج اور پولیس بنائی تھی یعنی تعیشات کا ایسا عالم تھا کہ اُن کا کوئی بندہ لڑنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ وہی حال ہے جو آجکل لوگ کہتے ہیں کہ روزے وہ رکھے جن کو روٹی نہیں ملتی ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ہم کیوں روزے رکھیں اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ آنے والے وقتوں میں ہر رمضان میں ہر گھر کے سامنے گھر جتنے بندے کھانا کھلانے کیلئے بیٹھے ہوں کہ ان کو روٹی ہم کھلائیں گے کہ ہمیں ملتی ہے۔ ہم روزے کیوں رکھیں یہ ہماری جگہ روزے رکھ لیں گے۔ ہر ایک چیز کی proxy (اجازت) تو نکل ہی رہی ہے...... جب بابل و نینوا کی تہذیب اپنے عروج پر تھی کہ ان کو علمی غرور بھی تھے۔ اُن کو astrology پر غرور تھا۔ اُن کو دولت مندی پر غرور تھا۔ اُن کو اپنی قانونی سیادت پر غرور تھا۔ پھر اُن کی بدبختی کہ وہ ایسے اعمال میں ڈھل گئے کہ اُن کو خدا نے آزمانا چاہا جب اُن کو آزمانا چاہا تو یہ دو فرشتے زمین پر بھیجے طاقت کی حرص دے کر...... اور وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم سحر نہیں، ہماری طرف راغب نہ ہونا۔ ہمارے پاس پُراسرار قوتیں ضرور موجود ہیں، اور اسرار ربانی ضرور موجود ہیں اصول سحر موجود ہیں مگر "وما یعلمن من احد" وہ ایک بندے کو بھی سحر نہیں سکھاتے تھے "حتی یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر" (۲:۱۰۲) جب تک انہیں یہ نہ کہہ دیتے تھے کہ ہماری متابعت نہ کرنا۔ خواتین و حضرات! انہی آیات میں دوبارہ سحر کو کفر کہا گیا ہے۔ پہلے سلیمانؑ کے ضمن میں کہا گیا۔ پھر اسی سحر کو دوبارہ ملائکہ نے کہا کہ "انما نحن فتنة" کہ جو شخص بھی سحر کی طرف ڈالا جاتا ہے۔ وہ اللہ کی آزمائش میں آجاتا ہے۔ یہ آپکی آزمائش ہے۔ آپکو فتنے میں ڈالا جا رہا ہے۔ کفر و سحر اور تعویذ دھاگہ یہ سارا آپ کو فتنے میں ڈال دے گا۔ ہاروت و ماروت کہتے تھے کہ "مت ہماری طرف آؤ...... (مت حساب کتاب کرنے والوں کی طرف جاؤ۔ یہ جھوٹے اور فریب کار لوگ ہیں، خدا کی قوتوں کو بانٹتے ہیں۔ یہ شرک اور کافر ہیں۔ ان کی طرف مت جاؤ۔) ہم فتنہ ہیں۔ ہم صرف آزمانے کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ طاقت دینے کیلئے نہیں بھیجے گئے" اور وہ کرتے کیا تھے؟ "فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ "میاں بیوی میں فرق کیسے ڈالتے ہیں۔ کسی کی ساس کو کیسے مارتے ہیں۔ کسی بہو سے کیسے نجات حاصل کی جاتی ہے۔ love affairs کیسے چلائے جا سکتے ہیں۔ طلاقیں کیسے ہو سکتی ہیں۔ کیا آج کے زمانے میں سحر کے جو اثرات ہیں وہ اسی طرح جاری نہیں ہیں......؟ پھر خداوند کریم فرماتے ہیں اور یہ اللہ کی judgement (فیصلہ) ہے: "ویتعلمون ما یضرهم ولا

ینفعھم " تم ایسی بات کیوں کرتے، پڑھتے اور سیکھتے ہو جس کا نہ فائدہ ہے نہ نقصان۔ جس نے اختیار کیا اس کو نقصان شروع ہو گیا مگر جو اللہ کے ساتھ رہا اس کو نقصان نہیں ہوا چاہے ساری دنیا کے جادوگر مل کے اُس پر جادو کر دیں۔ اُس کا نقصان نہیں ہوگا کیونکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر بہت شک و شبہ سے بھی اُس نے رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ دو آیات پڑھ لی ہیں تو اُس پر جادو نہیں ہوگا۔ "ویتعلمون ما یضر ھم ولا ینفعھم "(۲:۱۰۲) یہ جادو اور سحر کی حقیقت ہے۔ خواتین و حضرات! اس میں بدترین چیز یہ ہے کہ اللہ کو زمین و آسمان سے فارغ کر دیا جائے۔ دیکھئے کون سا کام ہے جو جادوگر نہیں کرتے پھرتے، کونسا کام ہے جو یہ حساب کتاب والے نہیں کرتے۔ آپ نے انکے اشتہار لگے دیکھے؟ سارے خداؤں میں بیچارہ اللہ کیا کریگا...... He has to leave this earth. (اسے یہ دنیا چھوڑ دینی چاہئے) دیکھو ہر آدمی اللہ کو نکالنے پر تلا ہوا ہے جیسے نیٹشے نے کہا تھا کہ خدا مردہ ہے اور اس کائنات میں اسکا کوئی کام نہیں۔ ڈاکٹر آرم اسٹرانگ نے کہا: "اگر اللہ کو اب اللہ رہنا ہے تو اسے ہماری غلطیاں، ہماری تمام حرکتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ اسے democracy برداشت کرنی پڑے گی"۔ اب ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اللہ کو مسلمانوں کا خدا رہنا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ طاقتیں ان ساحروں کو بانٹنی پڑیں گی۔ چاہے زندگی، رزق، کام...... اللہ میاں کہتا ہے: "یار مجھے چھٹی دے دو، میں جاؤں، کائنات تمہارے حوالے ہے جو کرنا ہے کرو اسکے ساتھ۔"...... مگر یہ مسلسل فکر کی بربادی ہے۔ اعتقاد و ایمان کی تباہی ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

سوال: حروفِ مقطعات کی significance (اہمیت) کیا ہے۔ کیا ان کا ورد کرنا یا چارٹ بنا کر لگانا جائز ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ قرآن کا حصہ ہیں۔ انکا چارٹ بنے تو بھی باعثِ برکت ہے اُس میں تو کوئی شک نہیں باقی جو ان کے پیچھے اسرار ہیں یا ان کے پیچھے علوم ہیں ان کیلئے اتنا تو نہ وقت ہے نہ خیال ہے۔ مجھے اُمید ہے انشاءاللہ تعالیٰ اللہ نے جب موقع دیا تو ایک مستقل، کم از کم ایک آدھ پورے دن کا lecture انہی حروفِ مقطعات کا ہوگا کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو انتہائی تفصیل چاہیے۔ بالکل اسی طرح جیسے physics ایک نیا علم ہے یا chemistry ایک پورا علم ہے۔ اتفاق سے پندرہ سو برس سے ان علوم پر یا قرآن کے ان حروف پر زیادہ لوگوں نے اصرار اور شوق کا مظاہرہ نہیں کیا مگر جیسے لوگوں کی عادت ہے کہ ہر چیز کے پیچھے کوئی نہ کوئی حیرت

نا کہ چیزیں ڈال دیتے ہیں اُسکو پراسرار کرنے کیلئے تو یہ الفاظ پراسرار نہیں ہیں بلکہ یہ الفاظ پوری کائنات کی ایک مستحکم keys ہیں۔ یہ وہ keys ہیں جن سے ہر چیز کے مطلب اور مراد کی کشاد کھلتی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپکے کام ہونا شروع ہو جائیں۔ کام نہیں ہوتے۔ اسکے پیچھے departments ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے آپ نے کسی لائبریری سے کتاب لینی ہو اور اگر آپ کے پاس guidance system نہ ہو تو آپ ساٹھ ہزار کتابوں میں وہ کتاب ڈھونڈتے پھرو گے مگر اس تک نہیں پہنچو گے۔ دس بیس دن کے بعد کہیں کتاب مل گئی تو خوش قسمتی ہے مگر اگر فرض کیجئے کہ آپ کو code words آتے ہوں تو اس بڑی لائبریری میں آپ بڑی آسانی سے پہلے پوچھیں گے کہ یہ متعلقہ wing کہاں ہے۔ آپ فوراً اس wing میں گئے فلاں author تک پہنچے اور پانچ منٹ میں proper procedure کے ساتھ وہ کتاب نکال کے لے آئے۔ اسی طرح انسانوں کی catagories پہ یہ حروف مقطعات rule (حکمرانی) کرتے ہیں۔ انسانوں کی اقسام پہ یہ rule کرتے ہیں۔ basically it is a knowledge of catagories. (بنیادی طور پہ یہ درجہ بندی کا علم ہے۔) اور یہ حروف تمام اشیا، افراد، تمام catagories کو rule کرتے ہیں۔ ان catagories کو جاننے کا مطلب ہے کہ آپ نے جملہ انسانوں، اشیا، اور اشخاص کو یا situations (حالات) کو جان لیا ہے۔ بدقسمتی سے دعوے بہت ہوتے رہے۔ پندرہ سو برس پہلے تک لوگوں نے اس علم کو مرتب کرنے کی بڑی کوشش کی بلکہ ہمارے ہاں برصغیر میں تو اسکے بڑے دعوے ہوئے۔ but practical demonstration was no where, nobody ever demonstrate in this knowledge in practice. (لیکن اس علم کی عملی صورت کبھی سامنے نہ آ سکی)

سوال: منگولوں سے شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کی علمی تحقیق و جستجو رک گئی۔ ان کے زوال کا کیا یہی سبب تھا کہ وہ علم حاصل نہ کر سکے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: زوالِ اُمت کا ایک سبب تو یہی ہے۔ بدقسمتی سے زوالِ سلطنت عثمانیہ بھی اسی سے ہے کہ اگر آپ تھوڑا سا historical (تاریخی) مطالعہ کریں تو Ottoman Empire (سلطنت عثمانیہ) کے زمانے میں آلات حربی بہت جدید ہوتے تھے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان بحیرہ روم پہ کنٹرول کر رہے تھے اس وقت کا خیر الدین باربروسا جہاز رانی میں بے تحاشہ

جدید تھا۔ اُسوقت برطانیہ، سپین اور پرتگال کے بیڑے جو سمندر میں پھرتے تھے۔ ان سب کو سلطان خیر الدین باربروسا نے ایک وقت میں شکست فاش دی اور Mediterranean (بحیرہ روم) پر سلطنتِ عثمانیہ کے پرچم لہرائے۔ یہ 1588ء کی جنگ تھی۔ اسی کی وجہ سے بحیرۂ روم جو تمام یورپین طاقتوں کے لئے تجارتی راستہ تھا وہ بند تھا اس لیے واسکوڈے گاما نے انڈیا کا روٹ ڈھونڈنے کے لئے افریقہ کی طرف سے ایک چکر لگایا اور کولمبس نے دوسرا لگایا مگر انڈیا کی بجائے وہ امریکہ پہنچ گیا۔ امریکہ دریافت ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ Mediterranean (بحیرۂ روم) جو اس زمانے میں main تجارتی route تھا وہ مسلمانوں نے بند کر رکھا تھا۔ ابھی بھی اس زمانے پر بنی ہوئی ایسی فلمیں چلتی ہیں جن میں Pilots کی مہم جوئیاں دکھاتے ہیں۔ یہ امیر خیر الدین باربروسا کی فلمیں ہیں جس نے یورپی، پرتگالیوں، ہسپانوی اور فرانسیسی لوگوں کو اتنی شکستیں دی تھیں کہ ان کے تمام بیڑوں کی مشترک طاقتیں بھی امیر خیر الدین کے مقابلے میں بالکل بےکار تھیں۔ اسی کے ایک جنرل نے اٹلی کا محاصرہ کرلیا اور چھ مہینے نہ صرف اٹلی کو قید رکھا بلکہ ان سے خراج بھی لیتے رہے۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ اس کے پاس زیادہ لوگ نہیں تھے کہ وہ وہاں Land کرتا (نیچے اترتا) وہ جہازوں پر سے چھ مہینے تک اٹلی پر حکمرانی کرکے واپس آ گیا۔

Sicilian Empire مسلمان خاندان اغالبہ کے زمانے میں قائم حوئی جیسے Sicily (سسلی) کے بارے میں اقبال کہتا ھے کہ

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب مجازی کا مزار

اسوقت کی طاقت وقوت کا جو بنیادی انحصار تھا وہ مسلمانوں کے ایمان اور علم پر تھا۔ بہت سے ملک فوج کی وجہ سے فتح نہیں ہوئے تھے۔ اگر آپ غور کریں تو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے مسلمان ملک انڈونیشیا میں ایک مسلمان فوجی بھی نہیں اترا۔ صرف چند تاجر گئے اور انھوں نے اپنی طاقت ایمان سے سارا انڈونیشیا مسلمان کرلیا۔ موریطانیہ کی تاریخ بھی اسی طرح ہے۔ اولیاءاللہ نہیں بلکہ حیران کن بات یہ ہے کہ تاجروں کی وجہ سے لوگ مسلمان ہوئے جو اس وقت کے دور میں مسلمانوں کے گھروں سے نکلے۔ یہ تاجر بھی ولی تھے۔ یہ سپاہی بھی ولی تھے۔ وہ اللہ کے بندے ہر حال میں خدا کے ولی تھے۔ آپ ان کے کردار کی عظمت دیکھئے۔ آج ہمارا بندہ پاکستان سے انگلینڈ جاتا ہے، امریکہ جاتا ہے، فرانس جاتا ہے اور واپسی پر اپنی شخصیت ہی کھو آتا ہے۔ ان کے

قصیدے پڑھ رہا ہوتا ہے۔ وہ غلط نہیں پڑھ رہا ہوتا۔ اس لئے کہ اسکی اپنی متاعِ حیات تو اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ اسکے پلے تو جھوٹ ہے، منافقت ہے، بے ایمانی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان Values کے مقابلے میں تو یورپ کی بظاہر Values بہتر ہیں۔ ایک کمرشل آتا ہے کوئی پیچھے جا کر نہیں دیکھے گا کہ یورپ لاکھوں کروڑوں اور billions ارب ڈالر کی مصنوعات بیچنے کیلئے بیماریوں کے علاج چھپائے ہوئے ہے۔ وہ Cancer کا علاج آپ کو نہیں دے رہا۔ بہت سی بیماریوں کا علاج نہیں دے رہا اس لیے کہ اسکے billion ڈالر کے جو Citadels ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ وہ خیرات ضرور دے رہا ہے۔ N-G.O,S ضرور دے رہا ہے کیونکہ اس نے آپکا خون نچوڑ کے حساب سے تھوڑا تھوڑا blood آپکو دینا ہے۔ یہ ان کی ایک technique ہے۔ وہ ایسے سفاک ہیں اسکے باوجود آپ ان کے corridors میں جا کے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مجھے بتایئے کہ قائد اعظم یونیورسٹی کا کوئی پروفیسر یا کوئی انجینئر جو وہاں سے ہو آیا ہو اور ہم نے feel کیا ہو کہ اسکا نام بھی کتاب سائنس میں آ گیا ہو۔ ایسا تو کوئی نظر نہیں آیا کیونکہ یہ علم لے کر نہیں آتے۔ یہ تو وہاں کے طرز سلوک سے متاثر ہو کے ادھر آتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی وہی شغل جاری ہو جائیں اور قائد اعظم یونیورسٹی کے Corridors میں بھی اسی طرح کے محبت کے سفر شروع ہو جائیں۔ اگر یہ علم لے کے آتے، شناخت لے کے آتے، یہ متاثرین علم مغرب ہوتے تو ہم بھی دیکھتے کہ Cosmology میں چندرا شیکھر کا نام ہے تو کسی پروفیسر افتخار کا بھی ہوتا مگر ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ مسلمانوں کے احساسِ کمتری کا یہ حال ہے کہ علم کے بجائے ماحول سے متاثر ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔ یہ ایک بدقسمتی ہے کیونکہ وہاں اس قسم کی کوئی شناخت موجود نہیں ہے۔ ہم بنیادی طور پر ان سے متاثر ہیں۔ ہمارے اندر احساسِ کمتری ہے کچھ اسکے عرصہ بادشاہت کی Inferiorities نہیں گئیں، کچھ اسکے رنگ و روپ کی inferiorities نہیں گئیں اور کچھ اسکے انداز زندگی کی inferiorities نہیں گئیں کیونکہ ہم میں مسلمانوں کے وہ اسباب نہیں رہے کیونکہ ہمارے انداز زندگی میں اسلام کی کوئی جھلک نہیں ہے۔ because we are not any more impressed by God, we are not any more impressed by Muhammad P.B.U.H. (کیونکہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ سے متاثر نہیں رہے۔) کبھی وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کے قافلے بڑی بڑی تہذیبات میں جاتے تھے اور ایک مسلمان کے کردار سے متاثر ہو

کہ ایک پورا ملک مسلمان ہو جاتا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ یہاں سے چھٹ کے چھٹ جاتے ہیں اور تمام کے تمام مزاج بدل رہے ہیں۔ واپسی پر آ کر قصائدِ مغرب گائے جا رہے ہیں۔ بقول اقبال کہ مغرب نے آپ کو دیا کیا ہے۔

صلہ یہ فرنگ سے آیا ہے ایشیا کیلئے
مئے خمار و ہجومِ زنانِ بازاری

سوال: آج کل زیادہ تر اولیاءِ کرام نے طریقت کو منظم کاروبار بنا لیا ہے اور اصلی طریقت والے لوگ ہمیشہ سے روپوش رہے ہیں اور اس دور میں صاحبِ طریقت لوگوں کی پہچان کیا ہے اور کیا بیعت کرنا ضروری ہے؟

جواب: اس سوال پر مجھے تھوڑا سا اعتراض ہے کیونکہ سوال یہ کہتا ہے کہ "اولیاءِ کرام نے"...... وہ کیسے اولیاءِ کرام ہو سکتے ہیں؟ اولیاءِ کرام نے یہ طریقہ نہیں رکھا۔ اولیاء تو پھر ہر زمانے میں اولیاء ہی ہونگے اور خدا کے بندے ہونگے اور خدا کے بندوں کیلئے باعثِ رحمت ہونگے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ ہم جو آجکل کاروبارِ حیات دیکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مجھ سے بہتر اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں کہا ہے کہ

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر حلقہء تالوث کے اندر ہے مہاجن

حقیقت یہ ہے کہ علم چلا گیا۔ علم transferable تو نہیں تھا۔ اگر ایک مرشدِ گرامی نے علم کیلئے زندگی بسر کی تھی تو اولاد نے تو نہیں کی۔ اگر اولاد نے کی تو وہ اُس پایہء علمی کا استحقاق رکھتا تھا مگر جس اولاد نے نہیں کی، ظاہر ہے کہ اُس کا کوئی استحقاق علمی صداقتوں پر نہیں بنتا اس لئے وہ زوال پذیر ہوئے۔ صوفی یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ صرف خدا کا شناسا ہوتا ہے۔ صوفی تو ایک culture (تہذیب) کا بانی ہوتا ہے۔ صوفی تو اخلاقیات کا اور ادب کا بانی ہوتا ہے۔ وہ زبان بدل دیتا ہے خیال بدل دیتا ہے، انداز بدل دیتا ہے وہ لوگوں کو اپنی سطح سے بہت اُوپر اُٹھا دیتا ہے۔

میں ایک دفعہ کلیان شریف گیا۔ وہاں ایک بڑے مجذوب مشہور تھے علم والے......بابا فضل کلیان والے مستند مجازین میں سے تھے۔ میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ آس پاس ویرانہ سا

تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی تھی تو میں نے درویش سے کہا: "بابا! تُو ادھر کیا کر رہا ہے، کیا تُک تھی تیرے ادھر آنے کی۔ ادھر تجھے کیا نظر آیا۔ کسی شہر میں جاتا، کوئی چار بندے اور تیرے قائل ہوتے۔ تُو کتنی فضول جگہ آ کے بیٹھ گیا ہے۔ تُو نے کیا کیا ہے ادھر آ کے؟" میں یہ بات کہہ کے مسجد چلا گیا اور نماز پڑھنے کے بعد جونہی میں نے دروازے کے باہر قدم رکھا تو مجھے گلی سے ایک آواز آئی۔ I never heard such a sweet voice again. بہت خوبصورت آواز...... میں نے ابھی بندہ دیکھا نہیں تھا مگر انتہائی خوبصورت آواز میں کوئی گا رہا تھا کہ

تُو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

(کہ تو دو عالم سے غنی ہے اے رب کریم میں فقیر ہوں مگر محشر میں میرا "ایک عذر قبول کر لینا)

گر حسابم رابینی ناگزیر

(اگر تُو نے ضروری میرا حساب لینا ہے تو میری ایک درخواست ہے۔ میں منت کر رہا ہوں کہ مجھے بڑی شرم آئے گی۔)

از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

(تو آپ میرے اُس گناہگاری کی فہرست کو میرے پیغمبر کی نظروں سے بچا لینا۔ مجھے بڑی شرم آئے گی حضور کے سامنے اپنے گناہ کی لسٹ پڑھ کے۔ میں اُن کا غلام تھا اُن کی اُمت سے تھا پھر میں نے اتنی برائیاں کر لیں) میں پریشان ہو گیا کہ دیکھو جی اس ویرانے میں اتنے خوبصورت یہ اشعار نعت کے اور اتنی خوبصورت آواز کے ساتھ...... میں باہر نکلا تو سفید دھوتی میں ایک دیہاتی جا رہا تھا۔ اُسے میں نے چھیڑا نہیں۔ میں دوبارہ مزار پہ آ گیا۔ میں نے کہا: You know, you chose the right place. (تمہیں معلوم ہے کہ تم نے ٹھیک جگہ کا انتخاب کیا ہے۔) یہ اُن کے culture کی وجہ سے تھا کہ صوفیا کا culture صرف علم نہیں اُن میں ادبیت کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ Almost extra sophistication دیتا ہے۔ جہالتوں کو رفع کرتا ہے۔ معین الدینؒ نے ایک culture پیدا کیا ہے۔ فرید الدین گنج شکرؒ نے ایک culture پیدا کیا ہے۔ یاد رکھئے کہ بادشاہ بھی اس سے متاثر تھے۔ سنیے! کہ وہ التمش کو کیا کہہ رہا تھا۔ خواجہ بختیار الدین کاکی کی وفات ہوئی تو انہوں نے وصیت چھوڑی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے کہ جس نے کبھی عورت کو نہ دیکھا ہو اور کبھی تہجد قضا نہ کی ہو۔ جب سب کھڑے تھے تو پھر

سلطان شمس الدین التمش روتا ہوا باہر نکلا اور کہا: "یا شیخ! امروز میرا پیش خلق رسوا کردن" (کہ اے فقیر عالم تُو نے آج مجھے خلق کے سامنے رسوا کردیا۔) یعنی بادشاہ کتنے متقی اور پرہیزگار تھے۔ یہ آخر اُن صوفیاء کی علمی صحبتوں کی وجہ سے تھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی ترقی کا راز یہ ہے کہ بادشاہ اور صوفی ساتھ چلتے ہیں۔ سلطان محمد غوری بھی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی اجازت لے کے آتا ہے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اپنی بیٹی دیتا ہے خواجہ فرید الدین گنج شکر کو۔ نظام الدین اولیاء کے ساتھ جب بادشاہ گستاخی کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ "ہنوز دلی دور است"...... فقیر اور درویش اور سپاہی کا ساتھ...... یہ سب سے مبارک سفر ہوتا ہے۔ جب سے فقیر جھوٹے نکلے اور سپاہی secular ہو گئے ہیں تب سے ملک کا بیڑہ غرق ہو گیا ہے۔

سوال: اپنے ملک کے حالات کے حوالے سے خصوصی طور پر اور اُمت مسلمہ کے مجموعی احوال کی بناء پر عمومی طور پر نہ چاہتے ہوئے بھی عقلی سطح پر یہ تسلیم کرنے کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں کہ شاید معاشرے کی کم از کم دنیاوی اور معاشرتی ترقی کیلئے غالباً ہمیں مذہب کو انفرادی سطح پر محدود کرنے کی ضرورت ہے؟ کیونکہ نہ تو دنیا میں مذہب پر کاربند کوئی ترقی یافتہ معاشرہ نظر آتا ہے بلکہ تاریخ میں بھی ایسی مثالیں نادر ہی ہیں۔ آپکی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

جواب: ابھی میں بہت طویل لیکچر دے کے گذرا ہوں بلکہ میرا موضوع یہی تھا کہ تہذیبات انسانی میں ترقی کیسے آتی ہے اور ان کی محافظت کیسے ہوتی ہے۔ will duran کی ایک کتاب ہے When nations die، اس میں ایک historian نے پوری تہذیبات کو دیکھا ہے اور اس نے nut-shell (خلاصہ) یہ پیش کیا ہے کہ تہذیبات کیوں مری ہیں، حکومتیں کیوں زوال پذیر ہوئی ہیں، ان سب کا nutshell یہ ہے کہ حکومتیں اس وقت مری ہیں جب وہ مذہب سے دور ہو گئیں۔ ول ڈورا کہتا ہے کہ جب moral نظام کی بنیاد مذہب پر پڑتی ہے تو مذہب تباہ ہو جاتا ہے۔ جب مذہب جائے گا تو moral نظام جائے گا۔ مختصراً ایک جملے میں آپکو بتا رہا ہوں کہ It maybe unrecommendable that in the past one or two children were sacrificed at the altar of fertility goddess. وہی بات کہ بچے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ اس وقت زیادہ تر معاشرے تباہ ہو گئے جب بچے بھینٹ چڑھائے جاتے تھے لیکن دورِ حاضر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ What about modern days. جس کی ایک rough calculation (غیر حتمی اندازہ) یہ ہے کہ Forty million children are aborted at the altar of freedom and facility. آپ کو کیا لگتا ہے کہ کون سی تہذیب مرنے کے قریب ہے کہ چار کروڑ معصوم بچوں کی abortion صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اُن کے والدین ان کو آسانی کے دیوتا کی نذر کر دیتے ہیں۔ کیا زمانہ بدل گیا ہے؟ کیا پرانی قوموں کی تباہیوں کے آثار اور اس قوم کی یا کسی بھی قوم کی تباہی کے آثار بدل گئے ہیں؟ جیسے میں نے آپ سے کہا کہ Carthagians اتنے امیر ہو گئے تھے کہ اپنی حفاظت کیلئے غیر ملکی سپاہی کرائے پر رکھتے تھے جب اُس پر جولیس سیزر نے حملہ کیا تو سب اپنے اپنے گھر بھاگ گئے اور کارتھیجیا کھنڈر بن گیا کیونکہ اپنے ملک کیلئے وہ مرنا نہیں چاہتے تھے۔

ابھی بھی قوموں کے عروج و زوال میں آپ دیکھیں تو خدا کا فلسفہ وہی ہے اور تاریخ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ یہ تاریخ کیوں نہیں کبھی جھوٹ بولتی؟ کیا تاریخ کوئی آدمی ہے، کوئی group of people ہے کوئی technical ہے کوئی computer لگے ہوئے ہیں......؟ مگر تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو repeat کرتی ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بالکل وہی ہوتے ہیں جو اوّل زمانہ سے شروع ہوئے۔ ہزاروں تہذیبوں کا عروج بھی انہی وجوہات سے ہوا۔ سوال ہے کہ کیوں؟ اسلئے کہ یہ زمینی حقائق نہیں ہوتے۔ زمینی حقائق تو matter ہی نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات! جب زمینی حقائق کا یہ حال ہے کہ حضرت موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ "ہم حنین کی جنگ کیلئے نکلے۔ ایک اونٹ تھا اور ہم سات آدمی تھے ہمارے پاس بانس تھے اور ایک آدمی کے پاس تلوار تھی۔ ہم نے اِدھر اُدھر سے انکی نوکیں بنا رکھی تھیں اور ہم باری باری اونٹ پر چڑھتے تھے پھر گرمی زیادہ ہوگئی۔ ہم ننگے پیر تھے۔ ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ پھر ہم نے گریبان پھاڑے اور پاؤں کے اُوپر لپیٹے اور ہم نے یہ جہاد کیا"۔ یہ تو تھے زمینی حقائق جن کو دیکھ کے شرم آتی ہے کہ اللہ نے کتنا عجیب و غریب stance بنایا ہوا تھا فتح دینے کیلئے۔ ان لوگوں کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ حنین میں، بدر میں اور بالآخر ان سب لوگوں کو اللہ نے نہ صرف بچایا، فتح و نصرت دی بلکہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج ملیا میٹ کر دیئے تھے۔ یہی تھے کہ:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اصول کیوں نہیں بدلتے جن کی وجہ سے قومیں برباد ہوتی ہیں اور زمینی

حقائق کیوں اہمیت نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ زمینی حقائق کو اس پروردگارِ عالم نے control کیا ہوا ہے جو آسمانی حقیقتوں کا مالک ہے اور یہ اصول اس لئے نہیں بدلتے کہ "وَلَا تَبْدِيلَ لِسُنَّةِ اللهِ" نہ اللہ کا کلام بدلتا ہے نہ کل بدلا تھا نہ آج بدلا ہے۔ آج کی society, secular کی ایک مثال آپ کے سامنے ہے۔ دو مسلمان ملک ایک ہی وقت میں آزادی پا گئے۔ اِدھر حکومتِ ترکیہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے تحت یورپی جنگوں سے عہدہ برآ ہو کر جنگِ استنبول سے نپٹا، وہ عزت پا گیا اور دوبارہ آزاد ہوا۔ اِدھر کچھ عرصے کے بعد پاکستان آ گیا۔ خواتین و حضرات تھوڑا سا انکا موازنہ کریں۔ سلطنتِ عثمانیہ شروع سے حکمران ...... اُنکے خزانے بھرے ہوئے ...... اُنکے سب آثار بے پایاں ...... اِدھر ایک بھوکا ننگا ملک بنا جسکی سیکرٹریٹ میں ایک کرسی ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔ ایک چھوٹا سا بدوضع میز پڑا تھا۔ کاغذ تھے ہی نہیں جس پر sign کیے جائیں حتیٰ کہ marker بھی نہیں تھے جس سے نشان لگائے جائیں۔ This was the beginning of Pakistan. (یہ تھا پاکستان کا آغاز) جبکہ دوسری جو قوم تھی وہ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں نکلی جو اپنے وقت کا ایک عظیم ترین جرنیل تھا لیکن ایک غلطی کر گیا کہ مذہب کو چھوڑو اور modern قوموں کی طرح ترقی کرو۔ یہ ایک ملک تھا جس کیلئے آزادی پانے کے اسباب بہت تھے۔ نوکریوں کا بھی مسئلہ تھا۔ ذاتِ اسلام کا بھی مگر کوئی centre نہیں بن سکا تھا۔ centre نعرہ ایک ہی بنا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" تو یہ ملک خدا کے نام پر بنا اور وہ ملک مسلمان ہونے کے باوجود secularism کو shift کر گیا اور اب اندازہ لگایئے کہ سیکولر اور انتہائی ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ان کے زعم کدھر گئے کہ ابھی بھی یورپ کے دروازے پر داخلے کیلئے بھیک مانگ رہا ہے کہ ہمیں اپنی برادری میں داخل کر لو۔ ہمارے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے۔ نہ ہم سیکولر رہے نہ ہم مذہبی رہے۔ پلیز entry دے دو۔ ہم سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں ......
اس بھوکے ننگے ملک کو دیکھو کہ یہ پہلے دنیا کی ساتویں طاقت بنی اور پھر کروز میزائل کے بعد چوتھی عظیم طاقت بنی اور کچھ دنوں تک انشاءاللہ تعالیٰ العزیز امریکہ اور یورپ کے مقابلے میں آ جائے گی باوجود اسکے کہ کوئی حکمران اسکے ساتھ وفا شعار نہیں نکلا۔ یہ اُس خدا کے نام کی برکت ہے اور یہ آج کی بات نہیں ہے۔ تھوڑا سا مستقبل کا بھی سن لو ...... ابو نعیم حمادی کی حدیث میں یہ ہے کہ اہل ہند کے مسلمان سب سے پہلے اہل کفرِ ہند سے جنگ کریں گے اور ان کے امراء و روسا کو گرفتار کریں گے پھر شام میں مریم کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ یہ ہے آپکا مقدر ...... کہ یہ ملک نہ مرنے

کیلئے آیا ہے، نہ مٹنے کیلئے آیا ہے کسی جابر وظالم حکمران کے ہاتھوں نہ یہ Secular ہوگا نہ مادر پدر آزاد ہوگا۔ چند تتلیاں اس باغ کی رنگت نہیں بدل سکتیں۔ چند موسم اس کی بے پناہ کمال کی رتوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ مقدر سے بنا ہوا ملک ہے اور اپنی تقدیر کو ہر حال میں پورا کریگا۔

خواتین وحضرات!

I think you are very patient people. You heard me so patiently. Iam deeply obliged. Thank you. پہلا موقعہ تھا آپ سے ملاقات کا مگر وابستگی کا پہلا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو توفیق بخشے۔ میں سمجھتا ہوں، I am so grateful to you because I kept talking and you listening. لارڈ رسل نے کہا: جب دو آدمی اونچی آواز میں بات کر رہے ہوں تو صرف اونچی آواز والا ہی جیتتا ہے تو مجھے امید ہے کہ میری آواز تھوڑی سی آپ کی خاموشی سے بلند تھی تو میں جیتا نہیں ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو سیکھنے سمجھنے کا ایک راستہ بنائے I wish کہ ہم اپنی زندگیوں میں کم از کم کسی ایک آدھ طریقہ کار کو بھی اللہ اور رسولؐ کے مطابق بنا لیں There is no perfection. Religion is not suppose to make you perfect. یہ میں آپکو بتادوں۔ رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے اصحاب نے فرمایا کہ ہم کبھی گناہ نہیں کریں گے۔ غضب سے جلالِ رسالت مآب ﷺ بڑھ گیا اور فرمایا کہ تم ایسی بات کرتے ہو تو پھر اللہ تمہیں زمین سے نسبت ونابود کر دے گا اور تمہاری جگہ وہ لوگ لائے گا جو خطا کریں گے۔ توبہ کرینگے اور اللہ انہیں بخشنے میں مسرت محسوس کریگا۔ خواتین وحضرات! سب سے بڑی اور important بات یہ ہے کہ ہمیں اُس نسبت اور اُس سلسلے سے وابستگی رہے ہم اپنے خدا کے رہیں۔

Choice is not between this team or that team. Choice is between to whom do you belong to. ہمیں فخر ہے کہ ہم اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں محبت ہے اپنے پروردگار سے۔ ہم اُسی کی آغوشِ رحمت میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ العزیز آنے والے وقت بتائیں گے کہ اس ملک کا مقدر کتنا عظیم تر ہے اور اگر اللہ نے ہمیں کسی کارِ خیر کیلئے چنا ہے تو ہم اور آپ مبارکباد کے مستحق ہیں صرف یہ کہ جیسے اللہ نے کہا ہے کہ تم پلٹ جاؤ گے تو میں پلٹ جاؤنگا تم لوٹ آؤ گے تو میں لوٹ آؤنگا۔

اسلام کا نظریہء ارتقاء تغیراتِ زمانی و مکانی کے تناظر میں

اَعُوذُ بِااللهِ السَّمِیعِ العَلِیمِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللهِ الرَّ حْمٰنِ الرَّ حِیْم

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ
لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْن ○ وَسَلامٌ عَلَی الْمُرسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ○

خواتین و حضرات! صوفیاء کا شہر اور بہت سے رنگ اس سرزمین میں ایسے سموئے پڑے ہیں کہ دنیا کو دین سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ سہروردیہ شیوخ کی سب سے خوبصورت اور اچھی بات یہ تھی کہ انہوں نے کبھی علوم دنیا کو علوم دین سے جدا نہیں کیا اور شیخ شہابؒ جہاں ایک طرف دنیا کے معاملات میں پوری دلچسپی لیتے تھے وہاں وہ خدا کے حضور عقل کے استعمال کو ممنوع سمجھتے تھے۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں نے آغاز حیات میں قرآن کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ ایک کتاب میں لکھا ہوا ایک عجیب و غریب جملہ میرے ذہن میں اٹک گیا اور اس کی توجیح اور وضاحت کیلئے میں نے بیسیوں بلکہ سینکڑوں کتابیں دیکھ ڈالیں مگر کوئی وضاحت نہ ہوئی۔ وہ جملہ ایک عجیب و غریب جملہ تھا کہ ایک شخص نے اپنے شیخ سے سوال کیا کہ ''مجھے تجلّی، برقی، عارضی نصیب کریں۔'' وہ جملہ پڑھ کر میں نے سوچا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ''تجلّی، برقی، دائمی'' تک

پہنچوں even being a student of literature and classified literature ادب کا شاگرد ہونے کے باوجود بھی میرے لئے یہ جاننا بہت مشکل تھا کہ "تجلیء برقیء عارضی" کیا ہے اور "تجلیء برقیء دائمی" کیا ہے۔ اسی اُدھیڑبُن میں میرے شب و روز گزرتے گئے حتیٰ کہ میں "عارف المعارف" تک پہنچا جس میں شیخ شہابؒ نے ایک بڑی خوبصورت بات کہی کہ جب تم قرآن پڑھ رہے ہو اور جب تم مطالعہء کتاب میں ہو اور تمہاری نظر جس آیت پر ہو تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس آیت کے پیچھے جو ملائکہ ایستادہ ہوتے ہیں وہ متحرک ہو جاتے ہیں اور تمہاری کیفیات میں شامل ہو جاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ خداوند کریم کو اگر منظور ہو کہ قرآن کی کسی آیت کا ابلاغ اور معانی تم تک پہنچے تو اس وقت وہ تمہارے جسم میں عجیب و غریب کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جیسے کسی "برق" کی سُرعت کسی چیز میں ارتعاش پیدا کر دیتی ہے۔ اگر وہ کیفیت کچھ عرصہ قائم رہے جیسے سمندر میں لپکنے والی ایک مچھلی کہ جو لمحہ بھر کیلئے ابھرتی ہے اور پھر اسکا شکار ہو جائے تو ٹھیک ورنہ وہ اس بیکراں اور وسیع سمندر میں پھر کھو جاتی ہے۔ اسی طرح معنی کے اس بیکراں سمندر میں سے جب کوئی معنی اٹھتا ہے تو اگر آپ میں یہ اہلیت ہے، اگر آپ اچھے "شکاری" ہو، اچھے "طالب علم" ہو اور اچھی نظر رکھتے ہو، آپ کا وقت اور مقام درست ہے تو اس "لمحہء معنی" کو آپ چھو لو گے ورنہ وہ پھر اسی بے کراں سمندر میں نعمتِ غیر مترقبہ کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تم میں یہ اہلیت پیدا ہو جائے کہ اپنے نفسی اشکال کو ختم کر دو، شکوک و شبہات کے فلسفے کو ختم کر دو، دانشوری کے بحران کو ختم کر لو اور سلامتیء فکر کے مالک ہو جاؤ تو یہ "تجلیاتِ معنیء قرآن" دائمی ہو جائے گی۔ یہ پڑھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ آج وہ عقدہ "شیخ شہابؒ" نے کس مہارت سے کھول دیا کہ "تجلیء برقیء عارضی" کیا ہوتی ہے اور "تجلیء برقیء دائمی" کیا ہوتی ہے۔

خواتین و حضرات! یہ شیوخ کے درمیان مقابلے نہیں ہیں، اساتذہء کرام میں مقابلے نہیں ہوتے۔ متلاشی کو ایک دکان نہیں چاہیے ہوتی، متلاشی کو سودا چاہیے ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی جگہ سے ملے، یہ ضروری نہیں کہ کسی کو بریلی کے بازاروں میں ملے اور کسی کو دیوبند کی دیواروں میں ملے، مسلک کبھی بھی غلط نہیں ہونا چاہیے۔ مسلک در و دیوار نہیں بنتے، مسلک وہ طلب وہ جستجو ہے کہ:

؎ فصیلِ دل کے کلس پر ستارہ جُو تیرا غم
تیری طلب تجھے پانے کی آرزو تیرا غم

یہ وہ طلب اور وہ جستجو ہے جس کی خاطر آپ سرِ بازار نکلتے ہو۔ صحراؤں میں نکلتے ہو۔ اگر آپ اس میں درو دیوار کے قیدی ہو جاؤ تو نشانِ منزل کھو جائے گا، ہمسائیگی، پروردگار چھن جائے گی۔

شیخ شہابؒ کے نام سے جو ہمیں بہت زیادہ نسبت ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس حضرت نجم الدین سہروردیؒ، شیخ شہاب کو لے گئے تو کہا: ''حضور! اس بچے کیلئے دعا فرمایئے'' تو آپؒ نے انہیں ایک بڑی عجیب وغریب دعا دی کہ یہ عراق کے مشاہیر میں سے آخری ہے اور پھر شیخ شہابؒ کے بعد عراق سے فتنہ وفساد ہی کی خبر آئی ہے۔ اس کے بعد عراق میں اس status (مرتبے) کا کوئی صوفی اور عالم دوبارہ نہیں اٹھا۔

اب ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

انسان ہمیشہ transition (دورانِ سفر) میں رہا۔ ازل سے لیکر ابدیت تک یہ دورانِ سفر ہے۔ اس سفر میں جو مقامِ جنت سے شروع ہوا اور دوبارہ اسی جنت کے مقام کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہوا انسان مسلسل transition میں ہے۔ transition (دورانِ سفر) کو اگر اس کے صحیح معنی میں لیا جائے تو ایک ''ترکِ منزل'' ہے اور ایک ''اختیارِ منزل'' ہے اور ان دونوں منزلوں کے درمیان ایک منزل transition ہے۔ جب آپ ایک منزل سے گزر جاتے ہو اور کسی دوسری منزل کو پہنچنے کی کوشش کرتے ہو تو تمام دورانِ سفر transition کہلاتا ہے۔ یہ عجیب وغریب بات ہے کہ ''شرع'' اور transition کا بہت بڑا تعلق ہے۔ شرع transition کیساتھ جاتی ہے۔ اگر آپ شرع کے معنی پر غور کرو تو شرع وہ زادِ راہ ہے، وہ کم سے کم زادِ راہ جو آپ کو کسی منزل تک پہنچا دے۔ شرع کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کم سے کم زادِ راہ جو آپ کو کسی منزل تک پہنچنے میں مدد دے۔

مختلف مذاہب، مسالک، مزاجوں اور انداز، فکر میں transition مسلسل متحرک رہتی ہے جیسے ایک بچے کو جوانی تک پہنچتے ہوئے شعوری transition سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح پہلے انسان کو اِس (موجودہ) وقت کے متمدن انسان بننے میں transitional society سے گزرنا پڑا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقام نہیں ہے۔ زمین پوری کی پوری transition stage ہے۔ یہاں بھی وہی transitional وقفہ ہے۔ Billion years (کروڑوں سالوں) trillion years (کھربوں سالوں) کی galaxial life تک پہنچتے ہوئے ایک چھوٹے سے مقام پر transition میں آ گیا ہے "مُستَقَرٌ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِین" (یہاں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہرو......)

اس transition میں تاریخ بھی آتی ہے، فلسفہ، خیال بھی آتا ہے زمین وآسمان کے جملہ بحران اسی transition میں آتے ہیں۔ انسان میں آغاز و انجام اسی transition میں ہے مگر ہمیں اپنے مقامات کی خبر نہیں ہوتی۔

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا کی خبر

کہ پورے وجود کی بھی ایک transition ہے اسکا پنپنا، اسکا قبر تک پہنچنا، اسکا دوبارہ برزخی وجود میں جانا بھی tansition ہے۔

تفکر کی transition وہ ہے کہ Neolithic age (حجری زمانے) سے چلتا ہوا یہ پہلا انسان جو چالیس ہزار سال پہلے basic (بنیادی) آبادیوں کی کوشش کر رہا تھا۔ جسے ہم ایک جنرل Homo sapien کے نام سے جانتے ہیں، وہ بدشکل، بدنما انسان جسے آج ہمارے بچے دیکھ لیں تو خوف سے گھبرا جائیں۔ وہ انسان آگے بڑھتا ہوا ہماری transition ہے اور آج کا انسان جو اپنے آپ کو متمدن اور خوبصورت سمجھتا ہے جب اپنی منزل آخر پر ایک حیات وہی پر غور کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے تو بھی transition ہے اس لئے کہ ابھی کوئی مقام ہماری نظر میں نہیں۔ آپ غور کیجئے کہ آپ کو اس transition سے کون نکالتا ہے؟ خیال کیجئے کہ یہ زندگی کس قدر بے سروپا ہے، کس قدر بے نام ونشان ہے کہ تنگ آ کر انسان یہ کہتا ہے:

کبھی تو ہو گا شبِ سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رُکے گا سفینۂ غمِ دل

آخر کبھی تو ہوگا انجام زندگی ......غور فرمایئے تو صرف ایک ہستی ہے زمین وآسمان میں، صرف ایک ہستی کے وعدے کا trust (یقین) ہے جو ہمیں اس transition سے نجات دے گا چاہے وہ جہنم دے یا چاہے جنت دے۔ صرف "خدائے بزرگ وبرتر" ہمیں اس transition سے نجات دیتا ہے، جو ہمیں حیاتِ ابدی کا وعدہ دیتا ہے، جو ہمیں بتاتا ہے کہ جانورانہ routine (تسلسل) سے نکلتے ہوئے اے حضرتِ انسان! تو اگر ایک "شرع" پر عمل کر لے، زادِراہ ساتھ

لے کے چلے اور زندگی سے سلامت گزر جائے، ذہنی سلامتی سے گزر جائے تو تیری transition تیری ابدیت کی حامل ہو جائے گی۔

اسلام بڑا بد قسمت مذہب ہے وہ اس وجہ سے کہ ہمیشہ فتح یاب رہا۔ تیرہ سو برس تک فتح یاب رہا، ابتدائے زمانہ، سرکار رسالت مآب ﷺ سے لیکر مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ مسلسل آگے بڑھتا چلا گیا۔ اصحاب رسول ﷺ گئے، بنو امیہ آئے، بنو عباس آئے، ولیمہ آئے، اسپین میں بنو امیہ کا آغاز ہوا اور وہ خاندان اغالبہ تک حکومت کرتے چلے گئے پھر یورپ کے دل میں پہنچے۔ ''امیر طریف بن مالک نخعی'' نے چار مرتبہ pyrenese عبور کیا۔ ''امیر عبدالرحمٰن الرافقی'' نے تولون پر جھنڈے گاڑھ دیئے۔ سسلی میں ''قاضی اسد بن فراط'' نے صدیوں کیلئے حکومت قائم کی اور کہاں وہ وقت کہ بحیرہ روم کے نیلے پانیوں پر امیر خیر الدین باربروسہ مسلسل فتوحات کے جھنڈے گاڑتا رہا اور اس کے ایک بحری کمانڈر نے چھ مہینے اٹلی کا محاصرہ بغیر فوج کے کئے رکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین تیغ دا زا اسلام بن گئی ہے مگر فتوحات نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ان کی priorities (ترجیحات) بدل گئیں۔ خیال کیا گیا کہ فتح ازل سے ابد تک مسلمان کا نصیب ہے۔ علم سے نظر ہٹ گئی، تعلیم سے نظر ہٹ گئی۔ اسلام طاقت کا مذہب نہیں تھا، اسلام علم کا مذہب تھا، شناخت تھا، اسلام کی transition خود شناسی سے خدا شناسی تک تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر مسلمان کم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں، چھ ارب میں سے دو چار یا دس رہ جائیں تو کیا اللہ میاں کی مرضی پوری نہ ہوگی؟ حدیث رسول ﷺ ہے: پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: ''جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا شخص نہ رہے گا۔'' خواتین و حضرات! یہ لیبارٹری، یہ مستقر، یہ ہجوم انسان یہ تو خدا کو قبول نہیں ہے البتہ اگر چھ ارب میں سے ایک انسان بھی منشائے پروردگار کو پورا کرتا ہے، خدا کی خواہش پر اس کے بلا وجہ claim (دعوے) کو پورا کرتا ہے، علیت انسان کو قائم کرتا ہے تو اللہ اس ایک انسان کی خاطر بھی یہ پوری دنیا چلائے جائے گا۔ دنیا اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

کبھی آپ نے سوچا کہ وہ امانتِ عقل و فہم جب انسان کو دے بیٹھا تھا، اس نے جب انسان کے grades (درجات) بنائے تو اُس نے ابراہیمؑ کو بڑی وقعت دی، اُسے دوست بنایا۔ routine (تسلسل) سے ہٹ کر اسے خلیل بنا دیا۔ بھلا کیوں؟ اگر آپ تھوڑا سا غور و فکر کرو تو اس خوبصورت عقل کو جس کو اللہ نے پیدا کیا، جس پر ناز فرمایا، جسے امانت سمجھ کر انسان کو دیا اُسکا

سب سے پہلا، مکمل اور معتدل استعمال جناب خلیل اللہ کی صورت میں پیش آیا۔

Apriori method, priori method, inductive logic, deductive logic, moving from general to particular, moving from particular to general...

حضرت ابراہیم نے ایک فیصلہ کیا۔ وہ ہماری طرح تقلید پرست نہیں تھے، دیواروں کے قیدی نہیں تھے، چھتوں سے نہیں لٹکے ہوئے تھے، ان کی آرزو اُسکے پروردگار کو جاننے کی تھی اسی لئے اللہ نے ابراہیم کو اتنا بلند مقام دیا۔

"قَالَ اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا"

اے ابراہیم! تُو نے تو انسان کے ساتھ میرا مقصد پورا کر دیا۔ یہی میرا مطلب تھا، یہی فطرتِ انسان تھی۔ علم و عقل کی ترقی ہی فطرتِ انسان تھی۔ یہی تو میں نے دیکھنا تھا کہ غور و فکر کر کے کیا یہ انسان مجھ تک پہنچتا ہے۔ علم و عقل، جستجو اور تحقیق کا صرف ایک انجام ہے خواتین و حضرات اور وہ پروردگار کی آگہی ہے۔ اگر یہ نہیں حاصل ہو رہی تو یقین کرو کہ آپ کو پیچھے پلٹنا پڑے گا۔ آپ کو دیکھنا پڑے گا کہ کہیں آپ کی studies غلط ہیں۔ کہیں approach غلط ہے۔ یہ غلط ہے کہ خدا نہیں ملتا۔ مگر آپ کی (توجہات) approaches غلط ہیں۔ آپ کا انداز غلط ہے۔ آپ اللہ کی طرف وہ اخلاص لے کر نہیں چل رہے۔ آپ نے خدا کی آرزو کو دنیا کی وجاہتوں میں لپیٹا ہوا ہے۔ آرزوؤں میں لپیٹا ہوا ہے، آپ اپنے مقاصد کو بلند رکھتے ہو اور خدا کو صرف استعمال کرتے ہو۔ A prime Minister would never ever sit on the chair of a peon. اس کا اپنا مقام ہے۔ خالق کو بھلا آپ تخلیق کے level سے کیسے پا سکتے ہو، ایک painting کا بھلا کیا تعلق ہے کہ وہ مصور سے پوچھے کہ تو نے مجھے کالا رنگ کیوں کیا اور پیلا کیوں کیا؟ وہ جو زمین و آسمان کی ابتدا کرنے والا ہے، جو حیات کی ابتدا کرنے والا ہے، جو حیات کا انجام لکھنے والا ہے، جو لوحِ محفوظ پر full planning (مکمل منصوبہ بندی) کر بیٹھا ہے، جو آپ کو زندگی کا پہلا اور آخری سانس دے چکا ہے، جو آپ کی حیاتِ ارضی کے تمام بندوبست زمین تخلیق کرنے سے بھی پہلے لکھ چکا ہے، جو master plan میں یہ کہہ چکا ہے کہ دو دن لگائے میں نے زمین بنانے میں اور دو دن لگائے، اس میں اسبابِ ضرورتِ انسان رکھنے میں...... پھر آپ اس کو کیسے neglect (نظر انداز) کر سکتے ہو؟ اس سے بڑی کیا جہالت ہو سکتی

ہے کہ ہم اپنی آرزوؤں کو پہلے حاصل کریں۔ کون پورا کرے گا ان سب کو؟ "اَمَّن یُّجِیبُ
الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ" کون ہے جو اضطراب میں مضطرب کی دعا سنتا ہے؟ "وَیَکْشِفُ
السُّوْءَ" کون ہے جو تمہاری برائی کی گرہیں کھولتا ہے؟ "وَیَجْعَلُکُم خُلَفَآءَ الاَرْضِ" کون ہے
جو زمین میں تمہیں عزتیں بانٹتا ہے؟ "ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللهِ" اللہ ہی تو ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی تمہاری
آرزو پوری کرنے والا ہوتو ضرور بتا دیتا: "اَللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَن تَشَآءُ
وَتَنزِعُ الْمُلْکَ مَن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مِمَّن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ" (اے اللہ بادشاہ ملک کا تو
جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا
ہے اور جسے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔) But we don't believe these words.
(مگر ہمیں ان الفاظ پر All Islam is moving from literal to practical.
یقین نہیں ہے۔ تمام اسلام لفظی معنویت سے عملیت کو جا رہا ہے) جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے
ایمان کی آگہی پختہ کی۔ اگر آپ قرآن کے لفظ پڑھو تو آپ کو ایک پیغمبر تجربہ کرتا نظر آتا ہے کہ میں
چیزوں کو خدا مان کے دیکھتا ہوں۔ کیا یہ میری definition (تعریف) پر پورا اترتے ہیں؟
ایک prior idea ابراہیمؑ نے اپنے ذہن میں fix کیا تھا کہ: "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" کہ میں
زوال پذیر کو خدا نہیں سمجھوں گا اور تمام شہادت و دنیا اسی quotation کو آ رہی ہے۔ وہ تمام
معاملات کی study کر رہے ہیں۔ چاند نکلا تو انہوں نے کہا: "هٰـذَا رَبِّیْ" سورج نکلا تو کہا:
"هٰـذَا رَبِّیْ" مگر جب علامات کو مسترد کرتے ہوئے عقلی مواصلت اور تحقیق و جستجو سے ایک حتمی
یقین تک پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اب میرے ذہن میں کسی قسم کا کوئی شبہ دراز نہیں پیدا
کر سکے گا۔ میں ہوش و حواس اور عقل و فراست کو استعمال کر کے اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ تو ہی خدا
ہے، تیرے بغیر کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ جب ابراہیمؑ ایک مکمل intellectual faith (یعنی
یقین) تک رسائی پا لیتے ہیں تو خدا کو یہ طریق کار اتنا پسند آتا ہے کہ فرماتے ہیں: "قَالَ اِنِّی
جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" پھر آگے اللہ یہ کہتا ہے کہ "هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ" اے ابراہیمؑ
اب تجھے اور تیرے ماننے والوں کو مسلمان کہا جائے گا مگر اس مسلمانی کی transition میں جب
تم تعلیمی ادوار سے گزرو گے، عقل و فہم کے بحران سے گزرو گے، شکوک و شبہات کی جدلیات سے
گزرو گے تو پھر تم یقیناً اس حتمی یقین تک پہنچو گے کہ تمام جستجو کا حاصل صرف خدا ہے۔ There
is God and there is nobody else but God. جب تم "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ"

کی گواہی دے دو گے تو پھر کہیں جا کے اس transition میں اگلی منزل کے آپ حقدار ہو گے۔

مسلمانوں کی فتوحات کے تسلسل نے انہیں شکستِ علم سے روشناس کر دیا، کہاں Constantinople (قسطنطنیہ) سے نکلے ہوئے وہ علوم ...... ذرا غور کیجئے کہ یورپ کی مائیں بچوں کو کیسے ڈراتی تھیں ...... Hush! the Turks are coming پندرھویں اور سولہویں صدی میں یورپ کی مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں کے نام لے لے کر ڈراتی تھیں۔ کہاں وہ وقت کہ جب قسطنطنیہ کا زوال ہوا اور علم و ادب کی ترسیل شروع ہو گئی حتیٰ کہ وہ movements (تحریکیں) یورپ میں شروع ہوئیں Renaissance (تحریک احیائے علوم) اور Reformation (تحریکِ احیائے مذہب) یورپ خود غرض ہے، کبھی بھی آپکا شکر گزار نہیں ہو گا۔ یورپ کا اُس وقت یہ حال تھا کہ جب قرطبہ میں اَسّی ہزار حمام تھے اور ہر گلی چراغوں سے منور تھی تو "شان الیزے" میں گھٹنے گھٹنے پانی اور کیچڑ کھڑا ہوتا تھا، حتیٰ کہ وکٹورین زمانے کے آخر تک یہی حال تھا۔ اگر آپ "برنا ڈشا" کا Pigmalian دیکھ لیں یا ایسے دوسرے ناول پڑھیں تو آپ کو محسوس ہو گا کہ culturally (ثقافتی طور پر) جو transition یورپ میں آئی ہے وہ transition خواب و خیال میں بھی اسلام میں نہیں گزری۔ Victorian age (وکٹورین عہد) کی morality (اخلاقیات) یورپ میں جب industrial age (صنعتی دور) کی morality سے متاثر ہونے لگی تو سب سے پہلی ضرب مذہب پر پڑی. Christianity was not enough (عیسائیت اس کیلئے ناکافی تھی) حتیٰ کہ "بائی باس" نے سب سے پہلے "secularism" (سیکولرازم) کا لفظ استعمال کیا۔ اس نے صرف اِس وجہ سے secularistic philosophy (سیکولر فلاسفی) اختیار کی کہ جب اسے "پوپ" (pope) نے یہ کہا ...... کہ آپ مجھے بائبل پر اجتماعی طور پر ایک opinion (متفقہ روایات) دے دو۔ جب "بائی باس" نے بائبل کا مطالعہ شروع کیا اور کم از کم بیس versions (روایات) اس کے سامنے آئیں تو اس نے ایک چیز بڑی سنجیدگی سے محسوس کی کہ کوئی بھی version (روایت) ان ساری کتابوں میں مطابقت نہیں کر رہی So he was shocked (وہ حیران ہو گیا) اس نے بڑے احترام سے پوپ (Pope) کو خط لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ ہم یہ کوشش نہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم بائبل کو اسی رنگ میں چھوڑ دیں۔ اگر ہم نے بائبل کے مختلف text کے موازنے شروع کئے تو ہماری کوئی بھی uniform concept of Bible

(مقدس بائبل) نہیں ابھر سکتی۔ پوپ نے اسکا بُرا منایا......(شاید آج کا مولوی میری بات کا بُرا منا جائے......) اس نے اسے سزا دی، چرچ سے نکالا اور تین سال کیلئے قید میں پھینک دیا۔ یہ (بالی باکس) وہ شخص ہے جس نے secularism کی ابتدا کی۔ اس کے دو اقوال آپ کیلئے دلچسپ ہوں گے۔ اس نے کہا: "If you want to be a good secularist, you have to be an athiest. (سیکولرازم کا مذہب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اگر تم مذہب کو بھی مانو گے تو تم اچھے secularist کبھی نہیں ہو سکتے) پھر اس نے کہا کہ "Religion and secularism are like the land and sea, where there is land there is no sea, where there is no sea there is land. کہ جیسے زمین اور سمندر اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح سیکولرازم اور مذہب اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کیوں؟ But what was the problem? ”مزدک“ سے لے کر ”کارل مارکس“ تک سب کا نظریہ ایک تھا۔ ایران کا مزدک جو ”مارکسیت“ کا بانی تھا، جسے نوشیروان عادل نے بمع اسکے ساتھیوں کے قتل کروایا تھا جس کے بارے میں اقبال لکھتا ہے کہ:

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں امروز ہے

But the first ever socialist sharing communistic philosophy کا بانی مزدک ہے اور اس کو آگے approach کرتے ہوئے کارل مارکس نے ”Tas Capitas“ میں نمایاں کیا۔ یہ دونوں حضرات selfdom کے تعاقب میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یورپ کی فکری transition کے انجام کیا ہوتے ہیں؟ یورپ کی فکری transition جو ہے وہ ایک بدترین prolitariat (پولتاری) انقلاب کو ایک بدترین شہنشاہیت میں بدل دیتی ہے۔ انقلاب فرانس، جو ایک بڑا ہی ادنیٰ درجے کا prolitariat انقلاب تھا، مزدور کا انقلاب تھا، مقہور و مجبور کا انقلاب تھا، مگر انجام کیا نکلا؟ نپولین بونا پارٹ کی بدترین شہنشاہیت میں نکلا اور دوسرا انقلاب روس تھا۔ خواتین و حضرات! یہ انقلاب کیوں نہ آتا؟ انقلاب روس کیوں نہ آتا؟ جس ملک میں پُل کو پیدل کراس کرنے پر ٹیکس ہو، واپس آنے پر ٹیکس ہو، تندور میں روٹی لگانے پر ٹیکس ہو، پکانے پر ٹیکس ہو......اگر آپ نے اس وقت کی natural conditions دیکھنی ہوں تو ”بورس پاسترناک“ کا ”ڈاکٹر ژواگو“ گواہ ہے ”solzhenitsyn“ کا ”کینسر وارڈ“ گواہ ہے۔ پھر لوگ مرتے کیا نہ کرتے۔ اگر آپ

فرانس میں دیکھئے تو یہ بحران جو آگے چلتے ہوئے heavy transitions create کرتے ہیں. They were never, never constructor. (یہ کبھی بھی تعمیری نہیں تھے) کسی بھی transitional change نے یورپ کو امن نہیں دیا۔ اوپر سے جنگیں آ گئیں، بڑی بڑی جنگیں، آپ اگر ''ژاں پال سارتر'' کی triology دیکھو تو تصویر یہ نظر آتی ہے کہ دو کروڑ مردوں کا نقصان یورپ میں ہوا، یورپ جب جنگوں میں اجڑا تو یہ ایک نئی moral transition create ہو گئی، پہلے ایک industrial transition جاری تھی اور اب ایک moral transition جاری ہو گئی۔ یورپ متاعِ حیات تو گنوا بیٹھا تھا، متاعِ ایمان بھی گنوا بیٹھا اور اس کی متاعِ سکون و ثبات بھی لُٹ گئی۔ and they ultimately confirmed only one idea, (اور آخر کار انہوں نے ایک نظریے کا یقین حاصل کیا) اس پورے ادوار تبدیلی سے گزرتے ہوئے یورپ صرف ایک چیز کا convince ہو گیا کہ مالی سہولت اور خوشی ہی مکمل زندگی ہے، چاہے آپ کا بدن اور ذہن کسی حال میں بھی ہو۔ وہ کہتے تھے کہ ''معیشت خدا ہے''۔ There is nothing else مگر خواتین و حضرات! وہی وقت مسلمانوں پر نہیں گزرا۔ perhaps! because of two major institutions in Islam. (شاید اسلام میں موجود دو بڑے قوانین کی وجہ سے) کہ نہ تو انقلابِ فرانس کے بحران تک مسلمان پہنچے، نہ ہی انقلابِ روس جیسی destitution (بے سروسامانی) تک مسلمان پہنچے۔ کیوں نہیں پہنچے؟ کیونکہ ذاتی طور پر قریباً قریباً تمام مسلمان زکوٰۃ و صدقات پر یقین رکھتے تھے۔ یہ دو basic institutions (بنیادی قوانین) جو اسلام میں موجود تھے انہوں نے general public (عام لوگوں) کو آسرا دیئے رکھا اور ان میں کوئی عوامی بھوک کی تحریک نہیں پیدا ہو سکی۔ فاقہ زدگی کے بحران پیدا نہیں ہوئے۔ آج بھی اگر آپ دیکھ لو تو کسی مسلمان قوم میں ایک آدھ آدمی کا حالات کی گردش سے خودکشی کر جانا ہر مسلمان کے ذہن کو جھنجھا ہے کہ We being, basically a society of security, a society of social security (ہم بنیادی طور پر ایک سماجی تحفظ کا معاشرہ ہیں)، جہاں ہر انسان، ہر بندہ اپنی ہمسائیگی کا خیال رکھتا ہے۔ generally we are also turning to be selfish, no doubt in this. (اس میں شک نہیں کہ ہم بھی اب خودغرضی کو مائل ہیں)، مگر ہماری جو بنیادی اقدار ہیں، وہ بنیادی اقدار ہر انسان کو بتاتی ہیں کہ میں اپنے ڈرائیور کو، میں

اپنے مائی کو، میں اپنے کسی غریب ساتھی کو بھوک سے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ میں ظاہر کروں گا، میں اس کو طعنے دوں گا، کچھ بھی کروں گا But I do feed him somehow (مگر میں ان کو کچھ نہ کچھ کھلاؤں گا۔) اور یہ مسلمان قوم اس لحاظ سے اُس انقلابی بحران تک کبھی نہیں پہنچی، جیسے آپ کے ساتھ والے......کہ کبھی ایتھیپیا میں بھوک کے سیلاب آجاتے ہیں کبھی کہیں آجاتے ہیں مگر مسلمانوں میں کبھی بھی بنیادی عوامی انقلاب نہیں آیا۔ سلطنتیں بدلتی رہیں، حکمران تبدیل ہوتے رہے مگر ایسا کبھی نہ ہوا۔ "Toynbee" نے بڑی خوبصورت بات کی تھی شاید یہ اس کا پورا فلسفہ تاریخ ہے کہ ہر challenge (چیلنج) کا ایک response (ردِ عمل) ہوتا ہے۔ جب ایک طویل عرصہ، فتوحات کے بعد مسلمان زوال پذیر ہوا تو یورپ کے industrial revolution (صنعتی انقلاب) کا ایک کرشمہ یہ نکلا کہ یورپی طاقتوں نے مسلمانوں سے مستعار لی ہوئی عقل کو وجودیت کیلئے استعمال کیا۔ وہ اب اس بات کو نہیں مانتے مگر یہ عقل انہوں نے ہم سے مستعار لی تھی کیونکہ اب ہم اتنے غریب و مسکین ہو گئے ہیں کہ اب ہم نے ان کو خدائے جدت و اختراع مان لیا ہے۔ اب وہ ہمارے لئے بہت بڑے راہبر و رہنما ہو گئے ہیں۔ اس راہبری اور راہنمائی میں ان کمبختوں نے ہمارا قرض بھی ہمیں نہیں واپس کیا۔ وہ بھول گئے، وہ مطلقاً بھول گئے کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں دو سو برس تک "الغزالی" اور "رُشد" پڑھایا جاتا رہا تھا۔ ان کی بھی عقل کی فراست کی توجیہات بڑی change (تبدیل) ہو گئی ہیں۔ بنیادی طور پر ان کے کوئی spiritual concepts (روحانی تصورات) نہیں تھے، کتاب کمزور تھی مصلح اور reformers عیسائیت سے renigade (منکر) تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ Christian world (عیسائی دنیا) میں مذہب وہ دفاع پیش نہیں کر سکا جسکا نتیجہ یہ تھا کہ مغربی معاشرے کی اس نئی commitment نے جو کہ industrial philosophy (صنعتی فلسفہ) کی وجہ سے تھی اور جو ان کا کلچر تھا اس نے وجودیت کے فلسفے کو جنم دیا اور آخر اس فلسفے نے عقلیت پر قابو پایا اور اس ایک اصول اور basic philosophy کے تحت کم از کم سو سال تک یورپ کا وقت گزر گیا کہ "Existence precedes aesthetic" (وجود قوت متخیلہ پر غالب ہے) تفکر پر غالب ہے۔ ہر صورت میں پہلے وجود پر توجہ رکھنی پڑتی ہے۔ اگر آپ تھوڑا غور کرو تو پاکستان کے ابتدائی دنوں میں مغرب سے آئے ہوئے اس تازہ ترین فلسفہ، وجودیت کی جھلک آپکو ہر شاعر میں نظر آتی ہے۔ "عبداللہ حسین" میں نظر آتی ہے، "مستنصر حسین تارڑ" میں نظر آتی

ہے۔ ”امجد اسلام امجد“ میں نظر آتی ہے۔ ہمارا کام ہے جلدی جلدی نگلنا، جلدی جلدی اگلنا...... We do not give a natural maturity to a thought (ہم ایک خیال کو قدرتی طور پر پنپنے نہیں دیتے۔) ہم transitionaly act کرتے ہیں۔ یہ بدقسمتی ہوئی کہ ہمارے علماء نے علم کو توجہ نہ دی۔ اس بات کی معذرت چاہوں گا کہ علم میں کوئی رہبانیت نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں کو بڑا معزز سمجھتے ہوں، میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتا لیکن ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ تیرہ سو برس سے کوئی ایسا مسلمان scholar (دانشور) نہیں گزرا جس نے قرآن پر اس طرح اعتبار کیا ہو جس طرح قرآن چاہتا ہے۔ کیوں؟ میں آپ کو مثال دیتا ہوں۔ تین ہزار سال قبل Ptolemy نے کہا تھا کہ The Earth is stationary and things move around it. (زمین ساکت ہے اور ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔) پندرہ سو بیالیس (1542ء) میں ”کاپرنیکس“ نے کہا: Ptolemy was wrong (ٹولیمی غلط ہے) سورج ساکت ہے اور ستارے اسکے اردگرد گھومتے ہیں، بیچ میں قرآن آیا وہ دانشور جو کہتے ہیں کہ قرآن نے اردگرد کے علوم سے اخذ کیا، یونانیوں سے اخذ کیا، فلاں سے اخذ کیا، ان سے پوچھو کہ بھلا اگر قرآن یونانیوں سے اخذ کرتا تو کیا وہ Ptolemy (ٹولیمی) کو quote (حوالہ) نہ کرتا؟ اور اگر اسے کوئی شعور حاصل ہوتا کہ آگے کیا آنے والا ہے تو کیا وہ کاپرنیکس کو quote نہ کرتا۔ 1980ء تک تو آپ کا زمانہ حاضر کا بھی سائنسدان کہہ رہا تھا کہ کائنات میں کچھ stationary stars (ساکت ستارے) ہیں۔ کچھ ثابت ہیں کچھ سیارے ہیں مگر قرآن کیا کہہ رہا تھا: ”وَّالشَّمسَ وَالقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ ۢ بِاَمرِہٖ“ چاند ستارے سب ہم نے اپنے ایک حکم سے مسخر کئے اور وہ کائنات کا اصول کیا دے رہا تھا: ”کُلٌّ یَّجرِی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی“ یہ تمام چل رہے ہیں وقت مقرر تک۔ یہ کوئی یونانی فلسفی کی رائے تو نہیں تھی اور نہ ہی کسی modern scientist (جدید سائنسدان) کا concept (تصور) تھا، قرآن حکیم ازل سے یہ کہہ رہا تھا، پندرہ سو برس پہلے سے ایک challenging statement (للکارانہ بیان) دے رہا تھا: ”کُلٌّ یَّجرِی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی“ آپ مجھے بتائیے تو سہی کہ کونسے عالم نے اٹھ کر یہ کہا...... اس دوران سفر میں، اس transition میں سائنسز improve (بہتر) ہو رہی تھیں۔ دانشوری بڑھ رہی تھی، بڑے بڑے مسلمان عالم گزرے، آخر کسی نے قرآن کی اس statement (آیت) کا لفظی ترجمہ کسی کتاب سائنس

میں کیوں نہ درج کر دیا۔ کیا عجیب بات لگتی ہے کہ ”کارل سیگان“ نے اپنی کتاب میں شیخ الحرمین ”امیر عبدالعزیز“ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ امیر عبدالعزیز نے فتویٰ دیا۔ اس فتوے کی بنیاد پر ”کارل سیگان نے یہ دلیل دی کہ Islam is against all sciences (اسلام تمام سائنسز کے خلاف ہے۔) کیونکہ شیخ عبدالعزیز نے فتویٰ دیا ہے کہ جو زمین کو گول اور متحرک مانے گا اس کا سر کاٹ دیا جائے گا۔ یہ اسلام کے بارے میں رائے ہے؟ قرآن کے بارے میں رائے ہے؟

قرآن میں اور sciences میں ایک فرق ضرور تھا کہ قرآن کتاب تخلیق تھی اور یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ اللہ سچا نہ ہوتا اور کیا آسان ہے اللہ کا سچا ہونا اور نہ سچا ہونا۔ کیا آسان ہے کہ اگر انسان ہزار بار خطا کرے تو انسان رہتا ہے۔ اس کا انسانی status (مرتبہ) مجروح نہیں ہوتا۔ اگر اللہ ایک خطا بھی کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ اپنی جدت و اختراع سے اور دورِ حاضر کی Quantum (کوانٹم) اور Relativity (اضافت) سے خدا کو غلط ثابت کرنا کتنا آسان تھا۔ اگر وہ خدا نہ ہوتا، اگر اس کی statements (آیات) غلط ہوتیں: ”کیا تم گمان کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ تو اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔“ ملاحظہ فرمائیے! قرآن کیا کہتا ہے؟ پندرہ سو برس پہلے لیبارٹری نہیں تھی۔ کوئی تجربہ نہیں تھا۔ ”خلاقِ عالم“ دعویٰ گزیں ہے۔ میں جو کہتا ہوں بس وہی ٹھیک ہے۔ میں نے بنائیں ہیں چیزیں، مجھے تم سے بہتر پتہ ہے۔ تم گمان کے شکاری ہو، میں حقیقت کا خالق ہوں۔ میں جو تمہیں کہہ رہا ہوں۔ تمہیں نظر آتا ہے کہ پہاڑ کھڑے ہیں مگر یہ کھڑے نہیں ہیں۔ یہ تو سُرمئی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ خواتین و حضرات! کبھی اُس وقت گمان ہو سکتا تھا کہ پہاڑ چل رہے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے! کسی نے ”ابنِ رشد“ سے پوچھا کہ ابنِ رشد تم بڑی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہو۔ تمہیں عاد و ثمود کا نہیں پتہ؟ ان کے حشر سے تمہیں آگاہی نہیں ہے؟ ابنِ رشد نے کہا: ”تم عاد و ثمود کی بات کرتے ہو۔ میں تو ان کے وجود کا بھی قائل نہیں ہوں۔“ وہ بڑا اچھا تھا، سائنسدان اور فلاسفر تھا، تشکیک کا ماہر تھا۔ اس نے قرآن پر trust نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ تم عذاب کی بات کرتے ہو، میں تو ان کے وجود کا قائل بھی نہیں ہوں۔ مگر خواتین و حضرات! کیا عاد و ثمود نکل نہیں آئے؟ کیا وہ دریافت نہیں ہو گئے؟ کیا ان کے relics (کھنڈرات) نمایاں نہیں ہو گئے۔

آج کل کے دانشوروں کا حال سنیے! ہدہد کو پرندہ نہیں مانتے، messanger (پیغام رساں) مانتے ہیں، آدمی مانتے ہیں۔ کبھی یہ اعتراض ہو رہا ہے، کبھی وہ اعتراض ہو رہا

ہے۔ ہُد ہُد نے حضرت سلیمانؑ کو ایک خبر لا کر دی تھی کہ میں نے ایک قوم دیکھی کہ جو سورج کی پرستش کرتی ہے۔ میں نے ایک گمراہ قوم دیکھی۔ خواتین و حضرات! بڑی حیران کن بات ہے کہ یہ وہ پہلی خبر تھی جو ہُد ہُد نے سلیمانؑ کو دی اور بڑی حیرانی کی بات ہے کہ جب relics نکلے، جب "قوم سبا" کی کھدائیاں ہوئیں تو سب سے پہلی چیز جو نکلی وہ ایک مینار تھا اور اس پر سب سے پہلا symbol (علامت) سورج کی پرستش کا تھا۔ تو سب سے پہلی خبر یہ آئی کہ Sabaeens used to worship "sun". (سبائین سورج کے پجاری تھے) مگر لوگوں کو اعتبار نہیں آیا۔ انہیں فلسفہ اعتزال پر یقین تھا، یہ پورے کا پورا area of transition (تغیر کا علاقہ) ہے اور جس کی وجہ سے شدید بحران تخلیق ہوا۔ میں جو بات کر رہا تھا پھر اس کی طرف پلٹتا ہوں کہ جب اعتزال کا دباؤ بڑھا، معتزلہ نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے، یہ خالق کا کلام نہیں ہے اور یہ بحران اتنا بڑھا کہ مامون رشید نے حکم صادر کیا کہ اگر کوئی بھی شخص قرآن کو خالق کا کلام مانے گا تو اسکا سر کاٹ دیا جائے گا۔ Intellectual مسائل پر اتنا بڑا جابرانہ حکم ......! اس وقت کے ایک بزرگ، بڑے محترم "امام احمد بن حنبلؒ" نے اس کو defy (مقابلہ) کیا مگر دلیل نہیں دی۔ انہوں نے defy کیا، استقامت دکھائی، بہت محنت کی دین کیلئے، مگر ان کے پاس arguments (دلائل) نہیں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس معتزلہ کی movemnet (تحریک) نے اشاعرہ اور ماتریدیہ میں آگے چلتے ہوئے مسلمان کے original faith (بنیادی عقیدے) کو کھوکھلا کر دیا اور آنے والے وقتوں میں اور بڑی دیر کے بعد اس بنیادی ذہنی کھوکھلے پن نے مسلمان کو Quranic adherence (قرآن کیساتھ وفاداری) سے اٹھا دیا۔ اس وقت بڑے بڑے عالم تھے، بڑے بڑے دانشور تھے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کرم نہ بخشا ہو مگر جو basic contest (بنیادی مقابلہ) چل رہا تھا، جو فلسفہ تشکیک کا حملہ مذہب پر ہو رہا تھا اس کا ابھی کوئی عالم نہیں آیا تھا۔ long range لوگ یا فتح میں مصروف تھے یا اس طرح کی لاتائل بحثوں میں مصروف تھے۔ حجۃ الاسلام امام احمد الغزالی نے بڑی کوشش کی اور "تہافۃ الفلاسفۃ" لکھی۔ غزالی نے اس فلسفے کو رد کیا اس سے کچھ برس بعد میں ابن رشد نے "تہافۃ التہافۃ الفلاسفۃ" لکھ کر دوبارہ یہ بحث زندہ کر دی۔ There was no such powerful argument from any side of the Islam. (اسلام کی کسی طرف سے بھی ایسی مضبوط دلیل نہیں آ رہی تھی) کہ جو اس مسئلے کو حل کر دے اور لوگ

یونانیوں کا بھرپور تاثر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ابن سینا جیسے مفکرین نے جنکا آج ہم کتنے پیار اور احترام سے نام لیتے ہیں مگر دین کو انہوں نے برباد کرنے میں کسر نہیں چھوڑی اور ملائکہ سے انکار کر دیا۔ وہ دانشورانِ عصر، وہ رازی، وہ ابن سینا اور ملائکہ ہی سے انکار...... ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اللہ کو اپنے جیسا ایک مجبور تخلیق کار سمجھا جو دنیا اور انسان بنا کر تھک گیا تھا اور مزید تخلیقات بند کر بیٹھا۔ کیا اللہ ایسا تھا؟ کیا اس پر اتنی تھکن سوار ہو گئی تھی کہ انسان بنا کر فارغ ہو گیا تھا؟ ادھر اگر قرآن وہ پڑھتے اور very very scientific claim (بے حد سائنسی دعوے) اگر قرآن کے دیکھتے تو حیرت زدہ رہ جاتے۔ قرآن تو بڑی دور کی بات ہے بابا! حدیث ایسی ایسی possibilities (امکانات) دیتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مجھے حیرانی ہے کہ اس وقت کے long line of Ulama (علماء کی ایک لمبی لائن) نے نہ قرآن پر غور کیا نہ حدیث پر غور کیا۔ قرآن کہہ رہا تھا: "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ" کہ اللہ تو وہ ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کیں اور ہر کائنات میں ایک ایک life belt (میدانِ زندگی) رکھی ہے تمہاری زمین جیسی...... ایک ہی وقت میں سات زمینیں ہیں، سات کائناتیں ہیں۔ جو تواتر سے گزر رہی ہیں۔ کب ختم ہوں گی؟ اللہ ہی جانتا ہے۔ "یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ" اللہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ زمینیں بنجر ہیں، ویران ہیں بلکہ ارشاد فرمایا کہ ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے "لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" تا کہ تم جان سکو کہ تمہارے رب کی کیا قدرت، کیا وسعت، کیا بیکرانی ہے لیکن ہمارا concept of God was so limited, so minor, so inconsiderate (خدا کا تصور بہت محدود، بہت چھوٹا، بہت ناعاقبت اندیش) تھا۔ خدا کا تصور ایک powerful (طاقتور) ہمسائے سے یا ایک ملک کے گورنر سے زیادہ نہیں تھا۔ First priority is the top priority of the human nature is only God. (انسانی فطرت کی پہلی ترجیح صرف خدا ہے۔) جب آپ priority (ترجیح) سیٹ کرتے ہو تو آپکے تمام نیچے کے systems (نظام) ٹھیک ہونا شروع ہو جاتے ہیں مگر اگر آپ ترجیح اول کو نظر انداز کرتے ہو تو پھر ہر جگہ آپ کیلئے مسائل ہی مسائل ہیں۔

اس کتاب کو پڑھنے کے دوران اگر کوئی لفظی یا حوالہ جاتی غلطی نظر سے گزرے تو براہِ کرم درج ذیل ایڈریس پر اس کی نشان دہی کیجئے۔

مقصود الٰہی
نورُالنہار سکول
جامعہ اثریہ روڈ جہلم
0321-5442326